(جملہ حقوق بحق ... محفوظ ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

یا معین

...وا امۃً قتلت حسینا شفاعۃ جدّہٖ یوم الحساب

...جس نے حسین (علیہ السلام) کو قتل کیا ہے اس کے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قیامت کے دن شفاعت کی امید...

حادثۂ کربلا

مصنفہ

...م سید امیر جیلانی شاہ خلف الرشید حضرت حکیم پیر سید غلام جیلانی شاہ قدس اللہ سرہٗ

...خلد مکانہ، صوفی قادری فاضلی مرحوم ومغفور سکنہ چک نمبر ۱۰۰ نہر فتح تحصیل چشتیاں

حسب فرمائش

صوفی حاجی سائیں کریم اللہ صاحب دانشمندی لاہور،

زیر اہتمام

محبوب عالم ٹائمز بک ڈپو کتب خانہ حفیظ. اردو بازار۔ لاہور

ملنے کا پتہ

کتب خانہ مدارس کوٹ کلاں چک نمبر ۴۷۷ تحصیل سمندری

ضلع لائل پور،

انتساب

یہ ناچیز تصنیف بزرگوارم مرشدی و مولائی حضور پُر نور

سیّد غلام جیلانی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسمِ گرامی

سے معنون و منسوب کرتا ہوں کہ جن کے چشمہ فیض سے

ہزار ہا مخلوق کی تشنہ کامی دور ہو کر روحانی سیرابی ہوئی

عمر ہا در خویش مے پیچد وجود

تا یکے بیتاب ے جاں آید فرود

سید امیر جیلانی شاہ

فہرست

حصہ نثر

حصہ نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

و علیٰ اصحابہ الطیبین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ ائمۃ الطاہرین

اللہ نے پیدا جو کیا رنج و بلا کو — تقسیم ہوا سب وہ محبانِ خدا کو
آغازِ مصیبت تو لکھا نامِ نبیؐ پر — اور خاتمہ بالخیر حسینؑ ابنِ علیؑ پر

ہزار ہزار حمد و سپاس اسی خالقِ کبریا کو زیبا ہے کہ جس نے کتاب لاریب میں اپنی شان خود ہی بیان فرمائی کہ تبارک اللہ احسن الخالقین کہ مبارک اور برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر خالق ہے تعریف و توصیف کے لائق اس سے بہتر اور برتر ذات کوئی نہیں کہ جس نے خود ہی فرمایا کہ رب کل شیئ و مالکہ وھو العزیز الحکیم اسی نے اپنی مخلوق کی رہنمائی کے لئے ہر قرن و ہر زمانہ میں ہر قوم و ملّت کے لئے رسول مقرر فرما کر بھیجے تاکہ وہ راہِ ہدایت کی تلقین کریں اور ضلالت و گمراہی سے بچاویں۔ ولقد بعثنا فی کلّ امّۃ رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت: ہم نے ہر ایک اُمت میں رسول بھیجے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں اور سرکشی و نافرمانی سے بچیں"۔ اور ان رسولوں کو آیاتِ بینات اور ظاہری نشانیوں سے سرفراز فرما کر تعین کیا کہ لوگ یقین پکڑیں اور ان کی ہدایات پر عمل کریں۔ ولقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت وانزلنا معہم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط تحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہر دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل کی اور قواعد عدل و انصاف تعلیم کئے کہ لوگ عدل قائم رکھیں۔

ان تمام راہنماؤں اور پیشواؤں کا سردار اس کو بنایا کہ جس کی شان اسی کی زبان سے بیان فرمائی کہ میں اس وقت بھی مراتب نبوت پر فائز تھا۔ جبکہ ابھی حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی اور پانی سے اٹھایا جا رہا تھا۔ اور کہ میرا نور ہر شے سے اوّل پیدا ہوا: اول ما خلق اللہ نوری و کنت نبیا و آدم بین الماء والطین ہر نبی کی پیشانی میں نور محمدی جلوہ گر تھا جو بالآخر خود نور مجسم بن کر بطن آمنہ سے بہ صورت بشری ظاہر ہو گیا۔

حضرت بی بی آمنہ پاک فرماتی ہیں کہ حمل کے پہلے مہینہ میں حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے میں حضرت ادریس علیہ السلام تیسرے میں حضرت نوح علیہ السلام چوتھے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام

پانچویں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام چھٹے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں میں حضرت داؤد علیہ السلام آٹھویں میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور نویں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجھ کو مژدۂ ولادت سنانے آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مملکت الٰہی کا مالک و مختار اور انبیاء و رسل کا سردار جب پیدا ہو تو اس کا اسم مبارک محمدؐ رکھنا۔

چنانچہ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ یعنی پیر کے دن صبح سعادت کو پیدا ہوئے ۲۲ فروری ۶۱۰ء کو نبوت سے سرفراز ہوئے اور ۸ رجون ۶۳۲ء کو اس دار فنا سے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے ان کی شان بے غایت و بے نہایت ہے۔ خود مولائے کریم قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

جس بزرگ و برتر ہستی پر خود خدا اور خدا کے فرشتے درود پڑھیں وہ ہماری سب تعریفوں سے بالاتر ہے۔ اس کی شان خدائے قدوس کے علم میں ہی ہے ؎

وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

ہمیں چاہیئے کہ رسول پاک پر بکثرت درود پڑھیں کہ یہ افضل العبادت ہے۔

ترمذی سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں سو یہ بتا دیجئے کہ کس قدر درود معمول رکھوں مطلب یہ کہ باقی اوراد اور درود کی کیا نسبت رکھوں۔ آپ نے فرمایا کہ جس قدر چاہو میں نے عرض کیا کہ ایک ربع یعنی چوتھائی آپ نے فرمایا کہ جو چاہو اور اگر بڑھا دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نصف۔ آپ نے فرمایا کہ جو چاہو اور اگر اور بڑھاؤ تو تمہارے لئے اور بھی بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ تین چوتھائی۔ آپ نے فرمایا جو چاہو اور اگر اور بڑھاؤ تو زیادہ بہتر میں نے عرض کیا کہ میں تمام وظیفہ درود کو ہی کر لونگا آپ نے فرمایا تو اس صورت تمہارے تمام افکار کی کفایت کی جاوے گی اور تمہارا گناہ معاف کیا جائے گا۔

اس سے درود شریف کا افضل الاوراد ہونا ظاہر ہے۔

درود ہو رسول پاک پر ان کے اہل بیت اطہار پر ازواج مطہرات پر۔ اس کی عشیرہ اور صحابہ کبار پر کہ جنہوں نے اس کے نقش قدم پر چل کر اور اس کی محبت میں فنا ہو

کر دین دو دنیا اور دارین میں سرخروئی اور کامیابی حاصل کی۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۔ جس نے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ اور جس کسی نے اس سے روگردانی کی اور سرکشی کر کے فقط دنیا کی زندگی کو ہی بہتر جانا وہ دنیا میں ذلیل و خوار اور آخرت میں ناکام ہوا۔

انبیائے کرام کو حق تعالیٰ نے ہدایت خلق کے مختص فرما دیا۔ ان کی شان اور مرتبہ اسی ذات پاک کو معلوم ہے جس نے ان کو مبعوث فرمایا۔ اہل تحقیق کا بیان ہے کہ انبیاء میں سے سات پیغمبروں کو سات مختلف علوم کے ساتھ صریحاً فضیلت دی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم لغت عطا کیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔ حضرت خضر علیہ السلام کو علم فراست دیا۔ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر سے مشرف کیا۔ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو علم صنعت دیا۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ سکھائی ہم نے اس کو تمہارے واسطے زرہ بنانا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو طیور کی زبانوں کا علم سکھلایا۔ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ تعلیم کئے گئے ہم زبانیں جانوروں کو۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساتھ علم توریت و انجیل کے نوازا گیا۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۔ اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ علم اسرار کے سرفراز فرمایا گیا۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اور سکھایا تجھ کو وہ کہ نہ جانتا تھا تو۔ کہتے ہیں کہ ان سات علموں نے ان سات پیغمبروں کے حق میں ثمرات عجیب ظاہر کئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُستادی عنایت ہوئی۔ یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی پہ پہنچایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے علم نے بلقیس جیسی عورت بہم دولت و جاہ و ملک و حشم اور مال کے ساتھ بخشی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کے علم نے ریاست اور بادشاہت پر پہنچایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے علم موجب زوال تہمت ان کی ماں کا ہوا اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم نے یہ خلافت کبریٰ و شفاعت عظمیٰ سرفراز فرمایا۔ علم حقیقت شریعت معرفت طریقت ان کی امت کو دیا گیا۔ وہ ان کو بہ محبت انبیاء علیہم الصلوٰۃ و

پہنچائے گا۔ یہ بعید از رحمت نہیں۔ وَمن یُطِعِ اللّٰہَ والرَّسُولَ فَاُولٰئِکَ مَعَ الَّذِینَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیْقًا۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرنے والے لوگ ان لوگوں کے ساتھی ہیں جو نبی صدیق شہید اور نیک و صالح لوگ ہیں ان کی رفاقت اچھی ہے

چمک جائیں پیشانیاں مسلموں کی — وہ تقویٰ و طاعت عطا کر الٰہی
فدائی بنا اہل بیت نبیؐ کا — صحابہ کی الفت عطا کر الٰہی
تمام اولیاء اصفیاء اتقیاء سے — خلوص و عقیدت عطا کر الٰہی
نظام شریعت کو مضبوط کر دے — مذاقِ طریقت عطا کر الٰہی

قرآن کریم میں متعدد جگہ اللہ جل شانہ نے اپنی اطاعت کو رسول کریم کی اطاعت کے ساتھ مستلزم قرار دیا ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دے ان لوگوں سے کہ اگر تم اللہ سے محبت کا رابطہ رکھنا چاہتے ہو تو میری متابعت کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخش دے۔ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فقد ضل ضلالاً مبینا۔ کہ جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ نیک ہو گیا۔ اور جس نے دونوں سے انکار کیا وہ اعلانیہ گمراہ ہو گیا۔ ایک اور جگہ اس سے بھی زیادہ وضاحت سے بیان فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اے ایماندار لوگو! کیا تم کو ایسی تجارت پر استوار کروں جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دے وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ پر جہاد کرو جس میں تمہارے مال اور جان خرچ آئیں گو یہ مشکل کام ہے مگر اسی میں تمہاری بہتری ہے گو تم کو علم نہیں۔ اگر تم جان سکو تو بھلائی اسی میں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے خدا تمہارے گناہ بخش دیگا

رتم کو ان بہشتوں میں جگہ دے گا کہ جن کے دامن میں نہریں بہتی ہیں اور ٹھہرنے کے لئے
ب جگہ ہے۔ وہ جنتِ عدن ہے۔ اس سے اعلیٰ کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔
خدا تعالیٰ کے نزدیک خدا کی محبت میں کامل ہونے کے لئے اتباع اور محبتِ رسول
قبول صلی اللہ علیہ وسلم لازم ہے ؎
محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
ہر چند عابد کی عبادت اور غلامی معبودِ حقیقی کے لئے ہی مخصوص ہے۔ مگر عابد کو معبودِ حقیقی
کے ساتھ متعلق کرنے کے لئے جس تعلق کا واسطہ ہے وہ رسولؐ کی ذات ہے اور وہ اس
قدر منزّہ و پاکیزہ اور بلند و برتر ذات ہے کہ اس سے بے تعلق اور بے ربط رہنے سے انسان
یقیناً خالقِ حقیقی کے وصل سے محروم رہ جاتا ہے ؎
محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی
اور حقیقت تو یہ ہے کہ دو جہان کی نعمتیں صرف عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی
قدر میں ہو سکتی ہیں۔ اور محمدؐ کی غلامی اور اس سے وفا ہی انعاماتِ الٰہیہ کی آئینہ دار ہے ؎
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
مقصدِ رسالت کی توضیح قرآنِ حکیم میں کئی جگہ فرمائی گئی ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ
فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ
وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ
اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم اَن پڑھ لوگوں (علم سے بے بہرہ) میں تم میں سے رسول بھیجا کہ تم اس
کی بات بہ خوبی سمجھ سکو وہ لوگوں پہ اللہ کی نشانیاں اور آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انکو آلودگیوں
سے پاک فرماتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کا علم سکھاتا ہے تاکہ اگر وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی
میں ہیں تو اس کی تعلیم سے ہدایت یافتہ ہو جائیں۔
پھر فرمایا کہ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا
وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔
اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھ کو لوگوں کے حال پر شاہد (گواہ) اور نیک راستہ کی بشارت
دینے والا اور برے راستہ سے اور خدا کے عذاب سے ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ
کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا ہے تو بیشک منور چراغ کی مانند ہے جو راہ دکھاتا ہے۔

اللہ کی ان حکمتوں سے یہ امر اب بہ خوبی واضح ہو گیا کہ اگر انبیائے کرام دنیا میں مبعوث نہ ہوتے تو انسان دنیا میں گمراہ رہتا اور آخرت کی بھلائیاں کبھی حاصل نہ کر سکتا اور دنیا کی الجھنوں سے کبھی فارغ نہ ہو سکتا ۔ کیونکہ ۔ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے ۔ یہ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا اثر تھا کہ حضور کے صحابۂ کرام حُبِّ دنیا سے متاثر نہ ہوتے تھے ۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کو تجارت خرید و فروخت وغیرہ اللہ سے غافل نہیں کرتی وہ سب کچھ چھوڑ کر وقت پر نماز ادا کرتے ہیں اور پھر کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اپنی کمائی سے زکوٰۃ دیتے ہیں ۔

محمد ابن سیرین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے ایک صاحب سُلیط کو ایک قطعۂ زمین عطا فرمایا ۔ وہ اس کے انتظام کے لئے اکثر باہر جاتے رہتے اور بعد میں آکر انہیں معلوم ہوتا کہ ان کے پیچھے اتنا اتنا قرآن نازل ہوا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ یہ احکام دیئے اس سے ان کی بڑی دل شکنی ہوتی آخر کار انہوں نے ایک روز آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یہ زمین میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو گئی ہے آپ اسے مجھ سے واپس لے لیں چنانچہ وہ واپس لے لی گئی اور بعد میں حضرت زبیرؓ نے اس کے لئے درخواست دی اور آپ نے وہ زمین ان کو دے دی

یہ جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سرکار دو عالم کے مخلص غلام اور مرید تھے اور اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور آپ سرکار کے عمل کے عملی نمونے تھے زندہ کتابیں تھیں ۔ زندہ لٹریچر تھا ۔ زندہ مشعلیں تھیں کہ دین کی روشنی ان کے وجود سے دنیا میں پھیلی ۔ ہر صحابی کی فطرت اور صلاحیت جداگانہ تھی ۔ اپنی اپنی استعداد اور قابلیت روحانی کے مطابق صحبت نبوی سے ہر صحابی مستفید و مستفیض ہوا روحانیت کا علم تمام علوم سے زیادہ لطیف اور تزکیۂ نفس کا فن تمام فنوں سے زیادہ دشوار اور اللہ کی معرفت کی راہ کٹھن مگر سب سے زیادہ اہم ہے ۔ اپنی لطافت طبع نفس کشی اور خود ضبطی سے ہر صحابی نے علیٰ قدر استعداد مدارج طے کئے اور مراتب حاصل کئے ۔ اس نعمت کے سب وارث کم و بیش تمام صحابہ کرام تھے لیکن بعض کو بعضوں پر فضیلت و فوقیت تھی ۔ ہم مختصراً چند صحابہ کے احوال درج کرتے ہیں ۔

حالاتِ صحابہ کرام حضرت سلمان فارسی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایران کے ایک مجوسی خاندان کے فرد تھے اور اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ مذہب کا شوق حد سے زیادہ تھا اور اس میں بڑے کوشاں تھے۔ جب آتش پرستی میں کچھ نظر نہ آیا تو دینِ حق کی تلاش میں متعدد عیسائی راہبوں کی خدمت کی۔ مگر دل کی تسلی نہ ہو سکی۔ آخر ایک راہب نے اپنی کتاب کی پیشین گوئی کے مطابق حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ دیا اور کہا کہ ہمارے مذہب میں اب کوئی چیز نہیں ہے نہ ہی کوئی عیسائی ایسا باقی ہے جو دین و عمل میں پختہ ہو تم وادیٔ یثرب کی طرف چلے جاؤ راستہ میں ڈاکہ پڑا۔ اور اسیر ہوئے۔ ایک یہودی کے ہاتھ بطور غلام فروخت ہوئے اور یثرب کے قرب و جوار میں آ پہنچے۔ حضور مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف میں آ چکے تھے۔ اور یہودی کا مطالبہ کچھ وزن سونا اور تین سو پھلدار درخت کھجور کے دے کر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو آزاد کرا لیا۔ اور اپنی حضوری میں رہنے کا شرف عطا کیا۔

جنگِ خندق میں مہاجرین و انصار میں خندق کھودنے پر اس نئے تقاضا ہوا کہ ہر کوئی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اپنے میں شمار کرنے کی کوشش میں تھا مگر حضرت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے اہلِ بیت میں شمار کر کے جھگڑا مٹا دیا۔ خندق کھودنے کی تجویز بھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی کہ ایران میں جنگ کا دستور بالعموم یہی تھا۔ آپ کی عمر دو سو پچاس برس کی ہوئی۔ بعض کتب میں اس سے بھی زیادہ عمر لکھی ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھائی چارہ قائم کیا۔ مدائن کے گورنر بھی رہے مگر عادات انتہا درجہ سادہ تھیں۔ کہ بعض اوقات انجان آدمی شناخت نہ کر سکتے تھے کہ یہ گورنر ہیں چنانچہ ایک دن شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ واپس ہوئے تو ایک گھسیارا ملا آپ کا لباس اس قدر سادہ اور موٹا تھا کہ اس نے نہ پہچانا اور گھاس کا گٹھا اٹھوانے کو کہا۔ گھسیارے کو سپاہی شرکا دیکھ کر حضرت نے وہ گٹھا خود اپنے سر پر اٹھا لیا اور جب بازار میں سے گزرتے ہوئے جا رہے تھے تو اکثر لوگوں نے پہچان کر تعظیم و مصافحہ کرنا شروع کیا۔ اب بوڑھے گھسیارے کو پریشانی سی لاحق ہو گئی اور کئی دفعہ حضور سے وہ گٹھا لینے کی کوشش کی مگر آپ نے اُسے اس کی منزلِ مقصود پہنچا کر ہی دم لیا۔

چوں ذرہ گرچہ حقیریم نسبت این بس است ۔ کہ آفتاب بود نکتۂ مقابل ما۔

حضرت ابوذر غفاری

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا چنانچہ جب شام میں امیر معاویہ کے نائب ہو کر گئے تو ان کی امیرانہ بود و باش اور حدود اللہ سے کسی وقت متجاوز ہونے کو برداشت نہ کر سکے تو علی برسر دربار ٹوک دیا کرتے تھے۔ مگر معاویہ کو ان کی بے باکی اور صاف گوئی شاق گزرتی تھی حتیٰ کہ اس بات کی شکایت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خلیفۂ وقت تھے ان کے پاس لکھ بھیجی کہ ابوذر رضی اللہ عنہ میرے مراتب کا خیال نہیں کرتے اس تضادِ طبع کے باعث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کے پاس سے بلوا کر اپنے پاس رکھا۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ یہاں بھی اس عاشقِ رسولؐ کی ہشیار نگاہ دوسروں کو بیدار اور ہشیار کرنے سے نہ رہ سکی۔ جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی علٰحدگی اختیار کر کے کسی گاؤں میں جا رہے۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق ہو گئی کہ ابوذرؓ اکیلا ہی رہیگا۔ اور اکیلا ہی مرے گا۔

رسولِ کریمؐ کی قوتِ بصیرت

حضور کو اپنی امت کے موجودہ اور مستقبل کے سب حالات معلوم تھے اور ظاہر و باطن کے تمام علوم پر آپ حاوی تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ اندھیرے میں بھی اسطرح دیکھتے تھے جسطرح روشنی میں دیکھتے تھے اور دور سے ایسا دیکھتے تھے جس طرح نزدیک سے اور پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ سامنے سے دیکھتے تھے آپ نے نجاشی کا جنازہ حبشہ میں دیکھ لیا تھا اور اس پر نماز پڑھی تھی اور آپ نے بیت المقدس کو مکہ میں دیکھ لیا تھا جبکہ قریش کے سامنے اسکا نقشہ بیان فرمایا یہ سب معراج کی صبح کا قصہ ہوا جب آپ نے مدینہ منورہ میں اپنی مسجد کی تعمیر شروع کی اس وقت خانہ کعبہ کو دیکھ لیا تھا۔ آپ کو ثریا میں گیارہ ستارے نظر آیا کرتے تھے۔

اس پر کیا تعجب ہو سکتا ہے کہ حضور کو اپنے صحابہ کے غائبانہ احوال نظر آئیں

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ

چنانچہ رسالت مآب نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو امین الملت کا خطاب دیا ہے اور اچھائی کے ذکر میں ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جب حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو ایک دن بازار گھر کے لیے سودا سلف لینے جا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راہ پر ملے آپ نے کہا کہ اے امیر المومنین اب

آپ اس قدر مشقت نہ اٹھایا کریں۔ اپنے اخراجات کے لئے بیت المال سے کچھ صرفہ حاصل کر لیا کریں کہ امورِ خلافت سے اب آپ کو فراغ مشکل ہے مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا کہ حضرت ابو عبیدہ بن عامر بن جراح کو حضور رسالت مآب نے امین الملّت کا خطاب دیا ہے ان سے مشورہ کریں چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بہت معمولی تنخواہ مقرر فرما دی جو ایک سو بتیس ۱۳۲ روپے کے برابر تھی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ جب تک کوئی اللہ کے واسطے اور اس کے رسول کے واسطے تم سے محبت نہ رکھے اس شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی کیونکہ انسان کا چچا اس کے والد کا ہم اصل ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب عباسؓ کو دیکھتے تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے سواری پر ہوتے تو اتر آتے اور جب تک حضرت عباسؓ نظر آتے رہتے تب تک سوار نہ ہوتے خشک سالی میں ان کے اقتدا میں نمازِ استسقاء پڑھ کر ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ ایک مرتبہ حضور رسول کریم کے ہمراہ تھے کہ حضور قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے واپس آئے تو پانی سے لوٹا بھرا ہوا رکھا دیکھا پوچھا کہ یہ کس نے رکھا ہے۔ عرض کیا گیا کہ یہ ابن عباس نے رکھا ہے۔ رسولِ کریم کو آپ کی یہ خدمت پسند آئی اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اسے دین کا فہم اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرما۔ چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا کہ آپ تفسیر القرآن کے بہت بڑے امام ہوئے اور بڑے بڑے صحابہؓ تفسیر ان سے دریافت کرتے تھے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص

عمرو بن العاص کے ایک بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جنہوں نے اپنے والد عمرو بن العاصؓ کو صفین کی جنگ میں جانے سے اس لئے روکا تھا کہ ان کو خونریزی کی خواہش دامنگیر تھی عبداللہ رضی اللہ عنہ ان عابد و زاہد صحابہ میں سے تھے کہ روزانہ ایک بار کلام مجید ختم کرتے اور رات بھر عبادت میں مشغول رہتے اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر کثیر محنت پر آپ کو تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں بدن ضعیف ہو جائیگا۔ آنکھیں رات بھر جاگنے سے

زید بن ثابت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے بڑے عالم اور مفتی شمار ہوتے تھے بالخصوص فرائض کے ماہر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فتویٰ قضا اور قرأت میں ان کا شمار چوٹی کے لوگوں میں تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے۔ تو اس وقت حضرت زید گیارہ برس کے تھے حضور نے زبانِ عبرانی و سریانی سیکھنے کی تلقین کی اور آپ کی دعا سے سترہ دن میں زبانِ سریانی سیکھ لی۔ اس کے بعد جو تحریر یہود کو جاتی تھی یا وہاں سے آتی تھی اس کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہی لکھتے اور پڑھتے تھے۔

امیر معاویہ کا ذکر مختصر امیر معاویہ کے مفصل سوانحِ حیات کے متعلق مولوی عبدالحمید ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی کے پتہ پر ایک کتاب ملتی ہے۔ شائقین طلب کر کے مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ہماری کتاب میں اس قدر گنجائش نہیں کہ مفصل بیان کریں۔ چونکہ ان کو صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے اور ہمارا امام حضور غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ یا امام اعظم نعمان ابو حنیفہ رحمت اللہ علیہ، امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ احمد رضا خان بریلوی جیسے محققان و مقتدیانِ خیرایانِ اسلام علیہم الرحمۃ کے مقابلہ میں اس طرح بھی نہیں جس طرح ایک قطرۂ آب بہ مقابلہ سمندر کے ہوتا ہے اس لئے ہم کو ان کی تقلید کے سوا چارہ کار نہیں۔ محض اس لئے کہ ہمارا مضمون اسی ضمن سے متعلق ہے اس لئے عرض ہے کہ اہلِ ایمان و تقویٰ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است کے مصداق اپنا ایمان قائم رکھیں اور کم از کم مندرجہ ذیل امور کو نظرانداز نہ کریں۔

۱۔ امیر معاویہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اور اسی لئے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نہ دکھے۔ امیر معاویہ کو برا نہ کہو

۲۔ آپ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کتابتِ وحی ایک عرصہ تک کی ہے۔

۳۔ ایک دفعہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر معاویہ ایک ہی سواری پر بیٹھے کہیں جا رہے تھے۔ امیر معاویہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے تھے۔ چونکہ امیر معاویہ ذیالجسم و شیم تھے اس حال میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نیم قسیم تھے۔ خیال فرمایا کہ میرا پیٹ کہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک سے چھو لگنے سے حضور کو کسی تکلیف کا باعث نہ ہو، امیر معاویہ نے

اپنا پیٹ کسی کپڑے سے کس کر باندھنا شروع کیا۔ حضور نے پوچھا کہ معاویہ کیا کرتے ہو تو آپ نے عرض حال کردی۔ حضور پاک صاحبِ لولاک نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ تمہارے جسم کا ہر حصہ میرے جسم سے الگ ہو جائے گا۔ اس پر آتشِ دوزخ حرام ہو جائے گی۔

سبحان اللہ شانِ کریمی کا دریائے رحمت ہمیشہ ہی موجزن رہتا تھا۔

۴۔ ایک دفعہ ایک اعرابی حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخی سے پیش آرہا تھا اور اس وقت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امیر معاویہ موجود تھے۔ آپ نے اپنے کپڑے اتار کر اس سے مقابلہ کی ٹھانی اور اسے للکارا کہ خبردار! ادھر آمیں تجھ سے نپٹتا ہوں۔ تو وہ اعرابی خاموش ہو کر چلا گیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ کو دعا دی کہ تجھ پر کوئی غالب نہ آسکیگا۔

روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو بعد جنگ صفین اس بات سے آگاہ کیا گیا تو آپ نے کہا کہ اگر مجھ کو پہلے علم ہوتا تو معاویہ سے مقابلہ نہ کرتا۔

۵۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں کے بعض ناخنوں کا تراشہ امیر معاویہ نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ وہ ان کے منہ میں رکھ کر ان کا منہ بند کر دیا جائے کہ بعد مرگ ان کی برکت شاملِ حال رہے۔

۶۔ بعدہ بنت اشعث کے متعلق جب علم ہوا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر سے شہید کر کے انعام لینے آئی ہے۔ تو اس کو ایک تیز رو گھوڑے کے سموں سے رسوں سے کس کر باندھ دیا گیا اور پتھریلی زمین پر گھوڑے کو لاکر چابکوں کی مار سے تیز بھگا دیا اور وہ ابھی عذاب سے واصل بہ جہنم ہو گئی۔ انتقام امام عالیمقام کی اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی تھی!

۷۔ مولانا روم علیہ الرحمت مثنوی شریف میں بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امیر معاویہ کی صبح کی عبادت قضا ہو گئی۔ جس کا دل پر اس قدر ملال تھا کہ اگلی رات ساری شب بیداری او نوافل گذاری میں گزری تو ابلیس علیہ اللعنت نے حاضر ہو کر دست بدستہ معافی طلب کی کہ حضور کو جگانے میں میں ہی بھول گیا آئندہ محتاط رہوں گا۔ اس سے آپ کی کثرت عبادت اور رجحان الی اللہ کا پتہ چلتا ہے۔

۸۔ آپ کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کافی طور پر ہوئیں اور نصرانیوں پر آپ کی ہیبت تھی۔ حقیقت میں نصرانیوں کی سیاست سے آپ کی ہی سیاست ٹکر کھا سکتی تھی۔ کہ ان کے دلوں میں اسلام کی وجاہت اور رعب جم گیا۔ اور وہ غم کھانے لگے۔ ملہ

ملہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کی اجتہادی لڑائی کے خون سے اللہ نے ہمارے ہاتھ کو بچایا تو اب ہم ... علی کرم اللہ وجہ اور امیر معاویہ کو لایا گیا اور ایک ... میں بند کر کے دروازہ بند کر دیا گیا تھا میں ادھر دیکھ رہا تھا۔ کہ جلد ہی ...

حقیقت یہ ہے کہ بنوامیہ میں مروان ایسا خبیث اور خناس تھا کہ اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں بھی وہ فتنہ انگیزیاں کیں کہ اللہ کی پناہ۔ بنوامیہ میں شرارت پسند گروہ کا سرغنہ یہی شیطان تھا۔ یہ اس حکم کا بیٹا تھا جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو کئی فرسخ دُور رہنے کا حکم دیا تھا کہ اس کا اثرِ بد نہ ہو جائے۔

امیر معاویہ کے متعلق بہت سی باتیں بغضِ اہل بیت سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اور وہ اکثر اسی جہنمی مروان کی خباثتِ نفس کا نتیجہ ہیں کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ کام کسی کا اور نام کسی کا حقیقتاً چند خامیاں امیر معاویہ میں تھیں۔ جن کی وجہ سے اکثر مسلمان امیر معاویہ کو باقی صحابہ کی طرح مجاہدۂ نفس کی منزل میں ذرا ہٹ کر شمار کرتے ہیں۔ مگر یہ بھی واضح حقیقت ہے کہ ہمارا اپنا ایمان کہاں تک مکمل ہے کہ ہم لب کشائی کریں اور فضول طور پہ وقت ضائع کرتے رہیں۔

عیب رنداں مکن اے زاہد پاکیزہ سرشت ۔ کہ گناہِ دگراں بر تو نخواہند نوشت

ترجمہ کسی کے عیب نہ نکال کہ اس کا مواخذہ تجھ سے نہیں اس سے ہوگا۔

یاد رکھئے! کہ کسی مسلمان پر بھی خواہ وہ ادنی درجہ کا ہی کیوں نہ ہو لعنت بھیجنا اور بُرا کہنا گناہ کبیرہ ہے اور امیر معاویہ تو صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں ان کو جو لعنت کا سزاوار ٹھہراتا ہے اور بدزبانی اور دشنام طرازی کرتا ہے وہ رسول پاک کی احادیث کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے جو آئندہ ذکر میں بیان کی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان ذکر الٰہی اور رحمت طلب کرنے کو دی ہے نہ کہ دشنام بازی اور لعنتیں برسانے کے لئے اور وقت جیسی نعمت اس ذاتِ الٰہی کا شکر گزار ہونے کو عطا ہوئی ہے نہ کہ لوگوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کے لئے۔ ایک بیکار عمل کا ارادہ کرنا اور بار بار کرنا وقت اور ضمیر کو خراب کر کے کفرانِ نعمت کرنا نہیں تو اور کیا ہے اپنے کردار اور گفتار اور ما فی الضمیر کو ہر وقت درست رکھو اور تاریخ پڑھ کر گمراہ ہونے کی بجائے صراطِ مستقیم اختیار کرو۔

اکثر مسلمان امیر معاویہ پہ حرف گیری کر کے ان کے حق میں نارو ا کلمات کہنے لگ جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ قدم بتدریج اصحابِ ثلاثہ کی طرف اٹھتا چلا جاتا ہے اور وہ راہِ راستی سے اُلجھ کر کجروی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یہ غلط راستہ ان کو صحیح منزل سے الجھا کر تمام صحابہ پر لعن و طعن کرنے کو اُکساتا ہے۔ حتیٰ کہ صحابۂ کبار جن کی شان قرآنِ کریم میں وارد ہے ان پہ بھی وہ

انہی اوچھے ہتھیاروں سے حملہ کرتے ہیں اور ایمان جیسی دولت کھو بیٹھتے ہیں۔ اس لئے روحانی امراض سے بچنے کے لئے روحانی پرہیز رکھنا ضروری ہے کہ اپنے دامن کو سمیٹو اور اس پُرخطر راستہ سے امن سے نکل جاؤ۔

درویش جب کسی پہ اعتراض کرتا ہے تو ایک سیاہی سی دل پہ آجاتی ہے۔ اور اس سیاہی آنے سے لغزش کھانے کا احتمال ہے اور راہِ طریقت سے بھٹک جانے کا ڈر ہے اس لئے حد درجہ حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ عمل کی توفیق دے ؎

خدایا آرزو میری یہی ہے ۔ مرا ذوقِ بصیرت عام کر دے

حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے باوجود تکالیف اُٹھانے اور ان تکالیف کی وجوہات معلوم ہونے کے کسی پہ اعتراض نہ کیا۔ کسی پر لعنت نہ بھیجی بلکہ راہ حق دکھاتے رہے اور راستی جتلاتے رہے اور قوتِ عمل سے آشکارا کر دکھلایا کہ ؎

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام ۔ سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

حضرت عمرو بن سلمہؓ

حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ طیبہ کے راستہ میں ایک جگہ رہا کرتے تھے کہ فتح ہونے سے پہلے راستہ میں آنے جانے والوں سے حضورِ نبویؐ کے حالات پوچھتے رہتے تھے۔ جو آیات نازل ہوتی وہ کم عمری میں ہی یاد کر لیا کرتا۔ مسلمان ہونے سے پہلے ہی مجھے بہت سا قرآن شریف زبانی یاد ہو گیا۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے بعد مع قبیلہ ہم سب مسلمان ہوتے اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہو وہ تمہارا امام بنے اور میں صرف سات سال کا تھا کہ مجھے ان کا امام بنایا گیا۔

آجکل بغیر علم اور عمل کے ہی مسلمانوں میں امامت کی ہوس ہے اور نتیجہ ظاہر ہے ؎

دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے ۔ پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ

عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سات برس کی عمر میں حضورِ پاکؐ نے بیعت فرما لیا تھا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بچوں کو بیعت کرنے کا نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں عمرو بن العاص کی جگہ عبداللہ بن سعد بن سرح کو حاکم مصر بنایا گیا رومیوں کے دو لاکھ

کے مقابلہ میں مسلمان بیس ہزار کے مجمع کے ساتھ نکلے۔ رومیوں کے امیر جرجیر نے اعلان کیا کہ جو شخص عبداللہ ابن ابی سرح کو قتل کر دے گا۔ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دوں گا اور ایک لاکھ دینار بھی انعام میں دوں گا۔ مسلمانوں کو فکر ہوئی۔ مگر عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہم میں سے اس انعام کا مستحق وہ ہے جو خود جرجیر کو قتل کریگا مزید براں اسی کو ان کے شہروں کا امیر بھی بنا دیا جائے گا۔ دیر تک مقابلہ ہونے کے بعد خود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ہی اس بات کا موقع مل گیا کہ جرجیر سارے لشکر کے پیچھے تھا اور لشکر اس سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ دو باندیاں مور کے پروں سے اس پر سایہ کئے ہوئے تھیں۔ انہوں نے غفلت کی حالت میں لشکر سے ہٹ کر اس پر تنہا جا کر حملہ کیا۔ وہ سمجھتا رہا کہ یہ تنہا کوئی پیغام صلح لیکر آ رہا ہے مگر انہوں نے تلوار سے اس کا سر کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور لے آئے۔ اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی۔ ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر تھیں اور ان کی کنیت ذو النطاقین تھی جنہوں نے سو برس کی عمر میں حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانہ میں وفات پائی۔ کہ اس نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے الٹا کر کے پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ اور تیر مار مار کر تمام جسم بے جوڑ کر دیا تھا۔ ان کی والدہ نے جسم کو اتار کر ہڈیاں جمع کر کے قبر بنوائی۔ یہ بادشاہ عبدالملک کا زمانہ تھا۔

ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے حواری ہے اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں اور عشرہ مبشرہ میں ان کا نام حضورؐ نے یوں لیا ہے کہ ابوبکرؓ جنت میں۔ عمرؓ جنت میں عثمانؓ جنت میں، علیؓ جنت میں۔ طلحہ جنت میں۔ زبیر جنت میں۔ عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں۔ سعد بن وقاص جنت میں۔ سعید بن زید جنت میں اور ابوعبیدہ بن جراح جنت میں۔ حضورؐ نے انکو دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری دیدی۔

حضرت ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ

حضرت ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ نے رسول کریم کو جنگ احد میں چٹان پر چڑھنے میں مدد دی اور بیٹھ کر سہارا دیا کہ حضورؐ چٹان پر اچھی طرح استوار ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ طلحہؓ نے اپنی نجات و کامرانی کو واجب کر لیا۔

ایک اور موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا کہ جو اس بات پر خوش ہو کہ کسی شہید کو زمین پر چلتے

دیکھے تو وہ طلحہ ابن عبید اللہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور بندی نے فرمایا کہ طلحہ و زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہیں۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق جب وہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے آئے تو رسولِ خدا نے فرمایا کہ میرے ماموں ہیں تو کوئی دکھا دے کہ میرے ماموں جیسا اس کا ماموں ہے۔ حضرت سعد قبیلۂ بنی زہرہ سے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی بنو زہرہ سے تھیں اسی لئے حضور نے ان کو اپنا ماموں فرمایا۔

جب مدینہ منورہ میں حضور تشریف لائے تو ایک رات بیدار رہے۔ اس وقت حضور نے فرمایا کہ کاش کوئی صالح مرد ہوتا جو آج کی رات میری پاسبانی کرتا۔ تاکہ میں سو رہتا حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم اسی حالت میں تھے کہ ہتھیار کی جھنکار سُنی۔ حضورؐ نے فرمایا کون ہے۔ آواز آئی کہ حضور میں سعد بن وقاصؓ ہوں۔ حضور نے پوچھا کہ تم کیونکر آئے تو عرض کی کہ میرے دل میں آپ کے متعلق درد پیدا ہوا اس لئے میں آپؐ کی حفاظت و پاسبانی کرنے کے لئے آیا ہوں یہ سن کر حضورؐ نے ان کو دُعا دی اور پھر آرام سے سو رہے۔

حضرت ابودجانہ رضؓ

جنگِ اُحد میں ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو سرورِ کائنات کے لئے آڑ بنا دیا۔ مشرکین کی طرف اپنی پیٹھ کر کے آپؐ کے لئے ڈھال بن گئے جتنے تیر آتے تھے ان کو لگتے تھے یہاں تک کہ اسی طرح آپ کے قدم مبارک پر اپنے چہرہ کو رکھ کر واصل بہ حق ہو گئے۔ ان مردوں کے ساتھ بعض عورتیں بھی تھیں۔ ام عمارہ مازنیہ نے نہایت جوانمردی سے دشمنوں کے حملوں کو دفع کیا اور بارہ زخم جسم پر کھائے۔

اسی طرح حضراتِ بلالؓ۔ صہیبؓ۔ خبابؓ۔ مقدادؓ۔ ضرارؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ عمار بن یاسرؓ وغیرہ اپنی روحانی قوت میں گوئے سبقت لے گئے ؎

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند — مثلِ سلمانؓ در مدائن بودہ اند
حکم رانے بود و سامانے نہ داشت — دست او جُز تیغ و قرآنے نہ داشت
ہر کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اوست — بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب ذرۂ عشقِ نبی از حق طلب!
زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست
جلوۂ بے پردۂ او وانمود! جوہر پنہاں کہ بود اندر وجود
روح را جز عشقِ او آرام نیست عشقِ او روزیست کہ او را شام نیست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاں روحانیات میں ترقی کی وہاں اس سے کہیں زیادہ ماہر نفسیات تھے اور شریعت کی پابندی میں دینی سیاست کو بدرجۂ غایت ترقی دی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو علمِ حدیث کا عشق تھا اور اس کی اشاعت یہاں تک کرتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو سختی سے منع کیا اور زجر و توبیخ کی کہ کتاب اللہ سے اس کو زیادہ وقیع نہ سمجھنے لگ جاویں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ میدانِ جہاد کے یکہ تاز تھے اور حضور نے ان کو سیف اللہ کا خطاب دیا۔ ساری عمر شوقِ شہادت میں سربکف جہاد کیا۔ مگر علیل ہوئے اور وفات پائی اور شہادت کی آرزو دل میں ہی لے گئے۔

ایک لاکھ سے زیادہ تعداد صحابہ کی ہے۔ جو اپنی قوتِ روحانیت اور جذبۂ ایمان میں اتنے اتنے ہی وقیع تھے جس قدر کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت زیادہ سے زیادہ نصیب تھی اور اس صحبت کا اثر جتنا زیادہ سے زیادہ انہوں نے قبول کیا ؎

یوں تو تیرے تیر کے نخچیر ہیں سب خوش نصیب پر وہ بلند اقبال ہے جو بستۂ فتراک ہے

جنگِ بدر میں معاذ اور معوذ دو بھائی تھے جو بہت کم عمر تھے۔ ابوجہل سردارِ قریش کو اس لئے جا گھیرا کہ وہ رسول کریم سے بغض رکھتا تھا اور گستاخیاں کرتا تھا۔ بھرے مجمع میں اس کو حملہ کرکے مار ڈالا۔ اور خود بھی شہید ہو گئے۔

کتاب الحدود میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا کی ایک اُم ولد تھی جو جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی شان میں بیہودہ حکایت کہا کرتی اور گستاخی کیا کرتی۔ وہ نابینا منع کرتا وہ باز نہ آتی۔ وہ اس کو ڈانٹتا وہ نہ مانتی۔ ایک شب اسی طرح اس نے بکنا شروع کیا۔ نابینا نے ایک چھرا لے کر اس کے پیٹ پر رکھ کر بوجھ دے دیا اور اس کو ہلاک کر ڈالا۔ صبح کو اس کی تحقیقات ہوئی۔ اس نابینا نے حضور کے سامنے اقرار کیا اور تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا سب گواہ رہیو کہ اس کا خون رائیگاں ہے قصاص نہ لیا جاویگا۔

کتاب الشروط میں قصۂ حدیبیہ میں ہے کہ عروہ بن مسعود کو جب سہیل بن عمرو کمشنر معاہدہ نے قریش کی جانب سے شرائطِ صلح و معاہدہ کے لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تو اس رئیسِ مکہ نے آپ کی مجلس شریف سے واپس جاکر لوگوں سے بیان کیا کہ اے میری قوم! واللہ میں بادشاہوں کے پاس گیا ہوں۔ قیصر و کسریٰ و نجاشی کے پاس گیا ہوں۔ واللہ میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے مصاحب اس کی اس قدر تعظیم کرتے ہوں جس قدر محمدؐ کے صحابہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ جب کھنگار پھینکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پہنچتی ہے۔ اور وہ اس کو اپنے چہرہ اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب آپؐ ان کو کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ آپ کے حکم کی طرف دوڑتے ہیں اور جب آپؐ وضو کرتے ہیں تو ان لوگوں کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ وضو کا پانی لینے کے لئے گویا اب لڑ پڑیں گے اور جب آپؐ کلام کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازوں کو آپؐ کے سامنے پست کر دیتے ہیں اور وہ لوگ آپؐ کی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے تک نہیں۔" اس سے جو کچھ آداب صحابہ کے ثابت ہوتے ہیں ظاہر ہیں۔

حضرت خواجہ اویسؓ قرنی باوجودیکہ صحابی بھی نہ تھے اور حضوریؐ ظاہر میں نہ آئے مگر محویت کا حال سب پر فوقیت لے گیا ؎

شناورانِ محبت تو سینکڑوں ہیں مگر ۔۔۔ جو ڈوب جاتے وہ پکا ہے آشنائی کا

صحابہ کا مرتبہ

ہمارا معیار ان کو پرکھنے کے لئے ناکافی ہے کہ ہماری قوتِ ایمان ان مبارک ہستیوں کے مقابل نفی ہے اور جو خود ہی منفی ہو وہ کسی مثبت کا کیا میزان کر سکتا ہے صحابہ کا مرتبہ زمانہ مابعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء اقطاب ابدال اور غوث سب سے اس لئے بلند و برتر ہے کہ صحابہ کرام اولیاء اللہ بھی تھے اور صحابی بھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابدالِ وقت تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ غوث اور قطب الاقطاب تھے۔ مگر اس لائن میں ہم سب صحابیوں کو ہم مرتبہ نہیں سمجھ سکتے کیونکہ قرآن کریم نے خود یہ فیصلہ فرما دیا ہے۔ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ

ترجمہ۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا ہے اور خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے اور فتح کے بعد خرچ کرنے والے اور کوشش کرنے والے برابر نہیں۔ بلکہ فتح سے پہلے خرچ کرنے والے بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں بہ نسبت بعد میں خرچ کرنے والے اور

کوشش کرنے والوں سے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور قدم قدم پر الطافِ ربانی سے اللہ کریم کی عنایات مرحمت ہوتی تھیں گویا کسی لغزش کا امکان ہی نہ تھا۔ ان کے بعد حضور رسولِ کریم کا نقشِ قدم صحابہ کرام کے لئے رفیقِ منزل رہا۔ یہ بھی دنیوی اغراض سے پاک وصاف اور بے لوث زمانہ تھا۔ اور نفسانی تنزل سے وہ بھی مامون ومصئون رہے۔ ان تابعین کے بعد تبع تابعین کو سابقون الاولون کی صحبتِ روحانی نے راہِ حق میں جادہ پیمائی کے منازل آسان کر دیئے۔ ان کی ریس کوئی کیا کر سکتا ہے کہ ایک دوسرے کو راہِ حق کے لئے بلا جھجک ٹوک دیتے تھے اور خود راستی کو قبول کرنے اور غلط راہ روی سے کنارہ کش ہونے میں سعادت سمجھتے تھے۔ چہ جائیکہ کراہت مانیں یا چیں بہ جبیں ہوں۔

صحابہ اکرام کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کی چند مثالیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو محسوس کرایا کہ صدیقی خلافت کے خلاف جو لوگ پروپیگنڈا کرتے ہیں ان میں اکثر ہاشمی ہیں۔ اور آپ کے مقبوضہ احاطہ میں جمع ہو کر صلاح ومشورہ کرتے ہیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حتی المقدور اس بات کا انسداد کیا مگر جب وہ لوگ پھر بھی گاہ بہ گاہ جمع ہوتے رہے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے متنبہ کیا کہ اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن خطرہ میں ہے۔ اگر یہ لوگ باز نہ آئے تو ان کو آگ سے احاطہ کے اندر ہی جلا دیا جائے گا۔ حضرت بی بی فاطمہ زہرا نے سختی سے لوگوں کو روک دیا کہ نامناسب باتوں کے لئے یہاں قطعاً اجتماع نہ ہو۔ آپ نے فوراً راستی کو قبول کرتے ہوئے فتنہ کا سدِ باب کر دیا۔ کشادہ پیشانی اور فراخ حوصلگی کی کیسی بے نظیر مثال ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صائب رائے۔ اور مشورہ دیا تو انہوں نے کبھی یہ نہ سمجھا کہ میں خلیفہ ہوں میں آپ کی بات نہیں مانتا۔ بلکہ ہمیشہ خلوص سے ہر بات ماننے پر تیار ہو گئے۔ گو آپ کی نرمیٔ طبع نے مردان کو فتنہ پردازی کے لئے زریں مواقع بہم پہنچائے اور اس کی خطرناک سکیمیں ہمیشہ ان صاف دل حضرات کو زک پہنچاتی رہیں مگر بغاوت تک ان کے باہمی تعلقات میں کبھی کشیدگی پیدا نہ ہوئی۔

حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ ایک خوش رو صحابی تھے اور بہت سخی بھی

تھے آپ کی کریم النفسی نے خرچ کا دامن آمدن سے زیادہ دراز کر دیا۔ قرض لے کر بھی سخاوت کرتے تھے حتیٰ کہ اس قدر قرضدار ہو گئے کہ تمام اموال منقولہ وغیر منقولہ دے کر بہ مشکل قرض سے دامن پاک ہو سکتا تھا۔ قرضخواہ تنگ کرنے لگے تو آپ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قرضخواہوں کی تسلی کر دیں۔ مگر قرضخواہ پھر بھی تنگ کرتے رہے اور مجبور ہو کر حضور رسولِ کریم نے خود آپ کا تمام مال فروخت کر کے قرض ادا کر دیا۔ اور حضرت معاذؓ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ جناب رسولِ کریمؐ کو ان کی فکر تھی فتح مکہ کے سال آپ نے ملک یمن کے کسی حصہ پر ان کو والی مقرر فرما دیا کہ ان کی مالی حالت درست ہو جاوے کہ بیت المال سے بہ معاوضۂ خدمت کچھ نہ کچھ ملتا رہے گا۔ حضرت معاذ اب ایک طرف تو امیر یمن تھے اور ایک طرف آپ نے تجارت بھی شروع کر دی جس سے کچھ مال ان کے پاس جمع ہو گیا۔ بعد وفات حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آپ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے صدیق اکبر کا زمانہ خلافت تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ معاذؓ کے پاس اتنا چھوڑیں جس سے ان کی گزر اوقات ہو سکے باقی سب روپیہ و سامان لے کر بیت المال میں داخل فرمالیں۔ صدیق اکبر نے جواب دیا کہ رسولِ کریم نے ان کو اس لئے ہی بھیجا تھا کہ ان کے نقصان کی تلافی ہو سکے۔ ایسی حالت میں مَیں ان سے خود نہ لوں گا۔ ہاں وُہ خود داخل کریں تو مضائقہ نہیں۔ صدیق اکبر کے اس جواب پر عمر فاروقؓ خود معاذ کے پاس پہنچے اور وہی درخواست کی کہ تم اس مال کو داخل بیت المال کر دو۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ میں یمن میں بھیجا ہی اس لئے گیا تھا کہ تلافی نقصان کر دں اب میں ہرگز کچھ نہ دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن کچھ مدت کے بعد معاذ آپ سے ملے اور فرمایا کہ بھائی میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی کے گرداب میں غوطے کھا رہا ہوں۔ ڈوبنے کے قریب ہوں کہ تم نے مجھ کو نجات دلائی ہے۔ اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کیا اور جو کچھ کما کر لائے تھے سامنے رکھ دیا۔ صدیق اکبر نے فرمایا کہ میں اس میں سے کچھ نہ لوں گا میں اپنی طرف سے تم کو ہبہ کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ فرمایا اب اس کے رکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ سبحان اللہ اس پاک نفسی پر صد مرحبا دنیا سے خود بے لوث ہیں اور اپنے احباب کو بھی بے لوث رکھنا چاہتے ہیں اور نیک دلی کا کمال یہ ہے کہ ایک دوسرے پر حُسنِ ظن ہی ہے بدظنی نہیں ؎

تم ہو آپس میں غضب ناک وہ آپس میں رحیم
تم خطا کار و خطا جو وہ خطا پوش و کریم

اسی طرح حضرت خالد ابنِ ولید جیسے فاتح سپہ سالار کو معزول کر کے اور میدانِ کارزار سے واپس بلا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غایت درجہ دینی شعور کا ثبوت دیا کہ اب مسلمان ان پر حد سے زیادہ اعتماد کرنے لگ گئے تھے اور خطرہ تھا کہ خدا پر توکل کرنے کی بجائے آدمیوں کی طاقت پر توکل نہ کرنے لگیں۔ میدان یرموک میں کارزارِ جنگ میں حضرت خالد کے زیرکمان پینتیس ۳۵ ہزار آدمی لشکرِ جرار کی صورت میں موجود تھے جن میں بکثرت صحابہ تھے۔ اور حضرت خالد کے قریبی رشتہ دار، خاص احباب اور ہم عصر و ہم پیالہ و ہم نوالہ لوگ موجود تھے۔ کہ حکم پہنچا کہ سپہ سالار معزول ہوا۔ اور دوسرا ان کی جگہ قائم ہوا۔ تو کسی نے باہم سرگوشی بھی نہ کی اور نہ کسی نظم و ترتیب میں فرق واقع ہوا۔ نہ ہیجان و تلاطم پیدا ہوا۔ کہ جس کی روک تھام کی جاتی۔ جب یہ حکم پہنچا کہ اُمّر خالد نفسہ خالد نے اپنے آپ کو امیر بنا لیا ان کے متعلق حکم تھا کہ دست بستہ امین الملت ابو عبیدہؓ سے معافی مانگیں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فطری طور پر نہایت حلیم و بردبار واقع ہوئے تھے ان کی طبیعت نرم تھی لیکن یہ تامل بھی چند لمحوں کی بات تھی اور آپ اس سے قبل مسلمانوں کو منشائے حکم خلافت کی اطلاع دے چکے تھے۔ کہ اس تامل سکوت اور خاموشی کو حبشی موذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حرکتِ قدم اور جنبش دست نے توڑا۔ آپ کھڑے ہوئے۔ آگے بڑھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے برابر آئے ان کے سر سے عمامہ اتارا اور اسی سے ان کے ہاتھ کس کر باندھ دیئے اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے روبرو حاضر کر دیا۔ اور سوالات کا اعادہ ہونے لگا۔ حضرت خالدؓ نے صفائی سے جو جواب تھے وہ دیئے۔ صحیح جواب سننے کے بعد حضرت امین الملت نے خود کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے سر پر عمامہ باندھتے ہوئے فرمایا کہ نطیع ونسمع ولاتنا و نفخم موالینا۔ ہم اپنے والیوں اور حاکموں کا حکم سنتے اور ان کی اطاعت کرتے ہیں اور فرا بنداروں بنی عمام کا احترام و اکرام کرتے ہیں۔ اس صورتِ حال اور خطرہ میں امین الملت نے تمام اطراف و جواب کو جس طرح سنبھالا اور ہر معاملہ میں حدودِ شریعت کی جتنی محافظت کی ظاہر ہے۔ اور یہ اسلام کی اسی پاک تعلیم کا اثر تھا جس نے سوائے عشقِ الٰہی کی دُھن کے سب خیالات کو مٹا دیا تھا۔

ہم مضمون کے مطابق مناسب مواقع پر اسی قسم کی اور مثالیں بھی پیش کریں گے تاکہ نفسِ

مضمون کی سمجھ آسکے ۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس کے متعلق حضورِ نبویؐ کا ارشاد ہے ۔ کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے ۔ پھر میرے بعد کا زمانہ ۔ پھر اسکے بعد کا زمانہ یعنی حضرات شیخین حضرت ابابکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا حضور کی متعدد احادیث اس زمانہ کے مطابق بہ طور پیشین گوئی فرمودہ ہیں جو زمانہ نے دیکھ لیا کہ حرف بہ حرف پوری ہوئیں ۔ کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد دینِ اسلام میں رخنہ پردازوں نے آہستہ آہستہ گنجائش دیکھ کر رخنہ ڈالنا شروع کر دیا جس سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری نصف دورِ حکومت میں اندرونی شورشیں شروع ہو گئیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کا تو سارا وقت ان شورشوں میں ہی گزرا اور خود مسلمان کہلانے والوں کی سازشیں

. . . .

. . . . . انتہائی نازک صورت اختیار کر گئیں ۔ اکثر اغراضِ نفسانیہ سے قوتِ روحانیہ میں فریبِ نفس کی وجہ سے خلا پیدا ہو گیا اور اس خلا سے اعمالِ پاکیزہ اور اشغالِ روحانی میں وہ سالمیت نہ رہی جو باطل کے خرمن کو جلا دے اور نفس کی ابلا فریبیوں سے مامون رکھے کیونکہ معرفتِ الٰہی کی منزل بڑی کٹھن اور سخت منزل ہے اور اس میں تخلقوا باخلاق اللّٰہ کے مطابق عین ذاتِ الٰہی سے رابطہ رکھنا پڑتا ہے ۔ پابندیٔ شریعت کی علت غائی مکارمِ اخلاق کا حصول ہے ۔ کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی محافظت کر کے دنیا کو بہشت کا نمونہ بنا دیا جاوے آیئے ہم اصلی نفسِ مضمون کی طرف رجوع کریں اور کربلا کے واقعہ حادثۂ عظیم کے حقیقی اسباب پہ غور کریں کہ اس سانحۂ عظیم کے وجوہات کیا تھے ؟

شانِ خلفائے راشدہ

کتاب معارج النبوۃ رکن دوم میں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے ذکرِ ولادت واقعہ ہشتم میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے تو حکم خدا آیا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تختے تیار کر اور ان کے اوپر تمام انبیاء کے نام لکھ جو دنیا میں آئیں گے ۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے وہ تمام نام لکھے ۔ جب اگلے دن تختوں کو لگانے لگے تو دیکھا کہ تمام نام مٹ گئے ہیں ۔ حضرت نوح علیہ السلام پریشان خاطر ہوئے اور دوبارہ نام لکھے مگر وہ بھی بدستور مٹ گئے اب حضور کمال مضطرب ہوئے کہ اس میں کیا راز ہے ۔ تو ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ سب سے پہلے میرا نام لکھ ۔ میرے نام سے شروع کر اور پھر انبیائے کرام کے نام لکھ کر میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ آخیر کر تاکہ ان

ان کی برکت سے اور حمایت سے تو شیطان کے شر سے محفوظ رہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو ندائے غیب آئی۔ یا نوح الان تمت سفینتک یعنی اے نوح اب تیری کشتی مکمل ہوئی تو آپ نے عرض کی کہ ابھی چار تختے اور لگیں گے تو مکمل ہوگی کہ اتنی جگہ ابھی خالی ہے۔ یہ کیسے لگاؤں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ربّ جلیل سے عرض کی تو فرمان ہوا کہ شفیع الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار ہیں۔ کہ قصرِ اسلام ان چار رکنوں کے ساتھ مضبوط اور مستحکم ہوگا یہ چار تختے ان معزز اور مبارک ناموں کے ساتھ لکھ کر اپنی کشتی میں لگاؤ تو یہ کشتی مکمل ہوگی اور ان تمام اسماء کی برکت سے کنارۂ نجات پر پہنچے گی چنانچہ ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت کرار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام تختوں پر لکھ کر خالی جگہ میں لگائے گئے اور کشتی مکمل ہوگئی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَسَلَّمْ

پہلے دونو اصحاب کو اس لئے شیخین کہا جاتا ہے کہ ان کی بیٹیاں عائشہ صدیقہؓ و حفصہ رضی اللہ عنہا حضور کی ازواج مطہرات میں سے تھیں اور آخری دونو اصحاب خود جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ صلوا علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ۔

مختصر ذکر حضرت ابابکر صدیقؓ

حضور سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ اظہارِ رسالت سے قبل ہی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نشین تھے اور اکثر طور پر مشترکہ دنیاوی کاروبار تجارت وغیرہ کیا کرتے تھے اور بتوں کی عبادت سے متنفر تھے۔ حضور سے عمر میں قریباً دو برس چھوٹے تھے اور ہمیشہ تعظیم و تکریم سے پیش آتے اور اکثر طور پر آپ کی صحبت میں رہا کرتے معلوم ہوتا تھا کہ دونو کا مشن ایک ہے اور اگر اب نہیں تو کسی دن ضرور ہوگا۔ حضرت ابابکر صدیق کو کسی ہم خیال کی تلاش تھی اور وہ آفتاب ہدایت نامعلوم طور پر صدیق اکبرؓ کے دل پر ضیا پاشی کر رہا تھا اور وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

ادھر اظہارِ رسالت ہوا ادھر اقرارِ صداقت ہوا۔ ادھر کہا گیا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں ادھر زبان پر جاری ہوا۔ صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ سچ ہے یا رسول اللہ آپ اللہ کے مقبول ہیں۔ اسی لئے صدیق بلکہ صدیقوں کے سردار ہوئے سب سے پہلے مردوں میں مسلمان ہوئے اور بعد الانبیاء خیر البشر ٹھہرے سینہ پہلے ہی الم نشرح تھا نور کی ضیا پاشیوں سے نور علیٰ نور

ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری سے کوئی لمحہ خالی نہ جاتا تھا۔ حضوری اور قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہا اس واقعہ سے خوب ظاہر ہے کہ سرکارِ دو عالم حبیب خدا کو عروج سماوات پر معراج شریف کے مراتب حصول ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مقام پر رُک گئے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

بہ دو گفت سالارِ بیت الحرام کہ اے حاملِ وحی برتر خرام

ترجمہ:۔ سرورِ کائنات نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ وحی لانے والے سبک رفتار

چوں در دوستی مخلصم یافتی عنانم ز صحبت چرا تافتی

ترجمہ:۔ اب تک تو خلوص سے ہمدم وہمراہ رہا۔ اب میری معیت سے کیوں ہٹ گیا

بہ گفتا فراترمجالم نہ ماند بماندم کہ نیروئے بالم نہ ماند

ترجمہ:۔ حضرت جبرئیل نے جلدی سے جواب دیا کہ آگے آنے کی اب مجال نہیں ہے کہ تھک گیا ہوں اور اُڑنے کی طاقت نہیں رہی۔

اگر یک سرِ موئے برتر پرم فروغِ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ:۔ اگر میں، ذرا بھی پرواز کروں تو خدا کی تجلیات سے میرے پر وبال جل جائیں اس موقعہ پر حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

جبرئیلا تو شریفی و خبیرا نو نہ پروانہ زاں شمع منیر

ترجمہ:۔ اے جبرئیل علیہ السّلام بیشک تو شریف اور خبریں دینے والا ضرور ہے مگر سوز وسازِ عشق جو پروانوں کو ودلیت ہوتا ہے وہ تجھ میں نہیں کہ اس منور شمع پہ قربان ہو۔

جناب رسالتِ مآب کو اپنی تنہائی محسوس ہوئی۔ اضطراب ہوا تو پردۂ غیب سے جناب صدیقِ اکبر کی شکل وشباہت کا فرشتہ ظاہر ہوا اور ان جیسی زبان میں گویا ہوا کہ حضور آگے بڑھئے۔ صدیقِ اکبر کی رفاقت پر رسولِ خدا کو اسقدر اعتماد تھا کہ اللہ عزوجل نے اسی طرح تسلی فرمادی حضورؐ آگے بڑھے تو وہ فرشتہ غائب ہو گیا ؎

عمرے باید کہ یار آید بہ کنار کیں دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

ترجمہ:۔ دوست سے ہمکنار ہونے کے لئے ایک عمر کی ضرورت ہے کہ یہ ہمیشہ کی دولت ہر کسی کو نہیں ملتی حضور صدیق اکبر کا اصلی نام عبداللہ تھا اور صدیق آپ کا مرتبہ اور عتیق آپکا لقب تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

یوں تو بحرِ ناپیدا کنار ہے کہ جولانیٔ طبع اس کی وسعت تک پہنچنے سے عاجز ہے اور قلم اس بے پایاں سمندر کی گہرائی تک غوطہ زن ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا تاہم حسنِ عقیدت اور غلامی کا تقاضہ ہے کہ اپنے آقا کے حسنِ اخلاق کی روشنی کی چند کرنیں ان متعصب اور سیاہ دل حاسدوں پہ اس لئے ڈالی جائیں کہ اس روشنی میں ان کی سیاہی زیادہ واشگاف ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ جس کا صدیق کے صدق پر یقین نہیں وہ خود کذاب ہے اور جس کا اس سے خلوص نہیں وہ دجّال ہے۔

حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حاضرین سے استفسار فرمایا کہ آپ لوگ شجاع ترین شخص کو جانتے ہیں؟ سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ خود حضور کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ میں اپنے برابر والے سے لڑتا ہوں یہ تو کوئی بات نہیں۔ بتائے شجاع ترین کون ہے؟ سب خاموش ہو گئے۔ اور لاعلمی ظاہر کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ غزوۂ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے ہم نے ایک خیمہ بنایا تھا۔ اور جب یہ کہا گیا کہ کون شخص اس خوفناک وقت میں حقِ جاں نثاری ادا کریگا تو قسم خدا کی کہ کسی کی ہمت نہ پڑی۔ مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شمشیرِ برہنہ لے کر کھڑے ہو گئے اور کسی مشرک کی مجال نہیں ہوئی کہ آپ سے مقابلہ کرتا۔

ایک مرتبہ مشرکین نے جنابِ رسالت مآبؐ کو گھیر لیا اور کہنے لگے کہ آپؐ ہی ہیں جو خدا کو ایک بتاتے ہیں۔ اس وقت کسی کی ہمت نہ پڑی کہ اس جمِ غفیر سے مقابلہ کرتا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور جوش میں آکر کفار کو مارنا شروع کیا آپ فرماتے جاتے تھے افسوس ہے تم لوگوں پر کہ جو ذاتِ گرامی خدائے پاک کے واحد ہونے کی تعلیم دیتی ہے۔ اس کو تکلیف دینے کے درپے ہو۔

یہ واقعات بتا کر امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ آبدیدہ ہو گئے۔ اور فرمانے لگے۔ حاضرین ذرا بتاؤ کہ آلِ فرعون کے مومنین اچھے تھے یا ابوبکرؓ۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشک ابوبکر کی ایک گھڑی کی عبادت ان کی ہزار گھڑی کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ وہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ آپ نے علی الاعلان ظاہر کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر فضلیت دے گا اس کی سزا دُرّے ہے۔

قرآن کریم میں کئی جگہ حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں آیاتِ قرآنی بیان فرمائی گئی ہیں۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ

علمائے ربانی متفق ہیں کہ یہاں صاحب سے مراد صدیقِ اکبر ہیں۔ ہجرت کے احکام صادر ہوئے۔ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی تاریکیوں میں اپنے یارِ غار کو ساتھ لیا اور دونو اس حال میں چل پڑے کہ حضور پاکؐ صدیق اکبرؓ کے کندھوں پر تھے۔ اور ناہموار پتھریلا راستہ اسی طرح طے کیا اس سے زیادہ جرأت اور دلاوری کا مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور محبتِ رسولؐ کی انتہا اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جب غار سے نکلے تو سُراقہ بن الجعشم کو اپنی طرف آتا دیکھ کر رو پڑے اور کہا کہ مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں۔ میں حضور کی تکلیف پر بے تاب ہوں تو حضور رسولِ کریم نے یہ کہہ کر تسلی کر دی کہ لَا تَخَفْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ ڈر اور خوف نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ صدیقی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ ان الفاظ کا کتنا فوری اثر ہوا۔ سُراقہ کی گھوڑی پیٹ تک زمین میں دھنس گئی اور اس کے شر سے دونو محفوظ رہے۔ بلکہ سراقہ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اس نے استدعا کی کہ اے محمدؐ ایک دفعہ میرے لئے بھی ہاتھ اٹھا کر دُعا کیجئے چنانچہ آپ نے دُعا کی اور اس کی گھوڑی زمین سے باہر نکل کھڑی ہوئی۔

حضور کی صحبت میں دن رات مشاہدات عجیبہ و تجلیاتِ غریبہ دیکھنے سے دنیا کی رغبت ہی کا اثر دل سے کافور ہو چکا تھا۔ امیر معاویہ کہتے ہیں کہ دنیا ابو بکرؓ کے پاس گئی انہوں نے اس کو قبول نہ کیا۔ حضرت عمرؓ پر بھی اس کا اثر نہ ہوا مگر میں نے اسے اپنے پیٹ میں بھر لیا ؎

خلافت بر مقام ما گواہی ست — حرام است آنچہ برما پادشاہی ست
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ — خلافت حفظِ ناموس الٰہی ست

مسلمان کا مقام خلافتِ الٰہیہ ہی ہے اور دنیا کی غرض سے پادشاہی تو اس پر حرام ہے کیونکہ بادشاہی سوائے مکر و فریب کی نیرنگیوں کے کچھ نہیں اور خلافت خدائی خاصیتوں کی محافظ و حامل ہے (یعنی قدرت انسان اپنی خامیوں کو محسوس کر لیتا ہے۔ امیر معاویہ نے خلافتِ الٰہی کو بدل کر امارت و وراثت اور شخصی حکومت بنا دیا تھا۔ اور قانون جمہوریتِ اسلام کو توڑنے والے سب سے پہلے آپ ہی ہیں نعوذ باللہ)۔

حضرت عقبہ کے بیٹے موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہو اجس کی چار

پشتوں نے زمانۂ رسالت دیکھا ہو۔ لیکن ابو قحافہ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد) حضرت صدیق اکبر خود اور آپ کے بیٹے حضرت عبد الرحمٰن اور حضرت عتیق بن عبد الرحمٰن آپ کے پوتے سب نے زمانۂ رسالت دیکھا۔

سب سے پہلے آپ نے قرآن پاک جمع کر کے مُصحف نام رکھا۔ تفسیر القرآن اور علم القرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت علی رض ارشاد فرماتے ہیں کہ جمع القرآن کا سب سے بڑا اجر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ملے گا۔

خدائے پاک نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں چار بے نظیر خصوصیات رکھی ہیں جو اور کسی میں نہیں :۔

۱۔ آپ صدیق ہیں اور صدیقوں کے سردار ہیں سوائے آپ کے اور کسی کو یہ شرف نصیب نہیں
۲۔ آپ نے غار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔
۳۔ آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔
۴۔ حضور پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ مسلمانوں کو مقتدی اور آپ کو ان کا امام بنایا۔

حضرت محمد بن علی رض کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ والد ماجد سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

کتاب حدیقۃ الاولیا از مفتی غلام سرور المتخلص بہ سرور لاہوری صفحہ ۵۸ و ۵۹ میں مذکور ہے کہ :۔

تذکرہ مجددیہ میں لکھا ہے۔ کہ ایک روز ایک شخص نے کہ جس کا مذہب شیعہ امامیہ تھا حضرت کی کتاب مکتوبات کو ہاتھ میں لے کر کھولا اور ایک صفحہ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح لکھی دیکھی۔ فوراً کتاب کو ہاتھ سے پھینک دیا اور منہ سے بھی کلمات تبرا کئے۔ جب رات کو سویا تو دیکھا کہ شیخ احمد مجدد رح اس کے گھر آئے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ اے مردود! تو نے میری کتاب کو ہاتھ سے بڑے غضب کے ساتھ پھینک دیا اور حضرت صدیق اکبر کی نسبت کلمات بے ادبی کے کہے تو سزا کے لائق ہے۔ آ میں تجھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے جاؤں اور تجھے سزا دلواؤں یہ کہہ کر اسکو پکڑ لیا اور کھینچتے کھینچتے دوسرے مکان میں علی المرتضیٰ کی خدمت

ہیں لے گئے اور حال بیان کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا کہ اسے بداعتقاد! بزرگوں کی کتاب کو اس طرح پھینکتا ہے۔ اور اصحاب نبی کو برا کہتا ہے۔ تو لائق سزا ہے یہ کہہ کر حضرت علی کرم اللہ وجہ اُٹھے اور اس کے منہ پہ ایک طمانچہ مارا جس کے صدمہ سے اس کی نیند کھل گئی اور آنکھوں سے خون جاری دیکھا۔ آئینہ لے کر منہ دیکھا تو تمام سیاہ پایا۔ اسی وقت اس اعتقاد سے توبہ کی۔ علی الصبح حضرت کی خدمت میں آکر مرید ہوا۔ مرید ہوتے ہی چہرہ کی سیاہی جاتی رہی۔

نقل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انتقال سے پہلے وصیت کی تھی کہ جب میں اس فانی دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے رسول خدا کے مبارک دروازے پر لے جانا اور کہنا السلام علیکم یا رسول اللہ۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آپ کی چوکھٹ پر حاضر ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اگر دروازہ کھل جائے۔ تو مجھ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دفن کیجیو اور اگر دروازہ نہ کھلے تو مجھے جنت بقیع میں دفن کیجیو۔ پھر جب آپ کی وصیت کے موافق آپ کا تابوت روضۂ مبارک کے قریب لے گئے۔ تو ابھی وہ کلمات ختم بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ دروازہ کھل گیا اور آواز آئی کہ دوست کو دوست کے پاس لے آؤ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نعش کو آپ کے قریب دفن کیا۔ وفات شریف ۱۳ھ ہجری میں ہوئی۔

سورۂ واللیل میں صدیق اکبرؓ اور حضرت بلالؓ کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔

حضرت علیؓ بن حسین علیہ السلام سے ابن عساکر روایت فرماتے ہیں کہ۔ ایت وَ نَزَعْنَا مَا فِی صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ کی سند سے ابن عساکرؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایت وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا سے لے کر وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مسلمانوں کے دل اس قدر غمگین ہوئے کہ ہوش و حواس تک جاتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لے کر وارفتہ پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں تو سر اڑا دوں گا۔ ان کی یہ دیوانہ کیفیت دیکھ کر اصحاب اور بھی دم بخود ہو گئے۔ حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے نازک

وقت میں اوسان نہ کھوئے اور فرمایا کہ قرآنِ کریم میں جنگِ اُحد کے بعد یہ آیات اسی موقعہ کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (پارہ لن تنالوا)
یہ سن کر سب کی تسلی ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پشیمان ہو کر تلوار میان میں کر لی۔

پھر مسلمانوں میں اس امر پر اختلاف ہوا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دفن کہاں کئے جاویں بعض لوگوں کی رائے تھی کہ آپ اپنے مولد یعنی مکہ مکرمہ میں دفن ہوں اور بعض مسجد نبوی اور بقیع یا بیت المقدس کی بابت کہتے تھے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسالت مآب سے سنا ہے کہ نبی کا جہاں انتقال ہو وہیں دفن کرنا چاہیئے اس لئے اس بارے میں اختلاف کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کا سوال پیش ہوا آپ نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب فرماتے تھے کہ انبیائے کرام کا کوئی وارث نہیں جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ صدقہ ہے۔

یہ محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اثر تھا کہ ایسے اختلافی مسائل کو بہ آسانی حل فرما دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود خلیفہ مقرر فرمایا۔ آپ کو ایک یہودی نے کھانے میں زہر کھلا دی تھی جس کے اثر سے سال بھر طبیعت خراب رہی اور آخر انتقال ہو گیا۔ بوقتِ انتقال حضرت عائشہ صدیقہ کو وصیت فرمائی کہ میرے بعد یہ حبشی غلام، اونٹنی، پرانی چادر اور بڑا پیالہ جس میں کھانا کھایا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجدینا۔ جب تک میں اسلام کا خلیفہ تھا ان چیزوں کے استعمال کا حق رکھتا تھا۔ بعد انتقال میں وارث نہیں۔ یہ مسلمان کا ہی مال ہے۔ انہیں واپس کر دینا چاہیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ کی خدمت میں جب یہ چیزیں پہنچیں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحمت نازل فرمائے انہوں نے میرے لئے کسقدر مشکل پیدا کر دی۔ اللھم صل علی محمد و علی آلہٖ و اصحابہ وسلم۔

مختصر حالات سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ
[کا] سلسلہ آٹھویں پشت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی [اللہ] عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن آپ اسلام لائے تو کفار میں شور برپا ہو گیا کہ آج مسلمانوں نے

ہم سے بدلہ لے لیا۔

حضرت ابنِ مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے اسلام کو برابر عزت حاصل ہوتی گئی آپ کا اسلام گویا فتحِ اسلام تھا۔ ہم لوگوں کی کیا مجال تھی کہ کعبۃ اللہ میں نماز ادا کر سکیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے اس قدر جدال و قتال کیا کہ وہ نماز کی اجازت دینے پر مجبور ہو گئے۔

ابن عساکرؒ نے یہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کیا ہے کہ ہر شخص نے خفیہ طور پر ہجرت کی لیکن ہجرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب قصد کیا تو ایک ہاتھ میں ننگی تلوار لی اور دوسرے میں تیر و کمان اور کعبہ شریف میں تشریف لائے سات مرتبہ طواف کیا اور دو رکعتیں مقام ابراہیم میں ادا کیں۔ اس کے بعد اشراف قریش کے حلقہ میں تشریف لا کر فرمایا۔ لوگو! اگر تم میں جرأت و ہمت ہے۔ تو مجھے روک لو اور آ کر مقابلہ کرو۔ اس باہیبت سوال کا کوئی جواب نہ تھا اور نہ کوئی شخص حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا مقابل ہو سکتا تھا۔ کفار سناٹے میں رہ گئے اور آپ مع رفقاء راہی ہوئے۔ آپ کے ساتھ بیس ۲۰ آدمی تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے اسلام مثل اقبال مند شخص کے ہو گیا کہ ہر قدم پر ترقی کرتا گیا۔ آپ کی شہادت سے اس کی رفتار محدود ہو گئی

حضرت عبدالرحمٰن بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن انتقال کے وقت موجود تھا۔ اس دن سورج گرہن ہو گیا تھا۔

آپ کے زمانہ میں مسلمانوں کو بے حد فتوحات ہوئیں۔ ایک مشہور انگریز مؤرخ کا خیال ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کے بعد اسی طرح کا ایک اور عمرؓ ہو جاتا تو شاید دنیا بھر میں مذہب اسلام کے سوا کوئی مذہب ہی نہ ہوتا۔ یا کم از کم بادشاہی کی باگ دوڑ تمام دنیا کی مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی۔ خود حضور نبویؐ کا ارشاد ہے کہ از روئے سیاستِ دینی و تدبیرِ ملکی عمرؓ کی وہ پوزیشن ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمرؓ ہی ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ اِنَّ الْحَقَّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ کہ عمرؓ کی زبان سے حق و صداقت کے سوا کوئی کلمہ نہیں نکلتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ جب صالحین کا ذکر کرو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرور یاد کر لو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سوائے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی شخص ایسا نہیں جس نے جرأت کے ساتھ خدا کی راہ میں ملامت سُنی ہو۔ پھر حضرت علی کرم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارادے کے پکے عقلمندی علم اور دلیری میں سب سے نظیر ہیں۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیاطین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قید رہے اور آپ کے بعد آزاد ہو گئے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی شیطان بھاگ جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کی زبان سے رُوح القدس کلام کرتا ہے۔

حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اسلام کے لئے والدین کی مثل تھے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے سخت بیزار ہوں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھلائی سے یاد نہ کرے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت تو ان چار باتوں سے ہی ثابت ہوتی ہے۔

۱۔ اسیرانِ جنگِ بدر کے قتل کا حکم دیا تو آیت نازل ہوئی۔

۲۔ آپ نے امہات المومنین کے بارے میں خیال فرمایا کہ اگر پردہ ہو تو دن کو باہر نکلنا جو عام عورتوں کی طرح ہے خواہ قضائے حاجت کے لئے ہی ہو اتنا معیوب نظر نہ آئے۔ آپ نے حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ دیکھ کر بہت محسوس کیا کہ دن کو یوں باہر کیوں گئیں۔ بی بی سودہؓ نے رسولِ کریم سے شکوہ کیا کہ کیا ہم قضائے حاجت کے لئے بھی باہر نہ جایا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہم کو ٹوکتے ہیں تو احکام پردہ کی آیات نازل ہوئیں۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اسلام کے لئے دُعا فرمائی۔

۴۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر سب سے پہلے آپ نے بیعت کی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ تین موقعوں پر خدائے پاک نے میری رائے سے موافقت کی:۔

۱۔ میں نے حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مقام ابراہیم علیہ السلام نماز کی جگہ ہوتا تو خوب تھا۔ اس کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ؕ
۲۔ میں نے اُمہات المومنین رضوان علیہم اجمعین کے پردے کے لئے عرض کی تو آیت پردہ نازل ہوئی۔
۳۔ جب ازواج مطہرات نے حضورِ انورؐ کو غیرت دلانے پر اجتماع کیا تو میں نے کہا۔ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ کاش اللہ تعالیٰ تم کو طلاق دینے کے احکام نازل کرے کہ تمہاری جگہ بہتر عورتیں رسولِ کریمؐ کو تبدیل کر دی جائیں۔ چنانچہ احکام نازل ہوئے اور حضور صلعم نے اجازت دے دی کہ جو رہنا چاہے رہے جو جانا چاہے اس کو کچھ دے کر رخصت کر دیا جائے گا۔ تو سب نے توبہ کی اور دنیا کی جگہ آخرت اختیار کی۔

حضرت حاکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے شراب کے حرام ہونے کی آرزو کی تو حکمِ خدا آیا۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ الی الاخر آیت۔ یعنی شراب قطعاً حرام کر دی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر واقعہ افک کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ۔ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ چنانچہ آیت نازل ہوئی جس میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی برائت تھی اور ہو بہو یہی الفاظ تھے رمضان المبارک کی شب میں اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستری ناجائز تھی۔ حضرت عمر نے اس کے متعلق عرض کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ رمضان کے مہینہ کی راتوں کو تمہارے لئے عورتوں سے ہم بستری حلال ہے۔

عبداللہ بن ابی سلول منافق سخت دشمنِ اسلام تھا۔ اس کا بیٹا عبداللہ بڑا دیندار اور نیک تھا۔ اپنے باپ سے اس لئے بیزار رہتا تھا۔ کہ آئے دن وہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی تدابیر عمل میں لاتا رہتا تھا۔ واقعہ اِفک میں اسی کی کارستانی تھی کہ عائشہ صدیقہ پر بہتان باندھا اور اس کو نشر کیا۔ اسی طرح متعدد بار اس نے رسولِ کریم کو ستایا۔ بہرکیف جب وہ مرا تو اس کے بیٹے اور دیگر مسلمانوں نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ جنازہ کے لئے تکلیف دی

حضور بادلِ ناخواستہ جانے کو تیار ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے بشرہ سے پہچان گئے۔ کہ حضور جانے پر رضامند نہیں تو عرض کی کہ عبداللہ فی الواقعی دشمنِ خدا تھا۔ آیت نازل ہوئی کہ۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا۔ ان منافقوں میں کسی پہ نمازِ جنازہ نہ پڑھو یہ مستقل طور پر ہمیشہ کے لئے مر گئے ہیں۔

اسی طرح متعدد دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رضا پر خدا کی رضا ظاہر ہوئی ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے   خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواب میں استراحت فرما رہے تھے کہ آپ کا غلام بلا اجازت اندر چلا آیا۔ آپ نے دُعا فرمائی کہ الٰہی خلوت میں بے دھڑک آنے کو منع فرما دے چنانچہ آیت نازل ہوئی کہ بے اجازت کسی کے گھر داخل نہ ہو ؎

راز ہے راز ہے تقدیرِ جہانِ تگ و تاز   جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قربِ الٰہی کے مقام ہیں۔ اب تعلقاتِ دنیاوی ملاحظہ ہوں کہ ان میں بھی دینی شعور کو کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔

جب آپ کسی بزرگ کو عامل یعنی گورنر بنا کر بھیجتے تھے تو یہ شرائط سنا دیتے تھے:۔ گھوڑے پر کبھی مت سوار ہونا۔ عمدہ کھانا نہ کھانا۔ باریک کپڑا نہ پہننا اور حاجتمندوں کی دادرسی کرنا۔ اگر ان امور کے خلاف ہوتا تو سزائیں دیتے۔

عمرو بن العاص بصرہ کے عامل تھے۔ کچھ جائداد بھی تھی جو وہیں تھی۔ اس کا حساب بیت المال کے حساب سے خلط ملط ہونے کی شکایت پہنچی۔ فوراً بلوا کر پڑتال کی اور آئندہ محتاط رہنے کی سخت تہدید کی۔ شعبہ بن مغیرہ حاکم کوفہ تھے شکایت پہنچی کہ کسی عورت سے ناجائز تعلقات ہیں۔ فوراً گواہوں کو طلب کیا اور ان کے سامنے بیان لئے۔ مگر صرف دو گواہ ثابت ہوئے تاہم بڑی سخت تنبیہ کی کہ اپنا رویہ درست رکھو۔ امیر معاویہ گورنر دمشق تھے شکایت پہنچی کہ حدود اللہ سے متجاوز ہو جاتے ہیں۔ ریشم پہنتے ہیں۔ امیرانہ ٹھاٹھ سے دن گزارتے ہیں اچھے بستر پر آرام کرتے ہیں اور نہایت خوش رنگ لذیذ کھانے دسترخوان پر حاضر رہتے ہیں۔ زندگی فقیرانہ نہیں شاہانہ ہے تو حکم دیا کہ جس حال میں ہوں۔ جن کپڑوں میں ہوں اسی طرح حاضر ہوں۔ ایلچی کو حکم دیا کہ سخت نگرانی میں نگاہ رکھے چنانچہ اسی طرح حاضر کئے گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت و جلال کی تاب نہ لا کر کانپنے اور گر پڑنے۔ عمرو بن

العاص کو ساتھ لائے تھے انہوں نے سفارش کی کہ نصرانیوں کا علاقہ ساتھ لگتا ہے اور ان عیسائیوں پر بہ حیثیت مساوی ہی نہ عب ہو سکتا ہے وگرنہ وہ مسلمانوں کو حقیر سمجھنے لگیں گے کسی نہ کسی طرح تسلی کرادی تاہم سخت تنبیہہ و تہدید کے بعد امیر معاویہ کو واپس کیا۔

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق علم ہوا کہ ایران کے کسریٰ کے ایوان کی چوکھٹ گھر میں لگائی ہے۔ دروازہ دوسرے گھروں کے دروازوں سے اونچا ہو گیا ہے اسی وقت ایلچی کو حکم دیا کہ اس چوکھٹ کو آگ لگا کر پھونک آؤ۔

اسی کڑی نگرانی کے باعث امور سلطنت میں کبھی کوئی خلل واقع نہ ہوا اور لوگوں کی ایمانی حالت میں کوئی خرابی واقع نہ ہوئی جو دوسروں کے لئے باعث نقصان ہوتی۔

ایک مرتبہ شہدا اور مقتولین پر عورتیں بین و بکا کر رہی تھیں کہ حضرت عمرؓ کا گزر ہوا اور آپ نے ان کو منع کیا۔ مگر چند عورتیں پھر بھی شیون و شین کرتی رہیں۔ ان میں صدیق اکبر کی ہمشیرہ محترمہ بھی تھیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ پھر اس طرف سے گزرے آپ نے ان سب کو پھر سخت تہدید کی اور مارنے کی دھمکی دی جس پر تمام عورتیں منتشر ہو گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی اصلاحی تنظیمات کیں جس کو آج حکمران قومیں حکمرانی پر احسانات کے طور پر شمار کرتی ہیں۔ مثلاً بیت المال یعنی قومی خزانہ قائم کیا۔ عدالتیں قائم کیں اور ماہر شریعت قاضی فیصلہ کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔ تاریخ اور سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ لقب امیر المومنین اختیار کیا فوجی دفتر ترتیب دیا فوجی پریڈ میں چار چار مجاہدین کو دستہ کی تشکیل دے کر مارچنگ میں آسانی کر دی۔ مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں کہ ان کو روزینہ کی فکر نہ رہے دفتر مال قائم کیا۔ پیمائش زمین کا قانون جاری کیا۔ مردم شماری کرائی۔ نہریں کھدوائیں شہر آباد کرائے چھاؤنیاں بنائیں۔ جو ملک قبضہ میں آئے انہیں صوبوں میں تقسیم کیا قدرتی پیداوار پر محصول مقرر کیا مثلاً مشک زعفران وعنبر وغیرہ۔ جیل خانہ قائم کیا دُرہ کا استعمال کیا اور رات کو گشت کر کے رعایا کے مخفی حالی دریافت کرنے کا طریقہ نکالا۔ محکمہ پولیس قائم کیا انتظام ملکی میں سہولت ہو۔ پرچہ نویس مقرر کئے۔ بڑے شہروں کے راستہ میں سرائیں اور مسافر گاہیں بنوائیں۔ لاوارث بچوں کے روزینے مقرر کئے۔ اہل عرب پر یہ احسان کیا کہ خواہ وہ کافر ہوں غلام نہیں بنائے جا سکتے مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے وظیفے مقرر کئے۔ مکتب بنا کر مدرسین کی تنخواہ مقرر

کی ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے قرآن کریم کی ترتیب کرائی اور خود اس کام میں شریک رہے ۔ والی ۔ قاضی اور خزانچی کا تعلق براہِ راست خلیفہ سے رکھا ۔ نماز تراویح کو بیس رکعتوں میں با جماعت قائم کیا اور مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کام میں آپ کو دعائے نیک دی کہ یا اللہ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو اس طرح روشن کر جس طرح اس نے مسجدوں کو بالخصوص رمضان المبارک میں روشن کیا ۔ آپ نے تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں بائز قرار دیا اور شراب کے لئے اسی کوڑے کی حد مقرر کی ۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر لوگوں کا اجماع کیا ۔ مسجدوں میں وعظ کا طریقہ قائم کیا اور سب سے پہلا وعظ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے آپ کی اجازت سے فرمایا ۔ اماموں اور موذنوں کو تخصیص کیا اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں ۔ ہجو کہنے پر سزا مقرر فرمائی اور اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے منع فرمایا ۔

آپ امورِ سلطنت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اکثر مشورہ طلب کرتے حضرات حسنین علیہما السلام سے انتہائی شفقت وعقیدت سے پیش آتے فتح ایران میں مالِ غنیمت کے ساتھ جو قیدی عورتیں آئیں ان میں نوشیرواں عادل کی پوتی یزدجرد کی بیٹی شہر بانو بھی تھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلا کر کہا کہ شاہزادی شاہزادے کا حق ہے میں ان کو دوں گا ۔ اور ان سے حضور امام حسین علیہ السلام کا نکاح فرما دیا ۔

دینِ حق کا احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ اپنے حقیقی بیٹے ابو شحمہ کے متعلق جب یقین ہو گیا کہ اس سے زنا سرزد ہوا ہے تو اپنے ہاتھ سے اس کی پشت پر کوڑے برسائے کہ وہ جاں بہ حق تسلیم ہو گیا ۔ حد کے بقیہ کوڑے مردہ جسم پر برسا کر حد پوری کی ۔

آپ ان تمام امور کی سخت مخالفت فرماتے جو خلافِ شرع شارع علیہ السلام ہوتے طبیعت انتہائی سادہ تھی کوئی جامہ ایسا نہ تھا جس کو آخر تک نہ پہنتے خواہ پیوند کیوں نہ لگانے پڑیں اور پیوند بھی ایک قسم کا نہ ہوتا ۔ آج نئی تہذیب والوں کو یہ بات سخت معیوب نظر آتی ہے ۔ جو حضرت عمر فاروق جیسے باہیبت بادشاہ کو خوب نظر آتی تھی فتح بیت المقدس کے دن کئی پیوند لگا کرتہ حضور کے زیب گلو تھا ۔ باری سے اپنے غلام کو منزل بہ منزل اونٹ پر چڑھا کر خود مہار پکڑے سفر طے کیا اور کھانے کے لئے ستو اور کھجوریں پوٹلیوں میں بندھی ساتھ تھیں ۔

تنِ مردِ مسلماں پائیدار است   بنائے پیکرِ او استوار است

ترجمہ:۔ مسلمان مرد کا وجود پائدار رہتا ہے۔ اور اس کے وجود کی بنیاد مضبوط ہے اور وہ اسقدر

طبیبِ نکتہ رس دید از نگاہش   خودی اندر وجودش رعشہ دار است

ترجمہ:۔ خود دار رہتا ہے کہ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ خودداری کا طوفان اس کے اندر لہریں مارتا ہے بیت المال کے اونٹ خود چرایا کرتے۔ رعایا کے احوال سے باخبر رہتے اور ان کے ہر دکھ کا مداوی کرتے۔ دنیا نے اس سے پہلے اور نہ آج تک ایسا فاقہ مست اور درویش بادشاہ پیدا کیا جو نصف دنیا پر حکومت کرنے کے باوجود چٹائی پر سوتا ہو۔ گھاس پھوس اور کھجور کے مکان میں رہتا ہو خیمہ کی جگہ سفر میں درخت پر کپڑا ڈال کر سایہ کرکے وقت کاٹ لیتا ہو ستو اور کھجوریں کھا کر گزر کرتا ہو اور غریب رعایا کے لئے خوردونوش کا سامان اپنے کندھوں پہ اٹھا کر ان کے گھروں میں خود پہنچاتا ہو۔

دلِ من روشن از سوزِ دروں است   جہاں بیں چشمِ من از اشکِ خوں است

ترجمہ:۔ میرا دل اندرونی سوزِ عشق سے روشن ہے میری آنکھ پانی نہیں خون روتی ہے

ز رمزِ زندگی بیگانہ تر باد   کسے کو عشق را گوید جنوں است

ترجمہ:۔ جو شخص عشق کو جنون سے تعبیر کرتا ہے وہ زندگانی کے رموز سے ناواقف ہے۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو اپنے خیمے سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا پاس جا کر بیٹھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کیں۔ دفعتہً خیمے سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت نے دریافت فرمایا کون روتا ہے۔ بدو نے کہا میری بی بی دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ حضرت دولت خانہ پر تشریف لائے اور اپنی بیوی اُم کلثوم سے ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کچھ کراہت کی آپ نے مجبور کیا کہ دایہ کے فرائض سرانجام دو۔ ساتھ لے کر چل پڑے بدو سے اجازت لیکر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد بچہ پیدا ہوا حضرت ام کلثوم نے پکارا۔ یا امیرالمومنین۔ اپنے دوست کو مبارک دیجئے۔ امیرالمومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور مؤدب ہو بیٹھا۔ حضرت نے فرمایا۔ کچھ خیال مت کرو کل میرے پاس آنا میں اس بچے کا وظیفہ مقرر کر دوں گا۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ ۔ انگریزی مقولہ ہے کہ

جس سر پہ تاج ہے اس پر ذمہ داریوں کی تکالیف کا بوجھ بھی بڑا ہے۔

حضور کی وفات عجیب طریقہ سے ہوئی کہ مغیرہ ابن شعبہ کے پاس ایک ہوشیار غلام تھا جو بہت سے فنون میں ماہر تھا۔ خصوصاً دستکاری اور صناعی سے واقف تھا اس کا نام فیروز اور کنیت ابولولو تھی عقیدہ میں آتش پرست تھا۔ مغیرہ نے اس پر ٹیکس لگا

رکھا تھا جس کو وہ زیادہ محسوس کرتا تھا۔ اور اس کے متعلق اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ آپ نے اس کی آمدنی کا حساب پوچھا اور کہا کہ تیرے کاموں کے لحاظ سے یہ محصول کوئی زیادہ نہیں ہے۔ وہ اس جواب پر برافروختہ ہوگیا اور اس نے پکا ارادہ کرلیا کہ وہ آپ کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ گھر پر آکر اس نے دو دھارا خنجر تیار کیا اور اسے زہر میں بجھا لیا ایک دن نمازِ فجر سے پہلے مسجد میں جا چھپا۔ آپ کا حکم تھا کہ جماعت سے پیشتر صفیں سیدھی ہوجایا کریں۔ پھر آپ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ حسبِ معمول جب آپ تشریف لائے تو فیروز نے پے بہ پے چھ وار کئے۔ جن میں سے ایک وار زیرِ ناف پڑا اور انتڑیاں چیرتا ہوا باہر نکل گیا پھر فیروز نے چند اور پکڑنے والے آدمیوں کو بھی زخمی کر دیا۔ اور خود اسی خنجر سے خودکشی کرکے ہلاک ہوگیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ پر امامت کے لئے کھڑا کر دیا۔

لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر دولت سرائے میں لائے۔ خیال تھا کہ زخم کاری نہیں لیکن جب پلایا ہوا دودھ اور دوائی دونوں چیزیں زخم کی راہ سے باہر نکل گئیں تو مایوسی ہوگئی۔ چنانچہ لوگوں نے جانشین کے بارے عرض کی۔ یہ مسئلہ ایسا نہیں تھا کہ فی الفور اس کا فیصلہ ہوسکتا کیونکہ آپ نے مدتوں غور و فکر کیا تھا۔ اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا تھا بسا اوقات آپ حضرت حسرت کے ساتھ کہہ اٹھتے تھے کہ میرے بعد اس بارِ گراں کا اٹھانے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی مستقل چپقلش۔ بنو امیہ کی در پردہ چالاکیاں اور بنو ہاشم کی سادگیاں ان معاملات کو اور پیچیدہ کر رہی تھیں بہرصورت جن اصحاب پر نظر پڑتی تھی وہ یہ تھے:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ لیکن ان بزرگوں میں سے ایک دوسرے پر ترجیح دینا مشکل کام تھا جب لوگوں نے زیادہ اصرار کرکے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان چھ بزرگوں میں سے جسے چاہو انتخاب کرلو اور ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ اگر علیؓ منتخب ہوجائیں تو بنو امیہ سے رعایت ملحوظ رکھیں۔ اور اگر عثمانؓ منتخب ہوجائیں، تو بنو ہاشم سے رعایت ملحوظ رکھیں اور اگر کوئی اور ہوجائے تو فبہا۔ ان چھ اصحاب میں سے ایک خلیفہ منتخب ہوجائے گا۔ باقی پانچوں اسی وقت سب

سے پہلے اس کے ہاتھ پر بیعت کریں جو فوری بیعت کرنے سے پس و پیش کرے اُسے اُسی وقت قتل کر دیا جائے کہ فتنہ کی صورت پیدا نہ ہو اور لوگ، بالمقابل خلافت کے لئے انمیں سے کسی کو اکسا کر کھڑا نہ کر لیں ؎

پس قیامت شو قیامت را بہ بیں　　دیدن ہر چیز را شرط است ایں

ترجمہ:۔ ہر انجام کو دیکھنا ہو تو اس میں جو قیامت خیز ہنگامے پنہاں ہیں وہ دیکھنا شرط ہے۔
اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا کہ ان سے درخواست کریں کہ آپ کو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ السلام کے پہلو میں دفن کرنے کی اجازت عطا فرمائی جاوے۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے رکھنا چاہتی تھی لیکن آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی جب حضرت عبداللہ واپس تشریف لائے اور یہ جواب سنایا تو امیرالمومنین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ الحمد للہ میری سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ زخم سے تین دن بعد انتقال ہُوا اور یکم محرم ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ تریسٹھ سال عمر تھی ؎

زندگی جز لذت پرواز نیست　　آشیاں با فطرت او ساز نیست

حصول خلافت کیلئے بنو امیہ کی کوششیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ اصحاب کو خلافت کے لئے منتخب کیا تھا ان میں سے حضرات طلحہ زبیر و سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنا اپنا نام کسی نہ کسی وجہ سے واپس لے لیا اور انکساری کی کہ امور خلافت کے وہ اہل نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اہل گردان کر خود حَکَم بن کر فیصلہ کرنے کا ذمہ اٹھایا۔ اور اعلان کیا کہ اگلے دن اس کا فیصلہ کیا جائے گا کہ خلیفہ ان دونوں میں سے کون ہو۔ اب آیا اور گُل کِھلا۔ کہ عمرو بن العاص بنو امیہ کے بہت پاسدار تھے۔ ابو سفیان نے ان کو نہایت کی کہ کسی صورت خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مل جائے۔ تو بہتر ہے۔ ابو سفیان امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کی اس پوشیدہ چال کا علم نہ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ہُوا نہ حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ کو ان امور کی خبر ہوئی ورنہ شاید اس چال سے آپ کو کراہت ہوتی اور نہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی پاکیزگئے نفس اس سیاسی چال کے گھناؤنے پس منظر کو پرکھ سکی۔ انتخاب میں ایک دن باقی تھا کہ عمرو بن العاص حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پاس موقعہ تاک کر جاتے ہیں ادھر ادھر کی باتوں کے بعد خلافت کی بات چھڑ جاتی ہے تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ نے فوراً خلافت قبول کرلی تو سب کا خیال ہوگا کہ آپ اس کے خواہشمند تھے یہ یقینی بات ہے کہ خلافت آپ کو ملے گی۔ مگر جلدی کرنے سے لوگوں کا خیال بدل جائے گا۔ جب خلافت کے آثار کی طشتری آپ کے پیش کر کے خلف لی جائے تو کہئیگا کہ میں کوشش کرونگا کہ میں اس طرح کروں۔ کیونکہ انسان کا فرض کوشش کرنے کا ہے۔ دعویٰ کرنے کا نہیں بنانے والا تو اللہ ہے۔ اس طرح ملاقات کی رسمی باتیں کرنے کے بعد عمرو بن العاص سیدھے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آستانۂ مبارک پر آئے اور اسی طرح باتوں باتوں میں ان کو مشورہ دیا کہ جب طشتری آپ کے پیش ہو تو انکار نہ کرنا فوراً قبول کرلینا اور لوگوں سے وعدہ کرنے میں پس و پیش نہ کریں اور کہیں کہ میں ایسا ہی کرونگا اگر آپ نے قبول کرنے میں دیر کی تو لوگوں کا خیال ہوگا کہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ خلافت جیسی پیش کیئے سے ان کو انکار ہے۔ اُدھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ دو شخص ہی حقدارِ خلافت ہیں۔ ان میں اوّلین حق حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ خود اسی خیال کے حامل تھے۔ انہوں نے اس بات میں اپنے خیالات کی تائید و حمایت سمجھی اسی خیال کے تحت کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ پر جب لیبیہ جیسا ...ات بھی راضی ہیں تو باقی اکثریت کیوں راضی نہ ہوگی۔ اگلے دن انہوں نے طشتری جس میں انگوٹھی جبہ عمامہ وغیرہ تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پیش کر کے کہا کہ علیؓ ہاتھ بڑھاؤ اور ہم کو بیعت کرو اور وعدہ کرو اللہ اور اللہ کے رسول کے مطابق عمل کرو گے۔ اور چند شرائط اور پیش کیں۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے کہا کہ میں کوشش کرونگا کہ میں ایسا کروں۔ وعدہ نہیں کرتا کہ خدا معلوم اس کو کیا منظور و مقدر ہو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا مگر عمرو بن العاص کا جادو چل چکا تھا اور خلافِ توقع آپ نے وہی الفاظ دہرائے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ایسے بزدل کو اپنا خلیفہ نہیں بنانا چاہتے۔ لاؤ عثمانؓ! ہاتھ بڑھاؤ اور ہم کو بیعت کرو اور وعدہ کرو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے مطابق عمل کرو گے

وغیرھما۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ تو الفاظ کے پیچوں میں ہی الجھ کر رہ گئے تھے مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام وعدے کر کے انگوٹھی پہن لی اور آثارِ خلافت کو قبول کر کے لوگوں سے بیعت لی۔ حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہ کا جو عملِ صبر اور کشادہ پیشانی اسی بات کی آئینہ دار تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات پر عمل کرتے لہذا انہوں نے فوراً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت قبول کی۔ اور جھگڑا مٹ گیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہی فرق تھا کہ۔ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيْدُ الْآخِرَةَ۔ بہت دنیا کی طلب کو اہمیت دیتے تھے اور اکثروں کی نظر میں دنیا کوئی شے نہ تھی آخرت پر نگاہ رکھتے تھے۔ بنو امیہ میں گنتی کے افراد تھے جو دنیا سے بے لوث تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کی دنیا طلبی میں چنداں کمی واقع نہ ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باہمی منافقت مٹانے کے لئے ان لوگوں کی تالیفِ قلوب کرنے کو انہیں اور ان کے متعلقین کو کافی مراعات دیں مگر اس شمعِ ہدایت کے یہ پروانے دیوانے نہ بن سکے۔ فرزانے ہی رہے اور اس نورِ ہدایت سے اپنے قلوب کو پوری طرح منوّر نہ کر سکے۔ دولت وحشمت اور جاہ جلال کے پرتو نے معرفت الٰہی سے ان کی چنداں مستفیض نہ ہونے دیا۔ چال جو سوچی گئی تھی کامیاب ہو گئی۔ اور جو سبق عمرو بن العاص نے ان سادہ لوح وپاک دل حضرات کو علٰحدہ علٰحدہ پڑھایا تھا بروئے کار آیا۔ اور گو یہ قلعی بعد میں کھل بھی گئی مگر کسی منافقت کی صورت پیدا نہ ہوئی۔

مختصر حالات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلہ جناب رسالت مآب سے مرّہ پر جا ملتا ہے عثمان ابن عفان ابن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی۔

آپ حسین وجمیل بھی تھے۔ صاحبِ مال بھی تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا لقب کثرتِ مال کی وجہ سے غنی پڑ گیا تھا۔ اور آپ دولتِ ایمان سے مالا مال تھے آپ کے چچا نے آپ پر اسلام لانے کی وجہ سے بے انتہا سختی برتی۔ چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا اور مارتا مگر آپ نے سب کچھ برداشت کیا اور اسلام پر قائم رہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ کے دوست تھے ان کی ترغیب سے ہی اسلام لائے تھے۔ آپ سابقون الاوّلون سے ہیں اور عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف تھی اور دوسری مدینہ طیبہ کی۔ رسول کریم صلی اللہ وسلم فرماتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بہت مماثلت رکھتے ہیں۔ سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اور کوئی بزرگ ایسا نہیں گزرا جس کے عقد میں کسی نبی کی دو صاجزادیاں آئی ہوں۔ حضرت رقیہؓ کے بعد وفات حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضور رسولِ کریمؐ نے آپ سے کردیا۔ اسی وجہ سے آپ ذوالنورین کہلاتے

حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ارشاد ہے کہ جناب رسالتمآب صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری چالیس صاجزادیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں دے دیتا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس قدر شرم و حیا والے تھے کہ نہاتے وقت دروازہ بند کر لیتے تھے۔ لیکن اس حالت میں بھی کپڑے اتارنے میں اس قدر شرم کرتے کہ پشت سیدھی نہ کر سکتے تھے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے پیراہن مبارک کے دامن سمیٹے اور فرمایا کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں پھر میں کیونکر نہ کروں آپؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ عید کے موقعہ پر ہمارے گھر کچھ بھی نہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی تیاری میں بھی تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ستو اونٹ معہ سامانِ خورد نوش کے حاضر کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ستو اور لاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) اب اگر کوئی نفلی ثواب کا کام نہ بھی کریں تو کافی ہے آپ کے وقت میں دنیوی مال کی اس قدر کثرت ہوئی کہ لوگ اسباب عیش جمع کرنے لگے۔ تاہم آپ نے انسدادی تدابیر اختیار فرمائیں کہ لوگ خدا سے غافل نہ ہوں مساجد میں خوشبو جلانے کا اور جمعہ میں اذانِ اوا ... یا۔ نمازِ عید کا خطبہ آپ نے رائج کیا۔ مسجدِ مدینہ طیبہ کو وسیع فرمایا۔ منقش بنوا آئے۔ آپ کے زمانہ میں بہت سی فتوحات ہوئیں اور مسلمانوں ...ں تک کہ ایک ایک شخص نے چار چار ہزار اوقیہ سونا حاصل کیا۔ ...ا تھوڑا تھا۔ نمازی زیادہ ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

صلائے عام دی کہ کوئی صاحب مالی مدد کرے۔ تو احاطہ وسیع کر دیا جائے۔ حضور کی اس خواہش پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دامن سے ان یہودیوں کو رقمیں دیکر احاطہ جات حاصل کئے۔ جن کے مکان مسجد کے قرب وجوار میں تھے۔ ظاہر ہے کہ اس زرّیں موقعہ پر یہودیوں نے تانبے کا سونا بنایا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غنا نے مسلمانوں کی یہ بڑی مشکل حل کر دی۔ اور مسجد کے ارد گرد کی تمام جگہ بھاری رقم سے خرید کر مسجد کو وسیع کر لیا گیا اس کے بعد ایک اور موقعہ پر پانی کی تکلیف سے مسلمانوں کا ل غیر تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غنا پھر مسلمانوں کی اس تکلیف کو دور کرنے کے کام آیا کہ آپ نے یہودیوں کی ملکیت ایک شیریں پانی کا کوآں تھا بہ صرفِ زرِ کثیر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ یہ کوآں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ کے قریب ہی تھا۔ افسوس! کہ باغیوں نے اس کوآں پر پہرہ لگا کہ وقتِ شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس کے پانی سے محروم کر دیا اور آپ پیاسے ہی شہید کئے گئے۔

بنو امیہ کی ذہنیت عامہ

چھ سال تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بہ خیر و خوبی امن و امان سے گزری اس عرصہ میں گو چند واقعات ایسے ہوئے کہ اگر حرف گیری بھی کی گئی تو عامۃ المسلمین کے مفاد کو ٹھیس لگنے والے واقعات نہ ہوتے تھے۔ ان سے درگذر ہوتی رہی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرمئی طبع۔ ملائمت اور ملاطفت نے معاملات سلجھا دیئے اور بیت المال میں آپ کی دولت شامل ہونے سے کسی کو آپ کی اقربا پروری پر بھی اعتراض نہ ہُوا۔ مگر آپ کے اقربا جو زیادہ تر بنو امیہ سے تھے اب آپ کے معاملاتِ خلافت میں دخل اندازی کرنے لگے۔ جس کی وجہ سے اب معاملات بگڑنے شروع ہو گئے۔ عبد مناف کی اولاد ہونے سے بنو امیہ اپنے آپ کو بنو ہاشم سے کم نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ امیہ ان کے جدِ امجد کو کعبہ شریف کی تولیت سے علٰحدہ کر کے ہاشم کو یہ خدمت سپرد کرنے میں حقیقتاً ان کی حق تلفی ہوئی ہے۔ عبد مناف دونوں کے جدِّ اعلیٰ تھے۔ گو پہلے اُمیہ ہی متولّیِ کعبہ تھا مگر بدچلن اور بدکردار ہونے سے علٰحدہ کر دیا گیا تھا۔ اور ہاشم اب حاجیوں کی خدمت کرنے لگا اور کعبہ شریف کی آمدن و اخراجات اسی کے قبضہ میں تھے جو اب وراثتاً بنو ہاشم میں منتقل ہوتے چلے آتے تھے۔ بڑی وجہ یہ خاش ہی تھی اور فطرتاً بنو امیہ کا یہ جذبہ صحیح تھا۔ یہ جذباتِ

تقابل و تفاخر اور کشمکش وراثتاً منتقل ہوتی آ رہی تھی ۔ اور مکمل عداوت کی صورت اختیار کر لی۔
اس جلتی پر تیل یہ گرا کہ حضور نبی کریم پیغمبری پر فائز ہوئے جو بنو ہاشم سے تھے ۔ اسی لئے یہ
پیغمبری سب سے زیادہ شاق بنو امیہ پہ گزری اور عرب بھر میں زیادہ سے زیادہ مخالفت
ابو سفیان نے کی جو اپنے آپ کو سردارانِ قریش کا سرغنہ سمجھتا تھا اور مذہب کی آڑ لے کر
اس نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے اور اکثر جاہل اور سریع الحس بنو ہاشم کو اپنے ساتھ
ملا لیا ۔ اور سارا ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ کسی طرح یہ مشعلِ ہدایت گم کر دی جائے اور بنو
ہاشم کی جو توقیر اس ذریعہ سے ہونے والی ہے اس کو مٹا دیا جاوے ۔ مگر اللہ تعالیٰ کا منشاء
اس کو معلوم نہ تھا کہ ۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِھِمْ
وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

خدائے عز و جل نے اپنے نورانی مقصد کو پیغمبر اسلام کے ذریعہ پورا کرنا تھا اور کیا
اور فتحِ اسلام کے تواتر نے ابو سفیان سردارِ بنو امیہ اور رئیسِ مکہ کی بے چارگی کو انتہا تک
پہنچا دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پناہ میں ان ہی کے مشورہ سے معافی کا طلبگار
ہوا فتح مکہ کے دن جان کے لالے پڑ گئے اور اب مسلمان ہونے میں ہی عافیت اور
بہتری نظر آئی ۔ اس کو خوب معلوم تھا کہ ہادیٔ اسلام کی مخالفت میں اسلام کے لئے
جو کچھ کر چکا تھا ۔ اب اس کی تباہی اور بربادی کے لئے کافی تھا ۔ ۔ حضور کے سامنے
پیش ہوا مگر بات نہ کر سکا ۔

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

مگر اس کو اب تک معلوم نہ تھا کہ بحرِ کرم اس کو کن لہروں کی آغوش میں لے لیگا۔ اور
وہ تو ایک طرف اس کے متعلقین بھی اس بحرِ جود و سخا کی گہرائیوں سے عافیت کے موتی
چنیں گے اور دین و دنیا کی نعمتوں سے جھولیاں بھر لیں گے ۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ ابو سفیان
جاؤ اور ہماری طرف سے کہیں اعلان کر دو ۔ مَنْ کَفَّ یَدَہٗ وَ اَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ
اٰمِنٌ مَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَھُوَ اٰمِنٌ ط مَنْ اَلْقٰی سِلَاحَہٗ فَھُوَ
اٰمِنٌ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ مَنْ دَخَلَ دَارَ حَکِیْمِ ابْنِ حَزَمٍ
فَھُوَ اٰمِنٌ ط مَنْ دَخَلَ تَحْتَ لِوَاءِ اَبِیْ رُوَیْحَۃَ فَھُوَ اٰمِنٌ ط

ترجمہ: جو شخص مقابلہ سے ہاتھ روکے اور اپنا گھر بند کر لے امن میں ہے۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے یا ہتھیار ڈال دے امن میں ہے۔ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے یا حکیم ابن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے یا ابو رویحہ کے جھنڈے کے نیچے آ جائے وہ امن میں ہے ۔

وہ زورِ تیغ سے کب قیدی زنجیر کرتا ہے ۔ دلوں کو چپکے چپکے خلق سے تسخیر کرتا ہے ۔

عام اہل مکہ کو معافی دے دی گئی البتہ آٹھ مرد اور چار عورتیں اس معافی سے مستثنیٰ رکھے گئے۔ ان کے بارہ میں حکم تھا کہ جس جگہ مل جائیں قتل کر دیئے جائیں مگر ان میں سے سوائے چند کے بالآخر سب کو معافی مل گئی اور وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

ان میں قابل ذکر ابو جہل کے بیٹے عکرمہ۔ صفوان بن اُمیہ۔ وحشی بن حرب (قاتل امیر حمزہ) عبداللہ بن زبعری (حضور رسول کریمؐ کے ہجو گو) ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان تھے جنہوں نے خود یا کسی ذریعہ سے معافی مانگی۔ اور مسلمان ہو گئے اور اسلام پر قائم رہے اور عبداللہ بن سعد بن سرح بھی تھا جو کسی طرح قابل معافی نہ تھا کہ یہ مسلمان ہو کر حضور کی خدمت میں رہنے لگا۔ اور آپؐ نے کتابتِ وحی کی خدمت سپرد کر دی خباثتِ نفس سے الفاظ میں تغیر و تبدل کرنے لگ گیا پھر مرتد ہو گیا اور کفار مکہ سے کہنے لگا کہ تمہارا دین بہتر ہے۔ اس کے متعلق بوجہ ارتداد قتل کا حکم تھا۔ حضرت عثمانؓ کا کسی واسطہ سے بھانجا تھا۔ آپ کو لے کر حاضر ہوئے اور امن طلب کیا۔ آپ نے امن عطا فرمایا۔ منافقانہ طور پر مسلمان ہو گیا۔ اور روپوش ہونے والوں میں مروان بن الحکم زیادہ قابل ذکر ہے یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بہت قریبی رشتہ دار تھا۔ اور مرتد تھا اس کے قتل کا حکم تھا مگر یہ ایسا چھپا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہی نمودار ہوا اور آپ نے اس کو اس قدر مراعات دے دیں کہ سب انگشت نمائی کرنے لگے۔ جب باغباں نرم طبیعت ہو تو خار دار جھاڑیاں سر نکال لیتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساڑھے دس سالہ دورِ خلافت میں جو شیاطین سر اٹھانے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ اور جنہیں دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یکدم نرمی نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ بالخصوص بنو امیہ نے اسے اپنا ذاتی دورِ حکومت سمجھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ برس کے بعد اپنے اعزا و اقربا کو ملکوں کا حاکم بنانا شروع کر دیا اور اس کی وجہ

یہ بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریش کے ساتھ بامصلحت صلہ رحم نہیں کیا۔ لیکن اب ضرورت ہے سب سے پہلی توجہ شورش یہی تھی۔

لے نرمئی طبع تو برمن بلا شدی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس دینی سیاست کو بروئے کار لا کر مشورہ دیا تھا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو جائیں تو بنو امیہ کی رواداری کا لحاظ رکھیں اور اگر عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوں تو بالخصوص بنو ہاشم کو مراعات دیں اس کا یہی نیک مقصد تھا۔ کہ اس طرح ایک دوسرے کا مخالف ہونے کی بجائے موافق ہو کر رہے گا۔ اور دونوں کی قوت مل کر عام لوگوں کو ربط و ضبط میں منسلک رکھے گی۔ مگر مسلمانوں کی بدبختی! کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرمئی طبع سے کام الٹ ہوا اور بنو امیہ بذاتِ خود ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر حاوی ہوتے گئے اور بنو ہاشم کو نئی اسامی ملنی تو در کنار پہلی ملازمتوں سے بھی برطرف کر دیا گیا اور بنی امیہ کے نااہل سے نااہل دین کے دشمن مرتدین کو ان اسامیوں پر تعینات کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا میں بے چینی اور بدامنی کی لہر دوڑ گئی۔

عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کی اہانت اور بے توقیری اور ایسے معاملات نے عوام کو پہلے ہی برانگیختہ کر رکھا تھا کہ اب عاملِ مصر عبداللہ بن سعد بن سرح کی شکایات پے در پے آپ کے حضور میں پہنچیں۔ جس پر آپ نے تہدیدی حکم بھیجا لیکن وہ سر چڑھا ہوا تھا اس نے کوئی پرواہ نہ کی بلکہ جن لوگوں نے شکایات کی تھیں ان میں سے بعض کو قتل کر ڈالا۔ اور بعض کو قید کر دیا۔ چنانچہ سات سو مصری لوگوں کا وفد آپ کے حضور دوبارہ آیا اور ان حالات کو بیان کیا۔

حضرت طلحہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ سے آزادانہ گفتگو کر کے اس کی جگہ کسی اور کو عاملِ مصر مقرر کئے جانے پر اصرار کیا۔ جس پر اہلِ مصر کی رائے کے مطابق ہی محمد بن ابوبکرؓ کو منتخب کر کے عبداللہ کی معزولی اور محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تقرر کا پروانہ جاری کر کے محمد بن ابوبکرؓ کو چند مہاجرین و انصار کے ساتھ مصر کو روانہ کیا یہ قافلہ ابھی تیسری منزل پر پہنچا تھا کہ ان کو ایک حبشی غلام نظر آیا جو نہایت سرعت سے اونٹنی بھگاتے جا رہا تھا۔ مشکوک طور پر اسے پکڑا گیا۔ اس کی باتوں سے کچھ تسلی نہ ہو سکی تلاشی لی گئی۔ اس کے مشکیزے کو چیرا تو ایک خط برآمد ہوا۔ خط کا مضمون یہ تھا:۔

بنام عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ جب محمد بن ابوبکرؓ اور اس کے ساتھی تمہارے پاس

آئیں تو بے دریغ فوراً قتل کر دو۔ اور اپنی حکومت پر قائم رہو۔ جو اشخاص تمہارے شاکی ہیں۔ انہیں بھی قتل کر دو" دستخط حضرت عثمان مُہر۔

اس انوکھے حکم نامہ کو دیکھ کر آگے کیا جانا تھا۔ حبشی غلام ناقہ سمیت سارا قافلہ مدینہ طیبہ لوٹ آیا اور حضرات طلحہؓ علیؓ سعدؓ و دیگر صحابہؓ کے سامنے ساری روئداد کہہ سنائی۔ کچھ واقعات پہلے اس قسم کے ہو چکے تھے اب یہ تازہ واقعہ گویا تیل کو آگ دکھانے کے مصداق ہو گیا۔ اور غیظ و غضب نے یہاں تک ترقی کی کہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دولت سرا کا محاصرہ کر لیا۔

مذکورہ اصحابؓ نے یہ حالت دیکھی تو آکر سمجھا بجھا کر مجمع کو منتشر کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا یہ حبشی غلام آپ کا ہے۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ اونٹنی کے بارے میں بھی جواب مثبت تھا۔ مگر جب خط دکھایا گیا تو جواب منفی تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ نہ یہ خط میرا ہے نہ میں نے لکھا ہے اور نہ مجھے لکھنے والے کا ہی علم ہے۔ جب یہ پوچھا گیا کہ خط پر مُہر کس کی ہے تو جواب دیا کہ مُہر میری ہے۔

سب حیران رہ گئے کہ جب غلام اونٹنی اور مُہر سب کچھ آپ کا ہی ہے تو خط جس پر مُہر ہے وہ کیونکر آپ کی نہ ہو اور آپ اس معاملہ سے قطعاً بے خبر کیسے ہوں؟ مگر حضور نے قسم کھا کر ان کو یقین دلا دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ مُہر عرصہ سے گم تھی اور خدا معلوم اس مُہر سے کتنے رازدارانہ اُمور سلجھائے گئے ہوں مگر اس معاملہ کے اس طرح واشگاف ہونے سے لوگوں کو سمجھ آگئی کہ حضرت عثمان بالکل سچے ہیں اور وہ مُہر مروان کے پاس ہے۔ یہ خط اسی کا لکھا ہوا تھا۔ مُہر اسی نے لگائی تھی اور سارا کام اسی کا تھا۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نوازشات اس پر بدرجہ غایت تھیں۔ وہ آپ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ مگر ہر طرح سے بے ایمان مفتری اور مفسد تھا۔ لوگوں نے تقاضا کیا کہ مروان کو اب ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کی شرارتوں کی انتہا ہو چکی ہے مگر آپ نے ایسا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کی پناہ میں تھا اور آپ کی شرافت اور خلق کا تقاضا تھا۔ کہ آپ اپنی جان پر کھیل کر بھی اس کی حفاظت کرتے

وفاداری بہ شرطِ استواری اصل ایماں ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سخت گیر نہ تھے۔ انتہائی درجہ نرم مزاج تھے۔ مفسدوں کی ذرا بھی گوشمالی نہ کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو چند بچتہ طبع لوگوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی باتوں پر یقین کر لیا تھا۔ مگر وہ لوگ جن کو کسی نہ کسی طرح اپنی حق تلفی ہوتی نظر آئی انہوں نے جمع ہو کر قصرِ خلافت کو گھیر لیا۔

پانی اندر نہ پہنچ سکا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیوار پر سے جھانک کر مجمع سے دریافت کیا۔ کیا حضرت علیؓ بھی موجود ہیں؟ جواب ملا کہ نہیں ------------

------ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کوئی ہماری پیاس کی خبر ان تک پہنچا دے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین دفعہ مشکیں بھر کر بھیجیں مگر ان مشکوں کا پانی بآسانی نہ پہنچ سکا اور کافی کشت و خون ہوا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان معاملات کی خبر پہنچی تو آپ نے حضرت حسن و حسین علیہما الصلوٰۃ والسلام اپنے صاحبزادوں کو حکم دیا کہ تلواریں لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر کھڑے ہو جائیں۔ اور کسی کو اندر نہ جانے دیں۔ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے صاحبزادوں کو یہی حکم دیا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین رُک گئے۔

محمد بن ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غصہ ابھی نیا نیا تھا۔ اس نے جب معاملہ کو بے ڈھب سا ہوتے دیکھا تو تیر اندازی شروع کر دی۔ حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ السلام زخمی ہو گئے اور قنبرؓ بھی مجروح ہو گیا۔

محمد بن ابو بکرؓ نے پریشان ہو کر کہ اگر دونو ہاشمی افراد کو زخمی دیکھ کر ہاشمی بگڑ گئے تو ہمارا منشا پورا نہ ہو گا۔ یہ مناسب جانا کہ دو آدمی خفیہ طور پر اندر جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں اور بلا کھٹکے یہ قصّہ ختم کر دیں۔ اسی منصوبے کے مطابق دو اور آدمی اندر چلے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مع بی بی نائلہ کے تشریف رکھتے تھے۔ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ محمد بن ابو بکرؓ نے آپ کی ریشِ مبارک پکڑی اور بے ادبی کرنی چاہی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تیرے باپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ حال دیکھتے تو کیا کہتے! آخر صحابی اور بزرگ باپ کا بیٹا تھا۔ یہ الفاظ سن کر شرم آئی اور خجالت سے باہر چلا گیا۔ مگر جو آدمی باہر کھڑے تھے وہ یہ دیکھ کر غصے سے لال ہو گئے اور ہٹانے سے نہ ہٹے ان میں سے دو آدمی اندر آئے اور ایک نے کان کے برابر تلوار ماری۔ حضرت بی بی نائلہ

آپ کی زوجہ محترمہ اُٹھیں اور ہاتھ سے تلوار کا وار روکا۔ اسی کوشش میں آپ کے بچاتے بچاتے ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ کہ جار نامی ایک مصری شخص نے بڑھ کر تلوار ماری۔ زخم کاری تھا۔ اور آپ شہید ہو گئے اور اس خون ناحق کے قطرے جو قرآن شریف آپ پڑھ رہے تھے۔ اس پر جا گرے اور آیت شریف۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ کو سُرخ کر دیا۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن خدا رحمت ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کی زوجہ محترمہ نے غل کیا اور دیوار پر چڑھ کر بہ آوازِ بلند کہا کہ لوگو اب تو امیر المومنین شہید ہو گئے۔ جھگڑا ختم کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ لوگ دوڑ پڑے تو آپ واقعی شہید ہو چکے تھے۔

جب یہ خبر حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو وہ مدہوشانہ دوڑے آئے اور یہ واقعہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بہت غصے میں تھے۔ آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے چہرے پر تھپڑ مارا اور امام حسین علیہ السلام کی چھاتی میں مکا مارا اور کہا کہ تمہاری موجودگی میں یہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک کیونکر پہنچے محمد بن طلحہ رضؓ اور عبداللہ ابن زبیر رضؓ کو بھی بہت سخت سست کہا۔

باغیوں کا اس قدر زور تھا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نعش کو انہوں نے چکنا چور کر دیا۔ اور کسی کا حوصلہ نہ پڑا کہ اسی دن دفن وکفن کا انتظام کر سکتا۔ تیسرے دن حضرت علی طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے لاش سنبھالی اور چپ تھے وہ تجہیز و تکفین کی۔ پھر بھی باغیوں نے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنے دیا اور حافظ القرآن جامع القرآن محسنِ اسلام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے قبرستان میں مجبور ہو کر دفنایا گیا۔

تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دن بہار کے
ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اُداس ہیں۔

مسلمانوں کے ہاتھوں سب سے پہلا فتنہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہوا۔ یزید بن ابو حبیب رحؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بلوہ کیا تھا سب پاگل ہو گئے تھے۔ جنگِ جمل کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے تھے کہ اے خدا تو پاک خوب جانتا ہے۔ کہ میں قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بالکل بری ہوں۔ جس دن وہ شہید ہوئے میری عقل زائل ہو گئی تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ

ترجمہ:۔ داخل ہو جنت میں امن و سلامتی کے ساتھ۔ نہ یہاں سے نکالے جاؤ نہ موت آئے نہ کوئی آفت رُونما ہو۔ نہ کوئی خوف نہ پریشانی۔ اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ دنیا میں کینے تھے سب کھینچ لئے اور ان کے نفوس کو حقد و حسد عناد و عداوت وغیرہ مذموم خصلتوں سے پاک کر دیا وہ آپس میں بھائی ہیں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں" حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میں عثمان طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) انہی میں سے ہیں یعنی ہمارے سینوں سے عناد اور عداوت بغض اور کینہ و حسد نکال دیا گیا ہے۔

بیعتِ رضوان کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غیر حاضر تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمانؓ میری طرف سے بطور سفیر مکہ معظمہ میں گئے ہوئے ہیں۔ یہ خدا اور خدا کے رسول کا کام ہے۔ لہذا میرا ہاتھ ان کا ہی ہاتھ ہے اور اپنا دستِ مبارک آپ کے ہاتھ کی بجائے مقرر فرما کر بیعت لی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنا وہ ہاتھ پھر ساری عمر شرم کرتے ہوئے اپنے آزار بند پر بھی نہیں رکھا۔

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدا سے دل بستگی کے ثبوت میں قرآن کریم کی یہی آیت کافی شاہد ہے جس پر ان کے خون کے آخری قطرے گرے کہ خدا ہی کفایت کرے گا وہی بہتر جاننے والا اور سننے والا ہے"۔ ان کی پاکیزگئ نفس اور عالی مرتبی کو رسولِ کریم کے ارشادات کافی طور پر بیان کر رہے ہیں اور ان کی آدمیت و شرافت کے واضح کرنے کے لئے ان کے ہم عصر جلیل القدر صحابہ کے اقوال کافی ہیں مگر ان کا حلم اور سادہ لوحی جو ان کی زندگی کے واقعات سے آئینہ کی طرح روشن ہے۔ خود ان کی اپنی شہادت کا باعث ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے آئندہ زمانہ میں زیادہ وبالِ جان بن گئی۔ لیکن بنو امیہ کے بہت کام آئی بنو امیہ نے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی چشم پوشی کا فائدہ زندگی میں اٹھایا تو ان کی زندگی کے بعد ان کی شہادت کو اپنے مفاد کی آڑ بنا لیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو سب سے بڑی فکر ان کے قائم مقام خلیفہ مقرر کرنے کی تھی۔ تاکہ امورِ سلطنت باقاعدہ طور پر سرانجام پاتے رہیں۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مجوزہ افرادِ خلافت میں آخر الامر صرف دو حضرات باقی رہ گئے تھے اور تقابل ان کا ہی تھا تو جب ایک اپنا وقت پورا کر گیا تو لازماً اب دوسرے کو اس کا جانشین ہو جانا چاہیئے تھا۔ اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سب کا خیال تھا

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ مقرر کئے جائیں۔ تاکہ کسی نئے انتخاب کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔
اور حقیقت ہے کہ آپ سے زیادہ بلند و برتر شخصیت کا حامل بھی اب اور کوئی نظر نہ آتا تھا۔ اب
ہم حضرت علی کرم اللہ وجہ کی زندگی کے کچھ حالات بیان کرکے نفسِ مضمون کو پھر چھیڑیں گے۔

مختصر حالات زندگی حضرت علی کرم اللہ وجہ

تعمیرِ کعبہ میں مختلف خاندانوں
کے افراد حصہ بہ حصہ مصروف تھے۔ آخر میں چھت کا سامان تھُڑ گیا اور چار دیواری کا کچھ حصہ غیر مسقف
رہ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ فاطمہ بنت اسد طوافِ کعبہ میں مصروف تھیں کہ شدت
سے دردِ زہ اٹھا۔ چند چکر طواف کے لگائے تھے۔ کہ اس درد نے اس جگہ آکر اس قدر مجبور ہو
گئیں جہاں کی چار دیواری چھت سے خالی تھی۔ کہ دو قدم چلنا بھی دوبھر ہوگیا۔ اسی اضطراب میں تھیں
کہ دیوارِ کعبہ شق ہوگئی اور ندائے غیب سنائی دی کہ فاطمہ کعبہ کے اندر ہو جاؤ۔ حضرت فاطمہ اندر
تشریف لے گئیں اور دیوارِ کعبہ بحال ہوگئی۔ بچہ پیدا ہوا۔ وہی آواز پھر کانوں میں آئی کہ مولود کا
نام علی ؓ رکھنا ؎

زمین خاکِ درِ میخانۂ ما　　　فلک یک گردشِ پیمانۂ ما

ترجمہ:۔ زمین جو اس قدر بڑی ہے میرے میخانہ کی مٹی سے بنی ہے اور آسمان میرے پیالہ کی
ایک گردش اور چکر کے برابر ہے۔

حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است　　　جہاں دیباچہ افسانۂ ما

ترجمہ:۔ میرے سوز و ساز اور عشقِ الٰہی کی کہانی لمبی ہے مختصر یہ کہ جہان میرے مضمون کا
محض دیباچہ ہے بچہ کو لے کر فاطمہ بنت اسد گھر آئیں۔ مگر حیران تھیں کہ بچہ نہ آنکھیں کھولتا ہے
نہ دودھ پیتا ہے۔ نہ گود میں سکون سے لیٹتا ہے اور نہ کسی کے پاس ہی جاتا ہے۔ بلکہ شور اور
شوخی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر سے تشریف لے آتے ہیں ان کی
آواز سن کر بچہ لپک کر ان کی گود میں چلا جاتا ہے۔ اور اس کا اضطراب اور تمام بے چینی یکسر
کافور ہوگئی۔ آنکھیں کھول دیں۔ اور مکمل سکون سے چہرۂ پر نور کی طرف دیکھنے لگ گیا۔ گویا زبانِ
حال سے کہہ رہا ہے ؎

تو خورشیدی و من سیارۂ تو　　　سراپا نورم از نظارۂ تو

ترجمہ:۔ تو سورج ہے تو میں اس سے نور جذب کرنے والا چاند اور سیارہ ہوں اور آپ کے

نظارہ کے پرتو سے سراسر نور بن گیا ہوں۔

نا آغوشِ تو دُورم ناتمامم — تو قرآنی و من سیپارۂ تو

ترجمہ:۔ جب تک آپ سے دُور ہوں نامکمل ہوں۔ کیونکہ کُل کا جزو ہوں۔ اگر آپ قرآن ہیں تو میں اس میں سیپارہ کی مانند ہوں۔

حضورِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زبانِ مبارک بچہ کے منہ میں دے دی۔ وہ چوسنے لگ گیا۔ جب تک سرورِ کائنات فخرِ موجودات کو نہ دیکھ لیا۔ دنیا پر نگاہ نہ ڈالی اور جب تک آپ کا دہن مبارک نہ چوس لیا۔ کسی چیز کو نہ چکھا۔

مسلمان را ہمیں عرفان و ادراک — کہ در خود فاش بیند رمزِ لولاکؐ۔

ترجمہ:۔ مسلمان کا عرفان اور ادراک یہی ہے کہ رمز کو اپنے اندر کھلا دیکھے

خدا اندر قیاسِ ما نہ گنجد — شناس آں را کہ گوید ما عرفناک

ترجمہ:۔ میرے ناقص خیال و قیاس سے خدا بالاتر ہے۔ اس کو پہچان کہ جس نے ہر ترقی کے قدم پر بھی یہی کہا کہ جس قدر پہچاننے کا حق ہے اس قدر ابھی تک اسے خدا میں نے تجھ کو نہیں پہچانا سرورِ کائنات میں فنا ہو کر یہیں سے خدا ملتا ہے۔

۱۲ علی ابن ابی طالب ابن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف جناب رسولِ کریم کے چچا کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ بنت اسد بنو ہاشم سے تھیں اس لئے آپ ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی ہیں آپ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ وسلم جس دن مبعوث ہوتے اس کے دوسرے دن میں ایمان لایا اس وقت آپ کی عمر آٹھ یا نو برس کی تھی حضرت حسن بن زید بن امام حسن علیہ اسلام فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ نے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی۔ اور نوعمر بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی مسلمان ہوئے بلکہ ایمان لانے والے پہلے چار شخص ہیں ان میں آپ کا تیسرا درجہ ہے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت علیؓ اور رسولِ پاک کا غلام زید۔ علم کا شوق ابتدا سے ہی بے انتہا تھا۔ اور بے بدل عالم تھے۔ گرامر حساب دانی اور علم اعراب میں آپ کمال ماہر تھے۔ ساتھ ہی بےنظیر شجاع۔ بے بدل زاہد و عابد اور مشہور مقرر و خطیب تھے آپ نے قرآنِ کریم کو ان قواعد و ضوابط گرامر سے جمع فرمایا کہ غیر عرب عجمیوں کو اس کا پڑھنا اور سمجھنا آسان ہو گیا۔ اور شجاعت کا یہ حال تھا کہ تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ صرف جنگِ تبوک میں خود رسولِ کریمؐ نے آپ کو مدینہ میں روک دیا تھا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو غزوۂ تبوک میں اپنا نائب بنا کر مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کہ کیا تو اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے نائب ہارون علیہ السلام کی طرح اپنا نائب بنا کر چھوڑے جاتا ہوں مگر ہارون نبی تھے میرے بعد نبی نہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ وسلم نے یہ اس لئے فرمایا تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس جنگ میں جانے کے لئے بے تاب تھے اور فرماتے تھے کہ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں پر بادشاہی کرنے کے لئے چھوڑے جاتے ہیں ؎

مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوہ　　　مصلحت در دینِ عیسےٰ غار و کوہ

ترجمہ:۔ اسلام میں جہاد میں ہی مصلحت ہے اور عیسائی مذہب رہبانیت کو ترجیح دیتا ہے

بندہ باش و بر زمین رَو چوں سمند　　　چوں جنازہ نے کہ بر گردن بُرند

ترجمہ:۔ انسانیت کا جوہر اسی میں ہے کہ مشکی گھوڑے کی طرح تیز رفتار چل۔ نہ کہ جنازہ اور میّت کی طرح کہ لوگوں کا مرہونِ منت ہو کہ کندھوں پہ اٹھا کر لے جائیں۔

جو بہادر ہو وہ کبھی منافق نہیں ہوتا اور جو منافق ہو وہ کبھی بہادر نہیں ہوتا۔ چونکہ ہمارا مضمون اوّل سے آخر تک صحیح ایمان اور صحیح عمل کے متعلق ہے اس لئے ہر شخصیت کو بالمقابل اُجاگر کرنا مقصود ہے اور دکھانا ہے کہ ؎

فطرتِ ہستی شہید آرزو رہتی نہ ہو۔　　　خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بالمقابل امیر معاویہ خلافت کے دعویدار بنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔ تمام خرابیوں کی اصل یہی تھی۔ دیکھنا اور دکھانا یہ ہے کہ حق پر کون تھا۔ ہم حقائق و واقعات بیان کر کے فیصلہ قارئین باندنظر پر چھوڑیں گے۔ کہ کیا امیر معاویہ نے ان امور کو پرکھنے میں کسی وقت حق پرستی سے کام لیا یا یہ کوشش کی کہ دھاندلی سے اُمور کو اصلیت کی سطح پر ہی نہ آنے دیا جائے اور دل کا مقصد حاصل کر لیا جاوے ؎

تیری شامِ غم پہ صدقہ ہو میری صبح نشاط　　　جس کے ماتم میں تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

آیئے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ کی ذات نے اس بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے ہماری یہ تحریر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ ستودہ صفات پہ کیا محیط ہو سکتی ہے جب کہ

جیسی بڑی ضخیم کتابیں بھی کما حقہ اس بیان عالیشان پر احاطہ نہیں کر سکیں البتہ چند کرنیں اور شعاعیں اس آفتاب عالمتاب کی کہ جن سے ظلمت کدۂ دل منور ہے۔ ان سطور کے پڑھنے والوں کو تاریخی حقائق پر روشنی ڈال کر اصلیت سے آگاہ کر سکیں تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت راس آئی۔ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کہ میں تمام ظاہری و باطنی علوم کا شہر ہوں اور اس شہر میں داخل ہونے کا ذریعہ علیؓ ہیں جو دروازے کی مثل ہیں۔ جب تک دروازہ تک کوئی نہ آئے شہر میں کیا داخل ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ جس کے علی کرم اللہ وجہہ آقا ہیں۔ میں بھی اس کا آقا اور دوست ہوں۔

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو طلب فرما کر دعا فرمائی کہ الٰہی یہ میرے کنبہ کے افراد ہیں۔ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَھِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ نصاریٰ نجران جو مباہلہ کی غرض سے آئے تھے: اہل کتاب تھے۔ علم کے درجے میں سب کچھ جانتے تھے۔ آپؐ کو اور اس مقدس اور پاک جماعت کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ اگر ہم نے مباہلہ کیا تو نہ صرف ہمارا بلکہ دنیا کے تمام نصرانیوں کا استیصال ہو جائے گا آپؐ کی بددعا ایسی نہیں کہ پھر دنیا میں کوئی نصرانی رہ جاوے آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ چہرے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دینے کی قسم کھا بیٹھیں تو وہ ضرور پورا کرے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منافق وہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو برا کہتا ہے۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ابن الدیعہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں پچھتّے علم کامل تھی۔ اور ان کو تمام عشرہ عشرہ صحابہ اور دیگر فدایان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بوجہ

قدامت اسلام و شرفِ دامادی و علم فقہ و سنت و سخاوت فضیلت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تین فضیلتیں ایسی حاصل ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہو جاتی تو ساری دنیا ہیچ تھی :۔

(۱) حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے نکاح اور حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ دامادی۔

(۲) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مسجد میں رکھا اور سب کے لئے مسجد کا قیام بہ حالتِ جُنب ناجائز ٹھہرایا۔ (اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری باطنی رجس کو دُور فرما کر مکمل طور پر پاک فرما دیا تھا۔ جو چیز ہماری ناپاک ہے ان پاک حضرات کی اس کے مثل ناپاک نہیں)

(۳) جنگِ خیبر میں عَلَم عنایت فرما کر فتح کی خوش خبری دی

بالعموم ہر جنگ میں عَلَم جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سپرد کیا کرتے تھے لشکرِ اسلام کا عَلَم بردار بڑا درجہ رکھتا ہے۔ آپ کی شجاعت کے واقعات بہت زیادہ ہیں۔ مگر جنگِ خیبر میں آپ کی آنکھیں دکھتی تھیں اور آپ پہلے دنوں میں شامل نہ ہو سکے۔ اور مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہوا۔ مایوسی کے آثار نظر آئے تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھوں پہ اپنا لعاب دہن لگا کر دُعا دی اور جھنڈا آپ کے سپرد کیا۔ اسی دن قلعہ فتح ہوا اسی لئے اس واقعہ کی نسبت زیادہ دی جاتی ہے اور آپ کو خیبر شکن کہا جاتا ہے وگرنہ لڑائیاں تو آپ نے بہت لڑی ہیں۔

حضرت سعد بن وقاصؓ فرماتے ہیں کہ ارشادِ نبوی ہے کہ جس کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تکلیف دی۔ گویا اس نے مجھ تکلیف دی۔

ارشادِ نبویؐ ہے کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔ کہ جس کا میں دوست ہوں۔ علیؓ بھی اس کا دوست ہے اور اسے خدا جو علی کرم اللہ وجہہ سے محبت کرے اس سے محبت کر اور جو علی کرم اللہ وجہہ سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ کہ علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں اور وہ سب مومنوں کا دوست ہے

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ۔ تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری
پھر فرمایا ۔ یَا عَلِیُّ جِسْمُکَ جِسْمِی وَرُوحُکَ رُوحِی لَحْمُکَ لَحْمِی دَمُکَ دَمِی
کہ اے علیؑ تیرا جسم میرا ہی جسم ہے تیری روح میری ہی روح ہے تیرا گوشت میرا ہی گوشت ہے اور تیرا خون میرا ہی خون ہے ۔ سبحان اللہ ایک موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا مرتبہ میرے مرتبہ کے لگ بھگ ہے ۔ رِجَالٌ فِی اُمَّتِی مَنْزِلَتُھُمْ کَمَنْزِلَتِی ۔ آیئے اس حدیث کو اور احادیث کی روشنی میں دیکھیں کہ یہ کون لوگ ہیں :

حضرت متعال ایزدی سبحانہ قرآن کریم میں یوں ارشاد فرماتے ہیں ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کہ اے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی پلیدی کو دور کر دے اور تم کو اس طرح پاک کر دے کہ پاکیزگی میں شک کا شمہ بھی نہ رہے ۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضور بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما تھے ۔ عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین علیہما الصلوٰۃ والسلام کو بلا بھیجا ۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تشریف لے آئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ کو لے لیا ۔ اور حسن اور حسین علیہما الصلوٰۃ والسلام کو دونوں بغلوں میں میں تھاما اور سب کے اوپر ایک سفید چادر تان کر فرمایا کہ خداوندا ! یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس دور کر اور ان کو طاہر و مطہر کر دے ۔

طبرانی سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر رسولؐ خدا نے فرمایا ۔ اَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَھُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَھُمْ وَعَدُوٌّ لِمَنْ عَادَاھُمْ
ترجمہ : ۔ میں لڑنے والا ہوں اس سے جو ان سے لڑے اور صلح کرنے والا ہوں اس سے جو ان سے صلح کرے اور دشمن ہوں اس کا جو ان سے دشمنی کرے ۔

جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ۔ مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِی فِیْکُمْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَ نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ یعنی میرے اہل بیت تم میں کشتی نوح کی مثل ہیں کہ جس نے رغبت و ملاطفت کی اور ان کے موافق رہا اس

نجات پائی اور جو مخالف ہوا وہ ہلاک ہوا۔

علمائے ربانی نے اہل بیت کو تین طرح پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اہل بیت نسب:۔ عبدالمطلب کی وہ اولاد جو ایمان لائی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عم رسول جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عباس کی اولاد قثم۔ فضل۔ عبداللہ۔ عبیداللہ رضی اللہ عنہما۔ اور معبد اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما۔ حضور نے ان سب کے حق میں دُعا فرمائی ہے۔ ان میں سفیان بن حارث بن عبدالمطلب بھی شامل ہے۔ اُم یمن حلیمہ سعدیہ حضورؐ کی دائی صاحبہ جنہوں نے اپنا دُودھ حضورؐ کو پلایا ہے۔ ان کی عزت افزائی بھی اسی ضمن میں حضورؐ نے فرمائی ہے۔ اپنی چادر ان کے لئے بچھا دیتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے۔

۲۔ دوم اہل بیت مسکنی۔ جس میں حضور کی ازدواج مطہرات شامل ہیں۔ جو اُمہات الامت ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

۳ سوم اہل بیت ولادت جو سب سے زیادہ افضل ہیں۔ حضور کی آل اطہار مبارک علیہ السلام۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ۔ حضرات حسنین علیہما السلام و حضرت علیؑ سب اہل بیت اطہار پر صدقہ حرام ہے۔ آلِ علی کرم اللہ وجہہ۔ آل عباس رضی اللہ عنہ آل عقیل رضی اللہ عنہ۔ آل جعفر رضی اللہ عنہ سب ان میں شامل ہیں۔ [1]

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کے لوگوں سے کہہ دے کہ میں تم سے اپنی تبلیغ رُشد و ہدایت کا اجر اور معاوضہ تم سے طلب نہیں کرتا مگر اس کے بدلے میں ایک چیز کہ تم میرے قرابتداروں سے محبت کرو۔ اور ان سے دوستی رکھو" تو صحابہ کرام نے پوچھا کہ۔ مَنْ قَرَابَتُکَ کہ وہ آپ کے قرابتدار کون ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ ھٰؤُلَاءِ عَلِیٌّ وَ فَاطِمَۃُ وَ ابْنَاھُمَا حَسَنٌ وَ حُسَیْنٌ۔ کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ

---

[1] :۔ یہ امر واقعی ہے کہ متقی اور محبِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور محب و متبع اہل بیت بھی اہل بیت میں ہی شامل ہیں جیسے حضرت سلمان فارسی کو حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلبیت میں شمار کیا۔ خدام کو اہل خانہ میں شمار کر کے حقوق دیئے جاتے ہیں گو وقار اہل خانہ جیسا نہ بھی ہو۔

اور فاطمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں بیٹے حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔

یہ روایت ترمذی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ۔ احب النسآء الیٰ رسول اللہ کانت فاطمۃ واحب الرجال علی۔ کہ رسولِ کریم کو اپنی امت میں عورتوں میں عزیز ترین فاطمہ رضی اللہ عنہ اور مردوں میں محبوب ترین علی کرم اللہ وجہ ہیں ؎

باغوں میں خلد نہروں میں کوثر ہے انتخاب ۔ قبلوں میں کعبہ مصحفوں میں آخری کتاب

تاروں میں آفتاب مئیں پھولوں میں گلاب ۔ سب عورتوں میں فاطمہؑ مردوں میں بوتراب

شاہِ زنانِ وقت مسیحؑ کی ماں ہوئیں ۔ زہراؑ ہر ایک عصر کی شاہِ زناں ہوئیں

ایک روز مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک کھجور کے پاس سے گزرے۔ اس کھجور نے بآوازِ بلند کہا۔ ھذا محمد سید الانبیاء وھذا علی سید الاولیاء ابو الائمۃ الطاھرین۔

ترجمہ:۔ یہ قبلہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو سب نبیوں کے سردار ہیں اور یہ حضرت علی کرم اللہ وجہ ہیں جو سب ولیوں کے سردار ہیں اور پاک اماموں کے باپ ہیں۔

رجعتِ آفتاب کا معجزہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں صادر ہوا کہ کسی موقعہ پر حضرت علی کرم اللہ وجہ کے زانو پر سر رکھ کر حضور سوتے ہوئے تھے۔ کہ نمازِ عصر کا وقت گزر جا رہا تھا۔ اور مولائے علی کرم اللہ وجہ تے تا ہنوز نمازِ عصر نہ پڑھی تھی حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب آیا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اس قدر رقتِ قلب ہوئی کہ آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ قطراتِ اشک حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوئے اقدس پر جا گرے۔ جن کے اثر سے حضور سرکارِ دو عالم نیند سے بیدار ہو گئے۔ حیران تھے کہ علی کرم اللہ وجہ کیوں رو رہے ہیں۔ پوچھا تو عرض کی کہ آج تک نماز قضا نہیں ہوئی مگر حضور آرام فرما رہے تھے اور مجھ کو دم مارنے کی مجال نہ تھی کہ نیند میں خلل آنے کا اندیشہ تھا۔ اور اسی وجہ سے سورج نیچے ہوتا چلا گیا اور نماز قضا ہو گئی ؎

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است ۔ نہ با ہر کس محبت سازگار است

ترجمہ:۔ محبت کی دولت ہر کسی کے پاس نہیں ہے نہ یہ دولت ہر کسی کو موافق ہی آتی ہے۔

بروید لالہ با داغِ جگر تاب ۔ دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است

ترجمہ:۔ گُلِ لالہ جب اُگتا ہے تو سینے پر داغِ محبت لاتا ہے حالانکہ لعلِ بدخشاں کے دل میں محبت کی آگ مفقود ہے۔

العلمین سوی النبیین والمرسلین واختار منھم اربعۃ ابابکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ فجعلھم خیر اصحابی واصحابی کلھم خیرٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے اصحابؓ کو تمام عالم سے سوائے مرسلین و انبیاء کے برگزیدہ کیا اور پھر ان سب میں سے چار کو بزرگ تر کیا۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ اور علیؓ کو اور اصحاب میرے سب بہتر ہیں۔ اور بعض احادیث میں ذکرِ علیؓ ذکرِ عثمانؓ سے مقدم آیا ہے۔

خالد ابن سعید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جب حجۃ الوداع سے فارغ ہوکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تو منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یاایھا الناس انی راضٍ عن ابی بکر فاعرفوا لہٗ ذالک یا ایھا الناس انی راضٍ عن عمر وعن علی وعن عثمان وعن طلحۃ وعن زبیر وعن سعد وسعید وعبد الرحمٰن ابن عوف فاعرفوا لھم ذالک یہ حدیث مثل حدیث عشرہ کے ہے۔ جس میں ان سب کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ لیکن اس حدیث میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کا ذکر نہیں کیا گیا۔

حافظ ابوداؤد دمشقی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے فاطمہؓ تیرا نام فاطمہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان اللہ قد فطمھا وذریتھا من النار یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فاطمہ رضی اللہ عنہ کو اور اس کی ذریت کو آتشِ دوزخ سے دور کیا ؎

مریمؑ از یک نسبتِ عیسٰی عزیز ‏ ‏ از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز
نورِ چشمِ رحمتہ للعالمین ‏ ‏ آں امامِ اوّلین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ ھل اتیٰ ‏ ‏ مرتضٰی مشکل کشا شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق ‏ ‏ مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق۔ اقبال

حضرت مریمؑ کی فضیلت صرف یہ ہے کہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی والدہ تھیں مگر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کو تین قسم کی فضیلت حاصل ہے اوّل تو یہ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ چشم ہیں۔ دوم تاجدارِ ہل اتیٰ علی المرتضٰی علیہ السلام کی بیگم ہیں سوم منبعِ عشقِ حقیقی قافلہ سالارِ عشق حضرت امام حسین علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واہل

بیتہ وسلم ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مشکلات

حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جب مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے لئے مجبور کیا تو آپ نے کہا کہ مسجد میں چلو۔ فَاِنَّ بَیْعَتِیْ لَا تَکُوْنُ خُفْیًا وَلَا تَکُوْنُ اِلَّا عَنْ رِضًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۵۔ کیونکہ میری بیعت خفیہ طور پر نہیں ہو سکتی اور نہ مسلمانوں کی عام رضامندی کے بغیر اس کا انعقاد ممکن نہیں ہے۔ اور خلیفہ کا انتخاب اصحاب بدر کی رائے پر ہو تو عوام الناس کے رائے سے افضل ہے کیونکہ خود عوام الناس سے افضل ہیں۔ اور چونکہ از روئے انتخاب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی خلافت کے حق دار تھے اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہ بار خلافت کو اٹھانا نہ چاہتے تھے۔ حالات ملک نازک ہو رہے تھے اور آپ اس کام کو گراں سر سمجھتے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت میں بنو امیہ کے چند لوگوں نے عثمانی خلافت کو اموی خلافت سمجھ کر ایک کھیل بنا رکھا تھا۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی سادگی اور نرمیٔ طبع ان کے کام آ رہی ہے۔

مروان سعید بن العاص۔ ابن عامر۔ ابن سرح اور معاویہ وغیرہ ایسے حضرات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اشاروں پر چلانا چاہتے تھے اور اکثر طور پر کامیاب ہو کے ان کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔

اگر حضرت علی کرم اللہ وجہ وقتاً فوقتاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس بگڑتے ہوئے کھیل کو نہ سنبھالتے تو فتنہ تو کبھی کا پھٹ چکا ہوتا۔ مگر اب یہ مرض لاعلاج تھا اور مروان تو ہر وقت پاس ہی رہتا تھا اور اس قدر سر چڑھ چکا تھا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کھلم کھلا کہہ دیا کہ خلافت آپ کی ہے علی رضؓ کی نہیں نہ طلحہؓ و زبیرؓ کی ہے۔ آپ اس طرح بے رعب ہو جائیں گے اپنا وقار قائم رکھیں۔ چنانچہ ایک مجمع میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کی مرضی کے مطابق یہ کہہ دیا کہ مصر والے اس لئے واپس گئے ہیں کہ انہیں جو بوہمی اطلاعات غلط ثابت ہوئی ہیں تو چاروں طرف سے شور پڑ گیا کہ عثمانؓ خدا سے ڈر اور توبہ کر! فتنہ اب بڑھنے والا ہی تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دست بردار کر دیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے سمجھانے پر حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے معذرت کی اور کہا کہ خدا کی قسم میں تم کو راضی رکھوں گا اور کوئی امر تم سے چھپا کر نہ رکھوں گا اور حق کی خاطر غلاموں کی طرح لوٹنا پڑے تو لوٹوں گا اس سے فضا صاف ہو گئی اور لوگوں کا جوش و خروش رفع ہو گیا۔ مگر بنو امیہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر بہت ناگوار گزری کیونکہ اقتدار جو ان کو حاصل ہو چکا تھا۔ وہ اس اقتدار کی تکمیل چاہتے تھے ان کی ذہنیت ماؤف اور بہت خراب ہو چکی تھی وہ گھر پر آئے اور امیر المومنین کو اس تقریر پر لعنت ملامت کرنے لگے اور ڈانٹ جھپکے۔ حضرت بی بی نائلہ نے انہیں اس پر ڈانٹا بھی مگر یہ لوگ برابر بلا مت کرتے رہے اور اس بارے میں سخت رویہ اختیار کرنے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ابھارتے رہے اسی تناؤ میں کچھ لوگ آستانۂ خلافت پر گفتگو کرنے کیلئے حاضر ہوئے مگر مروان نے انہیں ڈانٹ کر واپس کر دیا انہوں نے آکر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے شکوہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ مروان آپ کو جس طرف چاہتا ہے چلاتا ہے اور جو چاہتا ہے کرا لیتا ہے۔ اب میں تمہارے درمیان نہ پڑوں گا۔

مروان اور دیگر افراد آپ کو برابر ورغلاتے رہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ برابر بڑھتا رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ مرض کو سمجھتے تھے مگر اس وقت کے معالج حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ جو خود مریضوں کی غیر متوازی طبیعت کے ساتھ چلتے تھے۔ اور مریض سخت بد پرہیز تھے۔ گویا اس روحانی شفاخانہ کا معالج اپنی صحت کی فکر میں ہی تھا اور مرضاء کی کڑی نگرانی نہ کر سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیمار تو اپنی بیماری میں ہی پڑے سڑتے رہے اور معالج نے اپنی روح کو آنچ نہ آنے دی۔ اور تنگ آکر شفاخانہ کو ہی خیرباد کہہ دی اور اپنی پاکیزہ روح کو آلودگی سے بچا کر خدائے پاک سے جا ملے اور اپنے جانشین معالج کے لئے چند در چند پیچیدہ دقتیں پیچھے چھوڑ گئے بنو امیہ کے خاندان کے بیشتر لوگ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کا حقدار سمجھنے لگ گئے تھے اور وہ حقیقتاً روحانی بیمار تھے ان کے علاج کے لئے انتہائی تدبیر اور سختی کی ضرورت تھی اور ہر کامیاب معالج کو یہ سختی کسی تدبیر سے کرنی لازم تھی کیونکہ مریض کہنہ پڑا ہوا ہوتا ہے اور جو مزہ اُسے بد پرہیزی میں ملتا ہے وہ ڈاکٹر یا معالج کی دوائی میں نہیں پاتا۔ جس وجہ سے وہ معالج کی دواؤں کا ہی شاکی ہو جاتا ہے۔ بلکہ معالج کے درپئے آزار ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اُسے بُرا بھلا کہنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس کی دوائی کو قبول نہیں کرتا۔ اور اس کے علاج کو غلط قرار دیتا ہے۔

بہرصورت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چند روز گذرنے پر بہ مجبوری چند اصحاب بدر اور جمہور کی رائے سے بالاتفاق حضرت علی کرم اللہ وجہ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا مگر بنو امیہ کے سرکردہ لوگوں نے اپنی بے مائگی اور اخلاقی پستی اور دناءت کے بالمقابل اعلیٰ اخلاق کے خلیفہ کو قبول نہ کیا۔ اور وہ چپکے سے بغیر بیعت کئے میر معاویہ کے پاس شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ کہ ان کو اپنا خلیفہ بنالیں ؎

یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی جھنج پر۔ اور دین ہے کہ باب ضرورت کی سیخ پر

گو معدودے چند امدی لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بیعت کر لی۔ مگر ظاہر اُیہ کسی شمار میں نہ تھے اُدہر حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ اصحاب بدر اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے مگر بیعت حضرت اشترؓ کے کہنے سے ہوئے دل سے رضامند نہ تھے۔ یہ چند در چند ایسی خرابیاں تھیں جن سے شیر خدا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو دوچار ہونا پڑا۔

مروان بھاگ گیا تھا اور خلافت و بیعت سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ نے زوجۂ محترمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کس نے کیا۔ تو آپ نے کہا کہ میں پہچان نہیں سکتی۔ لیکن دو شخص اندر گھس آئے تھے یہ کام ان کا ہے ان کے ساتھ محمد بن ابوبکر بھی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے محمد بن ابوبکر کو فوراً بلایا اور حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں بلاشک مکان میں گھُسا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ارادہ بھی تھا مگر انہوں نے ایسا کلمہ کہا جس کے سننے سے میں لرز گیا۔ اور فوراً ہی ارادہ فسخ کر دیا۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں نے نہ انہیں پکڑا اور نہ شہید کیا۔ زوجۂ محترمہ حضرت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے کلام کی تصدیق فرمائی۔

جنگِ جمل

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اسی دن سے قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کا تجسس شروع کردیا جس پُرآشوب زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی وہ شیرِ خدا کا ہی دل گردہ تھا کہ اس کو نباہا اور عامۃ المسلمین کے روحانی مفاد کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس بارِ گراں کے اٹھانے سے زیادہ انکار نہ کر سکے ؎

خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز   خدا کی دین ہے سرمایۂ غم فرہاد

حقیقتاً آپ کا خیال تھا اور اس کا اظہار بھی آپ نے کیا تھا کہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ

اور طلحہ رضی اللہ عنہ یا زبیر رضی اللہ عنہ میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیا جاتا تو سب سے پہلے اس کے ہاتھ پہ بیعت کرنے کو تیار تھے مگر ان میں سے کوئی بھی اس نیابتِ الٰہی کا متحمل نہ ہوا سے

تاب یک جلوہ نیاورد نہ موسیٰ و نہ طور   این دلم ہست کہ زیں گونہ ہزاراں دیداست

مگر کیسی افسوسناک حالت اور پریشان کن کیفیت اس زمانہ کی ہوگی جبکہ ہماری عقل اور ایمان سے بھی بالاتر ہستیاں عوامی رَو میں بہ کر وسواس الخناس کا شکار ہوگئیں اور ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہنے اور کافی نقصان اٹھانے کے بعد ان پر اصلیت آشکار ہوئی تو پھر ان لوگوں کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ۔

اگر این است رسمِ دوستداری   بہ دیوارِ حرم زن جام و مینا

ترجمہ:۔ اگر دوستی کا یہی طریقہ ہے تو صراحی اور پیالہ کو دے مار کہ میں ایسی شراب محبت سے باز آیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے حج کیلئے مکہ شریف تشریف لے گئی تھیں اور ان کی واپسی سے پہلے ہی بنو امیہ کے چند فتنہ پرداز اور دنیا طلب لوگ ان سے جا ملے اور واقعات کو رنگ دے کر بیان کیا کہ معاذ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ ہے جس سے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو یہ ظن اور گمان لاحق ہو گیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت شاید ان کو راس نہ آئے۔ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے پانچ روز بعد تک غافقی بن حرب باغی نے مدینہ شریف میں ایک اُدھم مچا رکھا تھا اور بنی امیہ کے ساتھ مل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بدنام کر رہا تھا۔ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس فتنہ کے استیصال اور اس کا سدِ باب کرنے کے لئے کہا مگر بگڑے ہوئے حالات اتنی جلدی رُوبہ اصلاح نہیں ہو سکتے تھے انکے لئے وقت اور کچھ عرصہ درکار تھا۔ حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جو پہلے بھی محض فتنہ کی بنا پر بیعت سے گریزاں تھے مگر بعد بیعت کلی زمانہ کی پر آشوب حالت دیکھ کر مطمئن نہ تھے۔ یہ بھی موقعہ غنیمت سمجھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مکہ شریف جا پہنچے

ادھر اموی لوگوں کا گروہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پہ بیعت کئے بغیر میر معاویہ کے پاس ہی ملک شام میں دمشق پہنچ چکا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود

کرتے اور بی بی نائلہ کی کٹی ہوئی تین انگلیاں لا کر امیر معاویہ کے پاس رکھ دیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سانحہ کا تمام الزام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سر تھوپ دیا۔ خدا سے ڈرتے تو قرآنِ کریم پر عمل کرتے۔ مگر ان کو وہ اقتدار جو وہ بزعمِ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں حاصل کر رہے تھے۔ اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے باضابطہ زمانۂ خلافت میں ہاتھوں سے جاتا نظر آ رہا تھا میلا دل ہمیشہ بدظنیوں کا مرکز ہوتا ہے۔ خدا معلوم یہ کیا کیا منصوبے باندھ رہے ہوں گے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُموی عمال کی برطرفی کا جو حکم دیا تھا اس میں امیر معاویہ کی معزولی کا حکم بھی شامل تھا۔ وہ ایلچی جب شام میں پہنچا تو معاویہ نے اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ معزول شدہ اُموی حکام کچھ شام میں امیر معاویہ کے پاس آ گئے اور کچھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے پاس مکہ شریف میں پہنچ گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کی جگہ مقرر فرما کر بھیجا تھا۔ امیر معاویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے ہی انکار کر دیا تو احکام خلافت پر کیا عمل ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشورہ دیا کہ ابھی اتنی سختی درست نہیں مگر آپ نے علی الاعلان کہہ دیا کہ مجھ میں نہ تمہاری خصلتیں ہیں نہ معاویہ کی عادتیں میں سمجھتا ہوں کہ اُموی عمّالِ عثمانی کی خودرائیوں اور بے پروائیوں نے ملک کے اندر تولیدِ فساد میں بہت امداد کی ہے۔ اس لئے میں ان کے تقرر کو مناسب اور موزوں خیال نہیں کرتا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امیر معاویہ کو معزول کرنا کسی طرح مناسب نہ تھا وہ بااثر آدمی ہیں۔ فتنہ ٹلنے کی بجائے زیادہ بڑھ جائے گا۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا کہ میں معاویہ کو بزورِ شمشیر ٹھیک کر لونگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ بہادر ضرور ہیں مگر لڑائی اور جنگ کے معاملہ میں صائب الرائے نہیں۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں جو حق سمجھوں گا وہی کروں گا۔

بیا نقشِ دگر ملت بہ ریزم   کہ ایں ملت جہاں را بارِ دوش است

ترجمہ:۔ آکہ صحیح بندوں کی قوم پیدا کریں کیونکہ یہ قوم زمین کے لئے محض بوجھ ہی ہے۔

بنو اُمیہ کے وہ معزول شدہ عمال جو مکہ شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی اوٹ لے کر آئے تھے روز بروز واقعات کو رنگ چڑھا کر پیش کرتے تھے۔ بالآخر یہ سب

[illegible]

میں قصاصِ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے ارادہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاکہ وہاں قبضہ کر کے فوجی طاقت بڑھا کر مدینہ منورہ کا رُخ کیا جاوے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ خبر سُنی تو آپ بھی فوج لے کر مقابلہ کے لئے چل پڑے۔ کیونکہ آپ کا خیال سب کو راہِ حق پر لانے کا تھا اور مقصد حقیقتِ حال سلجھانے سے تھا۔

مسلماں بندۂ مولا صفات است دلِ او سرّے از اسرارِ ذات است

ترجمہ: مسلمان میں خدا کی صفتیں ہوتی ہیں اور اس کا دل خدا کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔

جمالش جُز بہ نورِ حق نہ بینی کہ اصلش در ضمیرِ کائنات است

ترجمہ: مسلمان سوائے نورِ خدا کے کچھ نہیں دیکھتا کہ اس کا دل کائنات میں محو ہے۔

اسلام کے اصولوں اور انسانیت سے بنو امیہ کے چند مخصوص افراد کو اس قدر ہی مغائرت تھی جتنی کہ خود غرضی اور اقتدار پسندی ان کو مرغوب تھی۔ مکہ سے روانہ ہونے کے بعد سعید بن العاص نے حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کامیابی کے بعد خلیفہ کون ہوگا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک؛ جسے لوگ منتخب کر لیں خلافت کے فرائض سرانجام دے گا۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ انتظامِ ملکی کے نااہل ثابت ہو رہے ہیں تو اس نے کہا نہیں عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ کو خلیفہ بنایا جاوے ان حضرات نے جواب دیا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ شیوخ و مہاجرین کو چھوڑ کر حکومت نوجوانوں کے سپرد کر دی جاوے تو اس نے کہا کہ بنی عبد مناف سے حکومت نکالنے کی کوشش میں تمہیں ساتھ نہ دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ ابنِ خالد۔ ولید بن عقبہ۔ مغیرہ بن شعبہ۔ سعید بن العاص عبداللہ ابن عامر اور ثقیف کے وہ افراد جو ان کے ساتھ تھے۔ یہیں سے اس لشکر کا ساتھ چھوڑ کر امیر معاویہ کے پاس چلے گئے۔ البتہ مروان بن الحکم ضرور مصلحتاً جنگ جمل تک ساتھ رہا۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بنی امیہ کے دلوں میں حکومت پسندی اور اقتدار پرستی کا مادہ کس حد تک پیدا ہو چکا تھا اور وہ اس کے کتنے خوگر تھے ر ہ۔

من و تو از دل و دیں ناامیدیم چوں بوئے گُل ز اصلِ خود رمیدیم

ترجمہ: حالات ایسے ہیں کہ ہم اور تم دین اور دل سے ناامید ہو چکے ہیں اور اصلیت سے وابستہ [illegible]

دلِ ما مُردہ دین از مردنش مُرد دو تا مرگے بہ یک سودا خریدیم

ترجمہ :۔ جب دل مر جاتا ہے تو اس سے دین کا ادراک بھی چلا جاتا ہے۔ دل کے مرنے سے ہی دل و دین دونو کی مرگ واقع ہو جاتی ہے۔

حضرات طلحہ زبیر و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا خیال خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کا تھا اور اس جنگ سے مدینہ شریف میں سے باغیوں کا استیصال کرنا مقصود تھا۔ مگر بنو امیہ کا خیال حصولِ خلافت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور قصاص کا رنگ دے کر واقعہ کو چمکا رہے تھے۔ اور اپنی مطلب براری کے لئے بہانے تراش رہے تھے زمانہ ما بعد جنگِ جمل میں ان کی یہ ذہنیت حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آگئی۔ ؎

حاشیہ :۔ ؎ حضرت غوثیت مآب پیرانِ پیر جناب دستگیر شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں بہاں حضرات طلحہ و زبیر و ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ہی امیر معاویہ کے جذباتِ تقابل و تخالف بہ مقابلہ حضرت اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ کو بھی وجہ قصاصِ خونِ عثمان رضی اللہ عنہ ہی قرار دیتے ہیں اور واقعاتِ آئندہ پر خاموشی اختیار فرماتے ہیں اور لب کشائی نہیں فرماتے۔ چونکہ اولیاء اللہ کے کلام نیک انجام کی رموز کو سمجھنے کے لئے عقلِ تام کی ضرورت ہے۔ اس لئے عامۃ الناس اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مسلمان جذبۂ حُبِ اہل بیت کے تحت حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی اس تصنیف کو حضور سے منسوب کرنے میں تامل کرتے ہیں کیونکہ اس میں ان کو اپنے تخیل کی حمایت موجود نظر نہیں آتی اور کچھ لوگ تو اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں کہ سرے سے جناب غوثیت مآب کے مراتب اعلیٰ کا انکار کر کے دینی نامعقولیت اور جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔

اور چند لوگ اگر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے معتقد اور حلقہ بگوش ہیں تو ان میں سے اکثر ایسے ہیں۔ جو حضور کی اعلیٰ تعلیمات و تفہیمات دین اور علوم و عقولِ روحانی کی غایت سمجھنے سے قاصر ہیں اور حضور کو معمولی درجہ کا مصنف سمجھ کر اپنی معمولی عقل و علم سے حضور کی تعلیمات کا توازن کر کے اصل تاریخی حقائق سے ہی کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ اور ان علوم تواریخ سے کچھ نتیجہ اخذ کرنے کو بھی امیر معاویہ کے کسرِ شان ہونے سے ان کی بے ادبی پر محمول کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ درویش [illegible] مرتبہ کیا ہے اور ایسی ... عظیم کے ملیا ... تعلیم کا مقصد کیا ہے ... [illegible]

دونوں حریف لشکروں کے جرنیل اور قائد نیک نیت اور مقدس بزرگ تھے۔ خون ریزیٔ مسلمین کے گناہ سے بچنا چاہتے تھے۔ جب بالمقابل آئے تو دل ایک دوسرے کے سامنے ہونے سے صاف ہونے لگے اور مصالحت کی گفتگو شروع ہو گئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ زبیرؓ! تم کو یاد ہونا چاہیئے۔ اور اگر تم کو یاد نہیں تو میں یاد دلاتا ہوں کہ ایک موقعہ پر ہم چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ تم معہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے باہر ادھر سے نکلے۔ میں سرورِ کائناتؐ کا چہرہ دیکھ کر مسکرایا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنسے اور تم نے کچھ کہا۔ تو رسالت مآبؐ نے جواب میں فرمایا کہ زبیرؓ! اس روز سے ڈر! جب تو اور تیری فوج علی پر حملہ آور ہوگی اور تو ظالموں میں سے ہوگا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بے اختیار ہو گئے۔ اور کہا ہاں! مجھے یاد آگیا۔ اور اگر پہلے سے یاد ہوتا۔ تو قسم ہے خدا کی کہ ایسا نہ کرتا۔ اس وقت ان پر ایک رقت کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور رو کر بہ آوازِ بلند کہا کہ اب میری مجال نہیں کہ تمہارے سامنے تلوار اٹھاؤں۔ اور شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ خدا بہتر کرے گا۔"

ایسی مصالحانہ روش دیکھی تو عبداللہ ابن سباء کی پارٹی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں موجود تھی۔ اس نے سوچا کہ صلح ہوئی تو ہمارے ہی خون پر ہوگی کیونکہ یہ فساد پر راضی تھے۔ اس لئے انھوں نے سمجھا کہ صلح اور ہمارا خون مترادف ہے۔ اس لئے انھوں نے ایک روز پو پھٹنے سے پیشتر ہی اندھیرے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پہ شبخون مارا۔ وہ سمجھیں کہ یہ حملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ہوا۔ کیونکہ سبائیوں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۔ کی خانہ تلاشی کرنے کی بجائے اپنی خانہ تلاشی کر اور ماسوی اللہ کے ذکر کو اس لئے محو کر دے کہ تو اس ماسوی اللہ میں ہی مدغم ہو کہ اللہ سے غافل نہ ہو جائے۔ اور اس کی تقدیر پر شاکر ہو کیونکہ ؎

آنچہ بود داست و نیاید زمیاں خواہد رفت آنچہ بایست و نبود ست بہاں خواہد رفت

ترجمہ۔ جو شئے ضروری نہیں مٹ جائے گی۔ اور جو ضروری ہے۔ وہ ہو کر رہے گی۔ تو اللہ کے کاموں پر خاموش رہ ہر کام کو اللہ کی طرف منسوب کر نہ کسی کی تعریف کر نہ کسی کی مذمت کرنے میں ہی کھو جا۔

نے اپنی مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس حملہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے جوابی حملہ ہوا۔ سخت خونریزی ہوئی۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو ہزیمت ہوئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سر ایک شقی نے نماز پڑھتے میں کاٹ لیا۔ اور حضرت علیؓ کے پیش کیا۔ تو آپ نے اس کو بد دعا دی کہ اے عمرو! تجھ کو دوزخ نصیب ہو! حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خاتمہ خود مروان نے ہی ایک زہر بجھا ہوا تیر مار کر کر دیا۔ سترہ ہزار مسلمان دونو طرف سے شہید ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بڑے عزت و احترام سے مدینہ منورہ بھیج دیا۔ اور کہا کہ خدا ہمارے تمہارے گناہوں کو معاف کرے۔ اس کے جواب میں ام المومنین نے یہی فرمایا۔

اموی عوام کی دنیا طلبی و ہوس جاہ و حشم سے جنگ کے اسباب پیدا ہوئے اور سبائی قوم فتن کی گندہ ذہنی سے اس کا آغاز ہوا۔ اور مسلمانوں کی ندامت پر اس کا انجام ہوا۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حدیث رسولؐ سن کر اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے اصرار اور خود اپنے بیٹے کی مؤکدانہ عرض کرنے پر بھی آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے

بقیہ حاشیہ صلا۔ حضرات حسنین علیہما الصلوٰۃ والسلام نے بھی کسی کا شکوہ نہیں کیا۔ کسی سے شکایت نہیں کی بلکہ اس مادی زندگی کے بعد خواب میں بھی کبھی کسی سے آ کر یہ نہیں کہا۔ کہ معاویہ کے خاندان نے ان پر بے حد ظلم و ستم توڑے ہیں۔ یا یہ کہ وہ ظالم و شقی تھے۔ بندگانِ خدا اور مقبولانِ بارگاہِ حق کی شان ہی یہ ہے۔ کہ وہ صبر و رضا کے مقام سے ذرا باہر قدم نہیں رکھتے اور نہ ہر امر کو اسی فاعل المطلق کی طرف منسوب کر کے بری تقدیر کو بھی برا نہیں کہتے۔ چہ جائیکہ کسی کا شکوہ کریں۔

ان تاریخی واقعات کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد بھی اہل بیت اور خاصانِ خدا کے پاک گھرانہ کی پاک اور بے لوث زندگی سے روشنی ایمان حاصل کرنے کا ہی ہے۔ نہ کہ ان کے مخالفین کی تاریک زندگی سے ضلالت اور گمراہی میں پڑنے کا۔ اور مقصود یہ دکھانا ہے۔ کہ ان پاک دل حضرات نے کس طرح اللہ سے رابطہ مربوط رکھا۔ اور کسی دنیاوی رنج و غم و دکھ تکلیف اور غبن و اتلاف حق تلفی کو بھی محسوس نہ کیا۔ اور اگر کیا بھی تو اپنے دین میں فرق نہ آنے دیا ؎

اے خدا یہ عاشقاں خوشنود باش　　عاشقاں را عاقبت محمود باد!

بالمقابل نہ آئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں کا خون بہتا دیکھ کر سمجھ آگئی کہ ان کا ارادہ کچھ اور ہے۔ اور ان کے لشکر کے افراد کا تہیہ کچھ اور۔ آپ اب سمجھ رہی تھیں۔ کہ ان کو غلطی پر لگایا گیا ہے۔ مگر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی مجبوریاں ہر طرح سے سب پر روشن ہو گئیں۔

مروان جو بڑی بے جگری سے لڑا تھا۔ اور تھنز زخم کھانے پر بھی زندہ تھا۔ شکست کے بعد بھاگا۔ اور کسی دیہات میں پناہ لی۔ وہاں سے شام کی طرف امیر معاویہ کے پاس بغض و عناد کی بنیادیں مستحکم و مستقل کرنے کے لئے چلا گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کریم النفسی، عالی ہمتی، خود داری، خود ضبطی اور قوت جسمانی و طاقتِ روحانی جنگِ جمل میں خوب تر نمایاں ہو چکی تھیں۔ اور تمام برگزیدہ حضرات جو شاملِ واقعہ تھے۔ دل سے اعتراف کر چکے تھے کہ حضور غایت درجہ صحیح راستہ پر ہیں۔

از علیؓ آموز اخلاصِ عمل شیرِ حق را داں منزہ از دغل

ترجمہ۔ عمل میں نیک نیتی اور خلوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سیکھو۔ کیونکہ اللہ کا شیر مکر و فریب سے پاک ہے۔

بنو امیہ کی ذہنیت عامہ کا خاکہ

مگر بنو امیہ کی الٹی کھوپڑی کون سیدھا کرتا۔ یہ محض دنیا طلبی کے لئے راہِ راست سے الجھ لیے محض اپنی مطلب برآری کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف دن رات سازشیں کر کے عامۃ الناس کو گمراہ کر رہے تھے۔

رسول پاکؐ کے ارشادات جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کہ لَا تَسُبُّوا اَصْحَابِیْ کہ میرے اصحاب کو برا نہ کہو۔ اس کا منشا یہی تھا۔ کہ کوئی صحابی بھی دوسرے صحابی کو برا نہ کہے بالخصوص علو مرتبہ اصحابی جس کی شان میں قرآن کریم کی آیات بینات و احادیثِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوں۔ یا دوسرے صحابہ کرام نے اس مقرب بارگاہ رسولؐ صحابی کے اعلیٰ اخلاق کی تائید کی ہو۔ اس کو برا کہنا اللہ اور اس کے رسولؐ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اس حدیث کے تحت کسی مسلمان کا حق نہیں کہ وہ امیر معاویہ کو بھی برا کہے۔ کیونکہ مخصوص طور پر جن صحابہ کا ذکر حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ اور صحابی بھی بہت ہیں جن کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر اوپر ہے۔ اور یہ حدیث ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ ان اللہ اختار

اصحابی علی جمیع العلمین سوی النبیین والمرسلین واختار منھم اربعۃ ابابکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ فجعلھم خیر اصحابی و اصحابی کلھم خیر۔ یعنی اللہ نے میرے اصحابہ کو تمام عالم سے سوائے مرسلین و انبیاء کے برگزیدہ کیا۔ اور پھر ان سب میں سے چار کو بزرگ تر کیا۔ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور میرے سب اصحاب بہتر ہیں۔

لفظ صحابی کا اطلاق

ایک دفعہ سفر میں دو شخصوں کے درمیان جن میں ایک مہاجرین کے ساتھ تھا دوسرا انصار کے ساتھ۔ کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ پہلے شخص نے مہاجرین کو اور دوسرے نے انصار کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی اپنی قوم کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے یہ آواز سن کر کہا کہ یہاں تک نوبت آ گئی۔ مہاجرین ایسا کرنے لگے اب کی دفعہ مدینہ لوٹ کر جائیں گے۔ تو ہم میں جو عزت والا ہے۔ ذلیلوں کو نکال دے گا۔ اور جو لوگ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ ان سے کہا۔ کہ یہ ذلت تم نے خود خریدی ہے۔ اگر تم لوگ اب بھی ان کی مدد نہ کرو تو یہ لوگ مدینہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جاویں۔ زید بن ارقمؓ نے یہ گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ عیاد بن بشیر کو حکم دیجئے کہ وہ اس منافق کو قتل کر دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ لا یتحدث الناس انہ کان یقتل اصحابہ، کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں۔ لوگ کہیں گے "کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے صحابیوں (ساتھیوں) کو قتل کرتے ہیں"۔

کسی پر لعنت نہ بھیجو

معلوم ہوا کہ محض لفظِ صحابی سے بزرگی کی وابستگی نہیں اعمالِ حسنہ شرط ہیں۔ اور یہ احتیاط بڑی ہونی چاہیئے۔ کہ انسان کا حق کسی کو لعنت کرنے کا نہیں کہ ملعونوں کو ان کے اعمال ہی کافی لعنت ہیں۔ ایک دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے۔ ایک جوان مسلمان ساتھ تھا۔ اس کا باپ حضورؐ کی رسالت سے پہلے وفات پا چکا تھا۔ اس کی قبر اس راہ پہ تھی۔ حضورؐ نے استفسار فرمایا کہ یہ راستہ پہ قبر کس کی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو علم تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ دنیا میں بڑے سے بڑے بدبخت آدمی کی ہے۔ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ آپ کے اس جواب پر اس جوان مسلمان کو بہت تعجب ہوا کہ شاید راہ بتانے والا [illegible]

جواب میں کہا کہ حضور! ابو قحافہ کی قبر سے اچھی ہے۔ کہ یہ قبلِ رسالت کا فر مرا پیغامِ رسالت اس تک نہ پہنچا تھا۔ مگر وہ بعد رسالت بھی کافر ہی مرا کہ پیغامِ رسالت اس تک پہنچ چکا تھا مگر ایمان نہ لایا۔" حضورؐ سمجھ گئے کہ یہ قبر اس کے باپ کی ہے۔ آپ نے کسی کو بُرا کہنے اور لعنت ملامت سے یاد کرنے کو سختی سے منع فرمایا۔ نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جب کسی پر لعنت بھیجی جاوے اور وہ مستحق نہ ہو۔ تو لعنت بھیجنے والے پر واپس آکر پڑتی ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

امیر معاویہ کی سیاست

جنگِ جمل کے نتائج نے آنے والے واقعات پر امیر معاویہ کی سیاسی ذہنیت کو چوکنا کر دیا تھا۔ اور ان کا خیال تھا۔ کہ ملکِ شام جہاں مدت العمر گورنری کی ہے ان کے اشارے پر چلے گا۔ اس لئے اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خلافت ہی چھین لی جائے۔ تو یہ دل آزار کھٹکا ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ اس مقصد برآری کے لئے بہترین ہتھیار تھا کیونکہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کا کھوج نہ نکلا اور عمومی باغی بغاوت کے ملزم تو تھے۔ مگر شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے جرم کے مرتکب نہ تھے۔ ان کا جرم تھا۔ تو یہی کہ وہ عہدِ عثمانی میں حالات کی درستی چاہتے تھے یا مروان سے نپٹنا چاہتے تھے۔ اور بس۔ اور یہ حالات شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے خود ہی بدل گئے تھے۔ اور باغیوں نے خود ہی بغاوت ترک کر دی۔ ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل سمجھ کر بلا وجہ کیوں عقوبت دی جاتی۔ اور رہی بات امیر معاویہ کی مطلب برآری کے لئے بڑے کار آئی۔ کہ وہ عوام کو باسانی اس غلطی میں مبتلا کرنے لگے۔ کہ باغی علیؓ (کرم اللہ وجہہ) کے ساتھ ہیں۔ اب ان کا رویہ یہ ہو گیا۔ کہ ہر جمعہ میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کُرتا بالائے منبر رکھ لیتے۔ اور سب سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ یہ سب علی (کرم اللہ وجہہ) کا ہی کام ہے۔ اور ایسا شخص نعوذ باللہ قابلِ لعنت و ملامت ہے"۔ واقعات کی روشنی میں کس کو معلوم نہ تھا۔ کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ درآں حالیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگِ جمل سے فارغ ہو کر امیر معاویہ کو صاف طور پر لکھا تھا۔ کہ تم اور تمہارے زیرِ اثر جتنے مسلمان ہیں۔ سب پر میری اطاعت واجب و لازم ہے۔ کیونکہ مجھے مہاجرین اور

لہ ابو قحافہ حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ہے۔

انصار نے بہ اتفاق رائے خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ تم نے شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی مقصد براری کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ اگر تم کو قصاص کا جوش ہے۔ تو پہلے اصولِ اسلام کے مطابق خلیفہ کی اطاعت تم پر واجب ہے سو میری اطاعت کرو۔ اس کے بعد باضابطہ مقدمہ پیش کرو۔ میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا اصولِ اسلام اور اخوتِ ایمان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت امیر معاویہ پر زیادہ لازم تھا۔ اور کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارے میں جان بوجھ کر غفلت برت رہے تھے۔ اور کیا واقعی ابھی تک آپ نے اس بارے میں کچھ نہ کیا تھا؟

حالات بتلا رہے ہیں کہ خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلا کام آپ نے یہی کیا۔ اور باقاعدہ تفتیش و تحقیق جاری تھی۔ بلا وجہ یہ خون کسی کے سر کیسے تھوپا جا سکتا تھا۔ مگر امیر معاویہ کے فوری مطالبہ کی یہ سیاست تھی۔ کہ دھاندلی سے ملک کی فضا مکدر کر دی جائے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ایک خطرناک پوزیشن میں ڈال دیا جاوے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ معاویہ کو گورنری سے معزول کرنا فتنہ کے سدِباب کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اور معاویہ معزول ہونا تو برطرف خود خلافت کے حصول کی کوشش میں تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ ساری قوم کا مطالبہ تھا۔ نہ کہ امیر معاویہ اکیلے کا۔ یہ ساری امتِ مرحومہ کا مشترکہ سوال تھا۔ نہ کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کا۔

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم   چمن زادیم از یک شاخساریم

ترجمہ:۔ نہ ہم پٹھان ہیں، نہ ترک و تاتار ہیں۔ بلکہ ایک ہی باغِ اسلام کی شاخیں ہیں مختلف نہیں۔

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است   کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

ترجمہ:۔ نسلی و فرقہ وارانہ اختلاف اسلام میں حرام ہے۔ کہ سب ایک ہی اللہ اور ایک ہی رسول کی امت ہیں۔

کیا امیر معاویہ نے خود تحقیق سے کام لیا۔ یا کسی کو تحقیق کرنے کا موقعہ دیا۔ کیا انہوں نے کبھی اس آیتِ قرآنی یا حدیثِ نبویؐ کو مدِ نظر رکھا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان

بیان کی گئی ہو۔ کیا وہ اپنے دھندلکے میں ذرا بھی پہچان سکے کہ علی کرم اللہ وجہہ ہاشمی ہی نہیں جو ان کے خیال کے مطابق امویوں کے بالمقابل ہیں۔ اور ان میں خاندانی عداوت کا شمہ بھی موجود نہیں بلکہ وہ ایک جمہوریہ اسلام کے منتخب کردہ خلیفہ ہیں۔ جن کی اطاعت سے سرکشی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرکشی ہے۔ حدیث۔ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ ترجمہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے نافرمانی کی اس نے خدا سے نافرمانی کی۔ پھر جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور امیر کی نافرمانی کرنے والے نے میری نافرمانی کی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بالمقابل امیر معاویہ کے دعاوی کا توازن کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ امیر معاویہ کے پس منظر اور پیش منظر پر نظر ڈالی جاوے۔

دل کو روؤں یا جگر کو میر   میری دونو سے آشنائی تھی

آئیے ذاتیات کے دھندلکے سے علیحدہ ہو کر ایمان کی روشنی میں حالات و معاملات پر غور کریں اور دیکھیں کہ یگانگت اسلام کی شاہراہ سے بیگانگی کا راستہ کہیں سے پھوٹ کر ہی کربلا کے میدان تک تو نہیں جا پہنچا۔

بنی ہاشم اور بنو امیہ کی دیرینہ مخاصمت کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منسوب ہونے نے اور ہوا دے دی۔ کیونکہ خدیجہ کی تجارت کی تمام عرب میں دھوم تھی۔ اور اس کی چہیتی بیٹی خدیجہ رضی اس کی دولت کی واحد مالک تھی۔ گو اس سے قبل وہ شادیاں یکے بعد دیگرے ہو کر بیوہ ہو چکی تھی۔ اور شادی کی خواہش بھی نہ تھی۔ کہ عمر کی بہار گذر چکی تھی۔ مگر ابو طالب کے پوچھنے پر حضرت خدیجہ نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنے کی سعادت کو قبول فرمالیا۔ کیونکہ اس میں ان کو اور سعادتیں بھی نظر آرہی تھیں۔ ابو سفیان بذات خود اس رشتہ کا متمنی تھا۔ کیونکہ دولت و ثروت کے علاوہ خاندانی عزت و تفاخر بھی شامل حال تھی۔ اس رشتہ کے ٹوٹنے سے جو گھاؤ اس کے دل پر ہو چکا تھا۔ وہ ناسور کی صورت اختیار کر گیا اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت رسالت سے اس ناسور میں بغض و حسد کے کیڑے پڑ گئے۔ جو بنو امیہ کو ایک دم بھی چین سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ ایک ہاشمی کی پیغمبری نے ان کے خرمن بارود کو آگ لگا دی۔ اور وہ مذہب کی آڑ لے کر جلے دل کے پھپھولے

پھوڑنے لگے۔ حتیٰ کہ بنو ہاشم کے چند افراد کو بھی مخالفت و مخاصمت میں اپنے ساتھ شامل کر لیا کہ محمد رصلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے بتوں اور معبودوں کو بُرا کہتا ہے۔ اور آبائی مذہب کی توہین کرتا ہے۔

تھوڑے سے وقت میں ہی زمانہ نے کئی کروٹیں بدلیں۔ اور آفتاب ہدایت نے اپنی عالمتاب لمعاتیوں سے تیرہ و تار دلوں کی تاریکیاں دور کر کے انہیں اپنی آغوش میں لے کر سراپا نور کر دیا۔ یہ نورانی ستارے اس آفتابِ ہدایت کی ضیائے فیض سے خود سراپا ہادی بنے ہوئے تھے۔ اور ان کی توجہات تمام تر صرف آفتابِ ہدایت پر مرکوز تھیں۔ اس کے بغیر ان کو تمام دنیا ہیچ نظر آتی تھی۔ اور ان کی حیات و ممات اسی کے لئے وقف تھیں۔ یہ نور کا ہالا جس طرف جھکتا عالم کو سراپا نور کر دیتا تھا۔

ابوسفیان معہ اہل و عیال کے ابھی اسی گھٹا ٹوپ کفر کی اندھیری میں بھول بھلیّاں کا سرگردان پھرتا تھا۔ صرف حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ اس کی حقیقی بیٹی ہجرتِ حبشہ سے قبل معہ خاوند کے ایمان لائی تھیں۔ اور حبشہ سے لوٹتے وقت خاوند کی وفات کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ گئی تھیں۔ اس نکاح کا مقصد بنی امیہ سے تعلقات کا استوار کرنا مقصود تھا۔ کہ قرابت مضبوط ہو جائے مگر ابھی تک حالات دھندلے تھے۔ کہ ابوسفیان کو معلوم ہوا۔ کہ اب مسلمان مکہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ وہ جاسوسانہ طور پر رات کی تاریکی میں فوج کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے نکلتا ہے۔ سرکارِ رسالت پناہ نے فوج کے افراد کو پھیل پھیل کر بیٹھنے اور آگ روشن کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تاکہ دشمن کو کثرتِ فوج کا دھوکہ لگ کر رُعب جم جاوے۔ کہ ابوسفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بھاری آواز سُنی۔ جس میں ہدایت تھی کہ ہر مسلمان اپنے رشتہ دار کا فکر ہی پہلے لے اور کوئی کسی کا لحاظ نہ کرے۔

مسلمانوں کی پے بہ پے فتوحات نے ابوسفیان کے دل و دماغ کو پہلے ہی ماؤف کر رکھا تھا۔ اب تو پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور بدحواس سا ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز پر چپکے قدموں گیا۔ اور ان سے کچھ بات چیت کی۔ ان کے ساتھ اس کے تعلقات پہلے بھی مراسمانہ تھے۔ ان کی معیت میں ان کی پناہ لے کر لشکرِ اسلام میں آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار سونتی کہ سر اڑا دیں۔ مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر روک دیا۔ کہ یہ میری پناہ میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بات چیت کرنی چاہی۔ تو انہوں نے منہ پھیر

لیا ہر طرف سے یہی سلوک ہُوا۔ ناچار اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کے پاس سفارش کی غرض سے گیا انہوں نے کلام تک نہ کی اور بستر یہ کہہ کر لپیٹ دیا۔ کہ یہ بستر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس پر نجس جسم کو بیٹھنے کی اجازت نہیں۔ اور منہ پھیر کر دوسری طرف کو ہو گئیں۔ اب اس کو یہ خوبی سمجھ آچکی تھی۔ کہ کس قدر غلطی پہ تھا ؎

باغ ویراں کر نہیں سکتی صدائے بُوم و زاغ   کچھ نہیں سکتا کبھی بجھ پھونکوں سے سورج کا چراغ

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان کے سامنے پیش ہوا تاریخ دنیا نے کبھی بھی عفو و کرم کی ایسی مثال پیش نہیں کی کہ ہر ایک طرح سے واجب القتل آدمی کو معافی مل گئی اور دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان ہُوا۔ کہ سوائے اس شخص کے جو خود ان پر حملہ کرے کسی کو قتل نہ کریں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور لشکرِ اسلام کے داخل ہونے سے پہلے مکہ میں اعلانِ معافی کی منادی کرادی تھی۔ حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ نے ابوسفیان کی مجبوریوں کو زیادہ کر دیا۔ اور اس نے گھٹنے ٹیک کر اسلام قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لشکرِ اسلام کی آمد اور معافی کا اعلان سنانے کو کہا۔ تو ابوسفیان نے بیت اللہ میں کھڑے ہو کر للکارا کہ لشکرِ اسلام آگیا۔ جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ قریش نے بآوازِ بلند کہا کہ ہم اب کیا کریں۔ تو اس نے معافی کا اعلان سُنا دیا۔ اس کی بیوی ہندہ نے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ اور کہا کہ لوگو! اس بڈھے احمق کو قتل کر دو۔ یہ کیا کہتا ہے۔ ابوسفیان نے جھٹک کر کہا۔ کہ گھر میں جا کر بیٹھ رہ۔ ورنہ گردن اڑا دی جائے گی۔ اب ہندہ کو بھی اپنی مجبوریوں کا احساس ہُوا۔ اور عورتوں کے ایک گروہ کے ساتھ آکر وہ بھی مسلمان ہو گئی اور اس سے کہا گیا۔ کہ تیرے سامنے آنے سے چچا کا غم تازہ ہو جاتا ہے۔ کہ تم نے اس کا زندہ خون پیالہ میں ڈال کر پیا۔ اور اس کا کلیجہ چبا کر کھایا ہے۔ تم ایک طرف ہو کر بیٹھا کرو۔ ہندہ بڑی بد زبان عورت تھی اور اسی وجہ سے یکے بعد دیگرے دو خاوندوں سے طلاق لے چکی تھی۔ اب ابوسفیان کے نکاح میں تھی۔ امیر معاویہ اس کے بطن سے تھے۔ یہ سب بہ مجبوری فتحِ مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ اور یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ کہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ترجمہ:۔ اعرابی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے تو ان سے کہہ دو۔ کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یُوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے۔ کیونکہ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں جاگزین نہیں ہُوا۔

یہ صحیح ہے کہ اگر ایمان کی روشنی قلوب میں ہوتی۔ تو یہ دنیا طلبی کی بجائے نورِ حق کی تلاش کرتے مگر حال یہ تھا۔ کہ ہندہ نے مسلمان ہوتے ہی دو بکری کے بچے نذر کر کے عذر کیا کہ میری بکریاں بچے کم دیتی ہیں برکت کی دُعا فرمایئے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کی بکریاں بہت ہو گئیں اور وہ کہا کرتی تھی۔ کہ یہ آپ کی دُعا کی برکت ہے۔

ابوسفیان نے امیر معاویہ کے لئے کسی عہدہ کی طلب کی جو انہیں دیا گیا اور آہستہ آہستہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت عامل دمشق مقرر ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت تک مقرر رہے۔ شاہانہ ٹھاٹھ اور مزے سے زندگی گذارتے زرق برق لباس استعمال کرتے۔ ان امور کی شکایت حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے طلب کیا۔ عمرو بن العاص ان کے مستقل وکیل تھے ان کو ساتھ لا کر معذرت کی اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ مگر عادت پک کر طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ امیر معاویہ کی عادات میں تغیر نہ ہوا۔ اور بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہنا پڑا۔ کہ معاویہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ ان کی امارت پہ ہمیں فخر ہے یہ دینی تفاخر نہ تھا۔ ملکی تفاخر تھا۔

صحابۂ کبار کا طرزِ عمل

رگِ سنگم نشرارے ہے نوسیم کفِ خاکم غبارے ہے نوسیم

کلامِ ربانی ہے۔ کہ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ط فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي ترجمہ۔ اے اطمینان حاصل شدہ جان! جو ایمان و ایقان پر ثابت رہی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے حضور سر طاعت خم کرتی رہی۔ اپنے رب کی طرف واپس ہو۔ یوں! کہ تو اس سے راضی ہو۔ وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو۔ اور میری جنت کی حق دار ہو کر آ۔

یہ آیت شریف رضی اللہ عنہ و رضو عنہ کے مضمون کی آئینہ دار ہے۔ آیئے ذرا اس پہ سیر حاصل بحث کریں!

علمائے ربانی اور اہل تحقیق نے نفس کو بہ لحاظ اس کے حالات کے تین درجات پر تقسیم کیا ہے۔ اور یہ درجات اس کے اوصاف کے مطابق وضع کئے گئے ہیں

نفس امارہ۔ نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ

نفس کی تعریف قرآن کریم میں یوں بیان ہے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ ترجمہ بیشک نفس بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ مگر جس پہ میرا رب رحم کرے (اللہ کے فضل کے بغیر بچنا مشکل ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے مقابات (انتہایات) سے اور اس لئے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانا بہشت ہی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پہ نہ چلو اور جو شیطان کے قدموں پر چلے تو وہ بے حیائی اور بُری بات ہی بتائے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل اور رحمت تم پہ نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی ستھرا نہ ہو سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو توبہ اور حسنِ عمل کی توفیق نہ دیتا اور عفو و مغفرت نہ فرماتا۔ اللہ ہی دلوں کی باتوں کو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے لفظ کا اطلاق بنفسہ ان معانی کا حامل ہے کہ نفس انسان کو بدی کی طرف کھینچتا ہے۔ اور شیطان اس کام میں اس کا ممد و معاون ہے اب بدی کی طرف امر کرنے کی وجہ سے اس کو نفسِ امارہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ اس کی پہلی اور اولین حالت ہے کہ انسان جب ہوش و حواسِ ظاہری (حواسِ خمسہ) کے احاطہ میں آتا ہے۔ تو اس کو پہلے غیر شعوری طور پر اس سے ہی سابقہ پڑتا ہے۔ اس وقت نیک اور ذی فہم والدین کی مکمل نگہداشت اور شفیق استاد کی محافظت اس کو ان برائیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ جو نفس سے منسوب کی جا سکتی ہیں۔ ذی شعور اور بالغ ہونے پہ اگر مقدر میں ہوا تو دینی امور کی طرف رجحان اسے نفس کی حکومت کے بُرے اثر سے محفوظ اور مامون رکھتا ہے اور پھر خوش قسمت اگر دینی راہنما اچھا مل گیا تو قربِ الٰہی کے منازل و مقامات میں وہ راہنمائے کامل اس نفسِ امارہ کے حکموں اور ابلہ فریبیوں سے اس کو اس طرح بچاتا ہے کہ نفس کی شرارتوں سے ایمان میں خلل آنے کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا۔ صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہتا ہے اور امورِ مذہبیہ کی پابندی اور دینی حدود و قیود اس نفسِ امارہ

کہ پہلی حالت سے متغیر کرکے اب نفسِ لوّامہ بنا دیتی ہیں نفسِ لوّامہ انسان کو گناہوں کیطرف مائل نہیں کرتا عبادات اور نیکیوں کی رغبت دلاتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ گناہوں سے بچ جانا اور بات ہے اور خواہشات سے بچنا اور بات ہے خواہشات ممنوعہ حرام اور گناہ ہوتی ہیں۔ مگر خواہشات اکثر طور پر حلال بھی ہوتی ہیں اور حرام اور حلال کے درمیان مباح خواہشات ابھی ہیں۔ نفسِ لوّامہ حرام سے بچنے کی توفیق تو دیتا ہے مگر انسان کو اس کے صحیح مقام پر نہیں پہنچاتا کیونکہ ؎

اسی اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہین زیرِ دام آیا

اب یہ شاہین زیرِ دام آچکا ہے۔ مگر ابھی اس نے صیدِ معرفت کو شکار نہیں کیا وہ اس حال میں شکار ہوتا ہے۔ کہ مباح کو بھی ترک کر دیا جاوے اور حلال کو محض بہ اندازۂ ضرورت استعمال کیا جاوے مثال کے طور پر گوشت کھانا حلال ہے مگر اس کو جزوِ ایمان ہی بنا لینا اور بکثرت کھانا بُرا ہے۔ اسی طرح نکاح کرنا حلال بلکہ سُنت ہے مگر شہوتِ فرجی سے مجبور ہو کر اسی طرف کا ہو رہنا گویا منزل سے دور ہونے کی علامت ہے۔

حلال طریقے سے طلبِ مال اور کسبِ روزی جائز ہے مگر اس ہوس میں ہی کھو جانا بُرا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم نے مباحات کو ترک کیا اور حلال کو اختیار کیا اور پھر اس حلال میں سے اکثر کو اختیار کیا اور اکثر کو ترک کیا۔ حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے حلال کو اس حد تک ترک کیا کہ مباح اختیار کرنے کا شائبہ ہی نہ رہے حضرت علی احمد صابر کلیری۔ خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہما کا ترکِ خواہشاتِ حلال ضرب المثل ہے۔ نفسِ لوّامہ کی یہ حالت متغیر ہو کر اسے نفسِ مطمئنہ کر دیتی ہے۔ اور یہ ہر چیز میں اللہ کی طرف سے اس لیے مطمئن ہو جاتا ہے کہ علوم و معارفِ الٰہیہ کی کُنہ تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ وَاَوْجَدَنِیْ وَ ھَدَانِیْ وَعَرَّفَ نَفْسَہٗ فِیْ قَلْبِیْ حَتّٰی عَرَفْتُہٗ وَمَا یُنْتَہٗ۔ کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھ کو قیدِ عدم سے خلاصی دی اور میرے وجود کو ظاہر کیا اور مجھ کو ہدایت کی اور اپنی ذات کا عرفان میرے دل میں نصیب کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کو پہچان لیا اور دیکھ لیا اس کلمہ میں سرِّ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو طبیعت پر غالب ہو گیا تھا۔

مولانا روم علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ؎

بادرا بہ شکن کہ بس فتنہ است باد پیش ازاں کت بشکند او ہچوں آ د
اشکمے پُر لوث دان بازار دیو تاجران دیو را در وے غلغلہ

ترجمہ۔ خواہشات اور ہوا و ہوس کو ترک کرو ایسا وسیلہ اختیار کرو جس سے یہ خواہشات ٹوٹ اور چھوٹ جائیں۔ کیونکہ بھرا ہوا پیٹ شیطان کا گھر ہے اور شیطان کے تاجر اس میں گھس آتے ہیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مجلس صحابہ میں فرمایا کہ ہر آدمی کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے۔ تو آپ سے پوچھا گیا کہ کیا حضور کے ساتھ بھی شیطان پیدا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا کہ ہاں۔ مگر وہ پیدا ہوتے ہی مار دیا گیا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا نفس پہلے ہی نفسِ مطمئنہ تھا۔ اسی لئے آپ پر ابتدا سے ہی عشق الہٰی کا غلبہ تھا۔ اور دنیا کی کسی دلچسپی کا اثر نہ تھا۔ نہ بچپن میں کھیلوں کا شوق تھا۔ نہ جوانی میں تماشے دیکھنے کی رغبت تھی۔ شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ تفسیر الم نشرح میں لکھتے ہیں کہ حضور کو چار دفعہ شق الصدر کا واقعہ پیش آیا۔ بچپن میں ایامِ طفلی کے لہو و لعب نکال ڈالنے کو۔ دوسری بار بہ عمر دس سال جوانی کے ان کاموں سے نکالنے کو جو بہ مقتضائے جوانی خلافِ مرضیٔ الہٰی سرزد ہوتے ہیں اور تیسری بار بہ وقتِ بعثت بہ ماہِ رمضان غارِ حرا میں اس لئے کہ آپ کے دل کو طاقتِ مشاہدہ عالمِ ملکوت اور لاہوت کی ہو۔ اور چوتھی بار معراج میں ہوا۔

اصلاحِ نفس کا یہی علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تعلیم کیا اور صحابۂ کرام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل میں مخالفت نہیں کی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امورِ شرعیہ میں اس قدر پابندی کرتے تھے کہ اسی رنگ میں رنگے گئے ؎

عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار تا کمند تو شود یزداں شکار

ترجمہ:- عاشقی کیا ہے! دوست کی پیروی میں مضبوط ہو پھر تیری کمند خدا کو شکار کرے گی۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ اَبُوْبَکْرٍ اَسَاسُہَا وَ عُمَرُ حِیْطَانُہَا وَ عُثْمَانُ سَقْفُہَا وَ عَلِیٌّ بَابُہَا کہ میں تمام معرفت کا شہر ہوں ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی بنیاد ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ اس شہر کی چار دیواری ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ اس کی چھت ہیں اور حضرت علیؓ اس کا دروازہ ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ صحابہ صحابۂ کبار ہیں جن کے اثرِ فیض سے دوسرے صحابہ مستفید ہوتے رہے۔ جتنا جتنا ظرف تھا۔ اتنی اتنی استعداد

اور اسی تناسب سے روحانی ترقی کے منازل سب نے طے کئے۔ اب ہم صحیح واقعات سے صبغتہ اللہ کا رنگ دکھاتے ہیں کہ ان مقربانِ بارگاہِ حق کو یہ رنگ کس قدر چڑھا ہوا تھا اور اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی تھے۔ اور اسی لئے ان کو رضی اللہ عنہ و رضو عنہ کہا جاتا ہے۔

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اہل حمص نے بارگاہِ خلافت میں اپنے حاکم سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں سخت شکایات کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے۔ سعید بن عامر کو مدینہ میں طلب کر کے ان لوگوں سے فرمایا کہ تم اس کے روبرو اپنی شکایات بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ پہلی شکایات تو یہ ہے کہ ہر روز بہت دن چڑھے گھر سے نکلتے ہیں۔ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بے شک صحیح ہے۔ کیونکہ میرے پاس کوئی خادم تو ہے نہیں خود ہی آٹا گوندھ کر روٹی پکاتا ہوں۔ اور وضو کر کے باہر نکلتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اور کیا شکایت ہے تو لوگوں نے کہا کہ رات کو کسی کی بات نہیں سنتے۔ سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس بات کو ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا مگر اب مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ میں نے دن تو ان لوگوں کے واسطے مقرر کر رکھا ہے اور خاص کر ان کے معاملات میں رہتا ہوں مگر رات خالص اللہ کے واسطے کر رکھی ہے اور عبادتِ الٰہی اور ذکرِ خدا میں مشغول رہتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پھر پوچھا کہ کوئی اور شکایت بھی ہے تو کہو تو انہوں نے عرض کیا کہ یہ مہینہ میں ایک دن بالکل گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ سعیدؓ نے عرض کیا کہ یہ بھی صحیح ہے کیونکہ خادم نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے کپڑے خود ہی دھونے پڑتے ہیں مہینہ میں ایک دن اس کام کے لئے مقرر کر لیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ حمص سے فرمایا کہ جاؤ اپنے والی کی قدر کرو۔

اے تو اخارسے بہ پائے شکستہ کے دانی کہ چیست حالِ شیرانے کہ شمشیرِ بلا بر سر خورند

باوجود اپنے کمالات و اوصافِ حسنہ کے ان بزرگ ہستیوں کو اپنے اعمالِ اعلیٰ پر غرہ و ناز نہ تھا۔ اور ہر وقت رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ ہر وقت اس فعل اور

عمل سے خائف اور گریزاں رہتے تھے جس میں ذرہ بھر بھی خدا کی ناراضگی یا اس کے احکام سے روگردانی نظر آتی تھی۔ اور ان کا اصول محض توحید پرستی اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ نفس پروری کو ذرّہ بھر بھی دخل نہ تھا ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے
کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

دنیا ہزار دلفریبیوں سے انہیں اپنی لہروں میں لپیٹنے کے لئے آگے بڑھی مگر وہ اس کی تمام نیرنگیوں سے مستغنی و بے پروا ہو کر سلامت بر کنار رہتے۔ دنیا کے فرعون و نمرود ان کو اپنے قہر کے آگے بے پناہ سمجھتے تھے مگر ان مقبولانِ خدا پر ان کا ذرّہ بھر بھی اثر نہ تھا ؎

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

وہ ہر حال میں خدا کا شکر ہی کرتے تھے۔ اور ہر طرح کی کیفیاتِ انقباض و انبساط کو اس ذاتِ احدیت کی طرف سے ہی محمول کرتے تھے ؎

تیری ہزار برتری، تیری ہزار مصلحت میری ہر اک شکست میں میرے ہر اک قصور میں

ان کی نہایت صحیح شان كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (کہ وہ اللہ کے ہاں صاحب وجاہت ہیں) میں مضمر ہے اور وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (اللہ نے ان کو پسندیدہ اور اپنی رضا پر راضی بنا دیا) میں ان ہی کے درجات کی تفصیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شام کا سفر کیا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو اس وقت حاکم شام تھے۔ ان سے فرمایا کہ ہم کو اپنے گھر لے چلو۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ وہاں جا کر کیا کریں گے وہاں جا کر رونے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا تو دونوں حضرات جب شام میں پہنچے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے قصرِ خلافت میں سوائے ایک نمدہ ایک لکڑی کی رکابی اور ایک مشکیزہ کے اور کوئی گھر کا سامان نہ تھا۔ آپ نے کہا۔ ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) تمہارا اسباب کہاں ہے۔ تم امیرِ شام ہو۔ کچھ کھانے کی چیز لاؤ۔ بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے لا کر سامنے رکھ دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ حضرت ابوعبیدہؓ رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ آپ وہاں جا کر روئیں گے۔ ہم کو زیادہ سامان کی کیا ضرورت ہے اتنا ہی کافی ہے جو اصلی قیام گاہ یعنی آخرت تک پہنچا دے۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے فرمایا غَیَّرَتْنَا الدُّنْیَا کُلَّنَا غَیْرَکَ یَا اَبَا عُبَیْدَۃ ۔ یعنی اے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دنیا نے ہم سب کو متغیر کر دیا مگر تم پر اثر نہیں ہوا ۔

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر ۔ کہ ہے ایک نان شعیر پر ہی مدار قوت حیدری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو چار سو دینار اشرفی بھیجے اور قاصد سے کہہ دیا کہ یہ دیکھ کر آنا کہ وہ کیا کرتے ہیں ۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قاصد کے سامنے ہی وہ اشرفیاں سب کی سب اہل حاجت میں تقسیم فرما دیں ایک بھی نہ بچا کر رکھی ۔ فی الحقیقت دنیا کے لئے دل میں جگہ ہی نہ تھی ۔

خانہ خالی کن دلا تا منزل جاناں شود ۔ کیں ہوس ناکاں دل و جاں جائے دیگرے کنند

ترجمہ : ۔ دل دنیا کی خواہشات سے پاک و صاف ہو اور خالی ہو تو اللہ اس میں بستا ہے ۔ کیونکہ حرص و ہوس انسان کو دوسری طرف لے جاتی ہے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دینی سیاست مسلمانوں کے ایمان کو مجلیٰ رکھتی تھی کہ وہ ہر عامل کی غایت درجہ پڑتال رکھتے تھے ۔ کہ اس زہد میں جو بہ برکت صحبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوا ہے کچھ کمی تو نہیں آ گئی مخفی طور پر آپ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہتے تھے اور عمال و حکام کے افعال کردار کی نگرانی میں غایت درجہ سعی فرماتے تھے اسی اتقا کی وجہ سے صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہا جاتا ہے ۔

عمال اور والیان علاقہ کی نگرانی سیاست کے ان اصولوں میں سے تھا کہ جس کو جس درجہ تک ترک کر دیا گیا ۔ اسی قدر خرابیوں کا ظہور ہوا ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نرم رویہ نے عمال کی طبائع کو بگاڑ دیا ۔ حضرت عمر رضی اللہ کی سختی اور کڑی نگرانی کے فوراً بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی نرمی اور رعایت نے خام طبائع کو معیار اعلیٰ سے ہمدوش نہ ہونے دیا ۔ اور جو خرابی پیدا ہوئی وہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی سخت گیری سے یکدم رو بہ اصلاح نہ ہوئی ۔

اتنا لمبا عرصہ حکومت اور گورنری کرنے سے حکومت کی بو باس امیر معاویہ کے دماغ میں جگہ کر گئی یہی وجہ تھی کہ اب حکومت کو چھوڑنا انہیں سخت ناگوار گزرا اور جب حضرت کرم اللہ وجہٗ نے ان کو معزول کرنا چاہا تو اڑ گئے بلکہ مقابلہ کی ٹھان لی ۔ امیر معاویہ کا پختہ خیال تھا کہ بنو ہاشم میں خلافت یا حکومت آنی ہی نہ چاہیئے تھی چنانچہ اس خیال کے تحت انہوں نے

اپنے ترکشِ تدبیر کے تمام تیر چلا دیئے۔
تسخیرِ قلوب کے لئے بیت المال کا روپیہ بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عقیل ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سے کچھ مالی امداد طلب کی۔ اتفاقاً حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے پاس اس وقت زر و مال نہ تھا اور بیت المال سے اس لئے نہ دیا کہ وہ مسلمانوں کا مشترکہ مال تھا امیر معاویہ کو علم ہوا تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا لیا اور بہت کچھ نوازا۔ یہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو خفیف کرنے کے لئے کیا گیا۔ مگر اسد اللہ الغالب رضؓ نے اس بات کی چنداں پرواہ ہی نہ کی۔
حضرت عبید اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو اس غلطی سے قتل کر دیا کہ حضرت عمر رضی اللہ کے قتل کی سازش کا اس پہ شبہ تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ان سے قصاص طلب کیا۔ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سر آتی دیکھی تو آپ امیر معاویہ کی خدمت میں چلے گئے کہ وہاں ایسی پابندیاں نہ تھیں۔
بعد وفات حضرت علی کرم اللہ وجہ کا واقعہ ہے کہ قیس بن احنف اور عقیل ابن ابی طالبؓ امیر معاویہ کے دربار میں بیٹھے تھے کہ امیر معاویہ نے قیس بن احنف سے کہا کہ اگر میں تم کو مجبور کروں تو تم وہ بات کہو گے۔ وہ نکتہ شناس تھے۔ ان کو علم تھا کہ ان کی من بھاؤنی بات حضرت علی کرم اللہ وجہٗ پہ لعنت بھیجنا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت امیر تو تبین شہادت پا گئے اس دنیا کو چھوڑ گئے۔ جو دنیا میں ہی موجود نہیں اس کے سب وشتم سے کیا فائدہ ؟ مگر امیر معاویہ بر ضد ہو گئے اور اس قدر برہم ہوئے کہ طیش میں آکر کہا کہ ابھی برسرِ منبر کھڑے ہو کر سب علیؓ کرو۔ وہ کھڑے ہو گئے اور پہلے تو خدا کی حمد وثنا کی پھر نعت رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے مناقب پڑھ کر کہا کہ لوگو! معاویہ بن ابوسفیان مجھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ پر لعنت بھیجنے کو کہتا ہے۔ خدا کی اس پر لعنت ہو۔ یہ کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے تو معاویہ نے پوچھا کہ لعنت مجھ پر بھیجی ہے یا علی پر؟ تو انہوں نے کہا کہ قسم ہے خدا کی کہ میں نے جو کہا ہے سو کہا ہے اس میں ایک حرف بھی نہ گھٹاؤں گا نہ بڑھاؤں گا۔ معاویہ نے کہا کہ اچھا! میں یہ کام اس سے کرا لوں گا جس سے اس کے کہنے کی امید نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم منبر پر چڑھ کر علیؓ پر لعنت بھیجو!

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر توصیف و تحمید الٰہی کہہ کے رسول پاک ؐ پر درود بھیجا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ بیان کرکے فرمایا کہ لوگو گواہ رہو کہ معاویہ بن ابو سفیان مجھ کو حضرت علیؓ پر لعنت بھیجنے کو کہتا ہے۔ خدا کی اس پر لعنت ہو" اتنا کہا اور منبر سے نیچے اُتر آئے۔ معاویہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ یہ لعنت کس کے حق میں ہے میرے حق میں یا علی کے حق میں؟ تو عقیل نے جواب دیا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے خوب سوچ کر کہا ہے۔ اس میں ایک حرف بھی گھٹا بڑھا کر نہ کہوں گا جو سمجھتا ہو۔ وہ سمجھ لے۔

امیر معاویہ یہ راز دار جواب سمجھ گئے مگر ان دونوں کو کچھ نہ کہا۔ اسی طرح مدارت سے پیش آتے رہے امیر معاویہ کا طریق تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاسدار لوگوں اور عمّال کی خاطر تواضع کرکے تسخیر قلوب کرتے رہتے تھے۔ اُس طرف فقط للّٰہیت تھی اور دنیا کی گھناؤنی چالیں نہ چلی جاتی تھیں جن کو آج کل کامیاب سیاست کے نام سے معنون کیا جاتا ہے۔ مگر اُس طرف یہ سیاست ہی بر دستے کار تھی اور دھاندلی شامل حال تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا لطف شیر خدا علی المرتضیٰ کے اقتدا میں آتا ہے اور کھانے کا لطف معاویہ کے دستر خوان پہ آتا ہے۔

گو بہ قول طبری امیر معاویہ اپنے مہمانوں کے عشائیہ پر کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کی نوعیت مختلف انواع سے پرکھی جاتی ہے۔ پھر بھی تیز زبان بدیں وہ کوتاہ دست نہ تھے اور فراخ دلی سے نہ رہا کرتے تھے۔ اس صفت نے ان کو دریاً قریباً عوام کی پسندیدگی کا مرکز بنا دیا تھا۔

جنگ صفین

عمرو بن العاص مع اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کے مدینہ کو چھوڑ کر فلسطین میں بیت المقدس میں مقیم تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ان کے بعد واقع ہوئی جنگ جمل کے حالات بھی سن پائے قاتلین عثمان رضی عنہ سے قصاص لینے میں تامل کی غلط خبر بھی وہیں سُنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ کی باہمی جنگ و پیکار کی تیاریوں کے متعلق بھی سُنا۔ آپ نے اپنے دونوں بیٹوں سے مشورہ لیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں امیر معاویہ کے پاس چلا جاؤں اور وہاں جا کر مسئلہ خلافت میں دخیل ہو کر اس نزاع کا خاتمہ کرا دوں۔

عبداللہ نے کہا کہ آپ اس معاملہ میں خاموش رہیں اور گوشہ نشین ہی رہیں تو بہتر ہے

مسلمان خود اتفاق و اجماع سے کسی کو خلیفہ مقرر کر لیں گے۔ دوسرے بیٹے محمد نے کہا کہ آپ عرب کے عمائدین اور با اثر لوگوں میں سے ہیں۔ اس لئے جب تک آپ اس معاملہ میں دخل نہ دیں گے یہ معاملہ طے نہ ہو گا سے

آتی تھی کوہ سے صدا رازِ حیات اور ہے ۔ کہتا تھا مور ناتواں لطف خرام اور ہے

آپ نے دونوں کی رائے کو سنا اور کہا کہ عبداللہ کے مشورہ میں دین کی بھلائی ہے اور محمد کے مشورہ میں دنیا کی بہتری ہے۔ آپ نے دنیا کی ہی بہتری کو مقدم کیا۔ مصر کی گورنری کا خیال ان کے دل میں لہریں لے رہا تھا کہ کبھی ہوئی راکھ میں امید کا انگارہ چمکا۔ اور یہ بیت المقدس سے روانہ ہو کر کشاں کشاں دمشق میں امیر معاویہ کے پاس جا پہنچے سے

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئینگے ۔ بن بلائے مرے گھر آپ چلے آئینگے

امیر معاویہ نے ان کے آنے کو نہایت ہی غنیمت سمجھا۔ گویا کہ انتظار میں تھے سے

کیا حسین اور زمانے میں نہیں ہے کوئی ۔ لیکن اے دوست مراذوق نظر عام نہیں

امیر معاویہ کے دفاکوشش اس لئے بھی زیادہ وفادار تھے کہ منہ کی مرادیں پوری ہو جاتی تھیں۔ عمرو بن العاص اس لئے جنگ میں شامل ہونے کے لئے تیار ہو گئے کہ اگر امیر معاویہ فتح یاب ہو گئے تو مصر کی گورنری عمرو بن العاص کو دی جائے گی۔

اب یہ امیر معاویہ کا اعتماد حاصل کر چکے تھے اور ان کے رکنِ رکین اور مشیر تھے آپ نے مشورہ دیا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دکھانا بند کر دیں اس سے لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اس لئے کبھی کبھی خاص موقعہ پر دکھا دیا کریں۔ چنانچہ امیر معاویہ نے ان چیزوں کی نمائش بند کر دی اور جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اطلاع ہوئی کہ ابوالاعور لشکر شام لئے آ رہا ہے تو آپ نے دریائے فرات عبور کر کے زیاد و شریح دو سرداروں کو مقدمۃ الجیش مقرر کر کے آگے روانہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی زیاد بن نضر کو آٹھ ہزار کی جمعیت دے کر روانہ کیا۔ اور اشتر کو حکم دیا کہ جب تم زیاد اور شریح تک پہنچو تو تمام لشکر کی سرداری اپنے ہاتھ میں لیکر ان کو میمنہ و میسرہ پر مقرر کر دو۔ اور جب تک لشکر شام تم پر حملہ آور نہ ہو تم ہرگز ہرگز پہل نہ کرنا۔

غرض ادھر سے اشتر اور ادھر سے ابوالاعور سلمی اپنے اپنے لشکروں کو لئے موقعہ جنگ پہنچ گئے اور ایک دوسرے کے مقابل خیمہ زن ہو گئے۔

صبح سے شام تک دو نو لشکر خاموشی کے ساتھ پڑے رہے۔ لیکن شام کے وقت ابوالاعور نے حملہ کر دیا اور تھوڑی دیر لڑائی ہو کر دونو فریق اپنے اپنے لشکروں میں آگئے۔ دوسرے دن صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بھی پہنچ گئے اور ساتھ ہی خبر پہنچی کہ امیر معاویہ بھی قریب پہنچ گئے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے پہنچتے ہی حکم دیا کہ دریائے فرات کے کنارے سے پانی پر قبضہ کر لو مگر امیر معاویہ کی فوج نے پہلے ہی قبضہ کر رکھا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے صعصعہ بن صوحان کے پاس امیر معاویہ کو یہ پیغام بھیجا:-

ہم تم سے اس وقت تک نہ لڑتے جب تک کہ تمہارے عذرات نہ سن لیتے اور بہ ذریعہ تبلیغ حق تم پر حجت پوری نہ کر لیتے۔ لیکن تمہارے آدمیوں نے لڑائی کی ابتدا کر دی۔ اب ہم یہی مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے تمہیں راہ حق کی دعوت دیں۔ اور جب تک حجت پوری نہ کر لیں۔ ہرگز لڑائی شروع نہ کریں۔ مگر افسوس ہے کہ تم نے فرات پر قبضہ کر کے ہمارے لئے پانی بند کر دیا۔ لوگوں کا پیاس سے برا حال ہے۔ اپنے آدمیوں کو حکم دو کہ ہمیں پانی سے نہ روکیں یہاں تک کہ نزاعی امور کا فیصلہ نہ ہو جائے اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ جس غرض سے ہم یہاں آئے ہیں اس کو فراموش کر کے پانی پر لڑیں اور جو غالب ہو وہی پانی پی سکے تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔

امیر معاویہ نے اپنے مشیروں کو طلب کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ پیش کر دیا۔ عبداللہ بن سعد ابن سرح سابقہ گورنر مصر اور ولید بن عقبہ نے کہا کہ ہم کو پانی سے قبضہ نہیں اٹھانا چاہیئے کیونکہ ان لوگوں نے بھی تو حضرت عثمانؓ کا پانی بند کر دیا تھا۔ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے بند نہیں فرمایا تھا۔ مگر عبداللہ بن سعد نے اشتعال دلانے کے لئے یہ بات کہی تھی کہ معاویہ کو غلطی پڑ گیا یا جا تا) اس کا خیال تھا کہ ہم ان کو پیاسا ہی مار دیں مگر عمرو بن العاص نے اس کے خلاف رائے دی اور کہا کہ پانی ہرگز بند نہیں کرنا چاہیئے اسی اثناء میں صعصعہ اور ولید بن عقبہ میں سخت گفتگو شروع ہو گئی اور دشنام طرازی ہونے لگی صعصعہ وہاں سے ناراض اٹھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پاس آئے اور کہا کہ وہ ہم کو پانی لینے کی اجازت نہیں دیتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اشعث بن قیس کو سوار دں کا دستہ دے کر حکم دیا

کہ پانی پر زبردستی قبضہ کر لو۔ ادھر سے ابوالاعور نے مقابلہ پہ تیاری کی مسلمانوں نے مسلمانوں کی گلو تراشی کی۔ تلواریں چمکیں۔ بھالے اور نیزے بلند ہوئے خون بہا۔ مسلمانوں کے سر مسلمانوں کے ہاتھوں دھڑ سے جدا ہوتے۔ اور کلمہ پڑھنے والوں نے کلمہ پڑھنے والوں کے گلے کاٹے۔ یہ بازی لگ رہی تھی کہ عمرو بن العاص نے معاویہ کو سمجھایا کہ اگر تم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کو پانی نہ دیا اور وہ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری قساوت قلبی اور ظلم کا چرچا ہوگا اور تمہارے لشکر کے آدمی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملیں گے۔ یہ مشورہ معقول تھا۔ اور اعلان کرایا گیا کہ پانی سے کسی کو بھی نہ روکا جائے۔ اس طرح یہ ہنگامہ چمک کر پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

دو دن بعد تک دونوں لشکر خاموشی سے بیٹھے رہے تیسرے دن یکم ذی الحج ۳۶ھ ہجری کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بشیر بن عمرو۔ سعید بن قیس۔ شبیث بن ربعی پر مشتمل ایک وفد معاویہ کے پاس بھیجا کہ ان کو سمجھائیں اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ یہ سفارت معاویہ کے پاس پہنچی۔ اور یوں گفتگو شروع ہوئی:۔

بشیر بن عمرو:۔ اے معاویہ! تم مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا نہ کرو۔ اور خواہ مخواہ خونریزی کے اسباب پیدا نہ کرو!

امیر معاویہ:۔ تم نے یہ نصیحت اپنے دوست علی (کرم اللہ وجہ) کو بھی کی یا نہیں۔

بشیر و بن عمرو:۔ وہ سابق الاسلام اور آنحضرت صلعم کے قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے خلافت و امارت کے زیادہ حق دار ہیں۔ تم کو ان کی اطاعت اختیار کر لینی چاہیئے۔

امیر معاویہ:۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ہم خون عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ چھوڑ دیں۔

اس کا جواب شبیث بن ربعی نے دیا کہ اے معاویہ تمہارے خون عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبہ کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور اصلی مدعا کو پہچانتے ہیں۔ تم نے کی لئے عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے میں تاخیر کی تھی کہ وہ شہید ہو جائیں اور تم ان کے خون کے مطالبہ کا بہانہ بنا کر خلافت و امارت کا دعویٰ کرو۔ اے معاویہ! تم اپنے اس خیالِ خام کو چھوڑ دو اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جھگڑا نہ کرو!

امیر معاویہ نے یہ جواب سن کر تلخی سے جواب دیا۔ اُدھر بھی سخت جواب ملا بزرگی برتری کی سوال و جواب کے بعد یہ ناکام سفارت واپس لوٹ آئی اور پھر جنگ شروع ہو گئی اسی طرح ابتدائی جھڑپیں ہوتی رہیں کافی خون خرابہ ہوا گو دونو طرف کے فریق اس لئے بے دلی سے لڑتے تھے کہ دونو طرف خون مسلمانوں کا ہی تھا جو بہتا تھا تاہم لڑائی اور جنگ کا بھوت جب ناچتا ہے تو خون کی قیمت یہ ہی ناچتا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد امیر معاویہ نے صلاح و مشورہ لے کے ایک وفد اپنی طرف سے بارگاہ حیدری میں بھیجا جس نے یہ پیغام دیا کہ تم نے خلیفۂ برحق کو قتل کیا ہے جو کتاب و سنت کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اگر تم خود کو بری سمجھتے ہو تو قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالہ کرو اور امارت یا خلافت کے مسئلہ کو رائے عامہ پر چھوڑ دو۔ جسے چاہیں امیر بنا لیں۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

امیر معاویہ کا پُرمعنی بھولاپن

وفد کے بظاہران سیدھے سادھے الفاظ مگر بباطن پر معنی تقریر سے جو نتیجہ نتیجہ ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت چھوڑ دیں اور عامتہ الناس جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنا لیں۔ دوم یہ کہ خلافت اس جرم کی پاداش میں چھوڑیں۔ کہ انھوں نے خلیفۂ برحق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا اس کے سامان پیدا کئے اور اس کے ممد و معاون ہوئے۔

دراصل امیر معاویہ ایسے غنیمت وقت کو ہاتھ سے کھو دینا پسند نہ کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ آج کا دن کل کو نہ آئے گا۔

نہ امروز کارت بہ فردا ممان   چہ دانی کہ فردا بہ گزرو زمان

ترجمہ: آج کا کام کل پر نہ چھوڑ دو کیا معلوم ہے کہ جو موقع آج ملا ہے کل نصیب نہ ہو ان کو پتہ تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ محض شبہ کی بنا پر کسی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل گردان کر ہمارے سپرد نہ کریں گے اور ہمارا یہ بہانہ خلافت حاصل کرنے کے لئے ایک فیصلہ کن ضرب کا کام دے گا۔

مروان جس کی خباثتِ نفس اور شرارتیں سب پر عیاں ہو چکی تھیں اور تحقیق تمام نے اس کے جرم کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے

لوگوں کے سپرد کرنے میں اتنی احتیاط برتی کہ خود اپنی جان کو ورطۂ ہلاکت میں ڈال دیا مگر اُنہیں نہ دیا اور خدا کے خوف سے ڈرے کہ یہ شاید ناحق ہی نہ مارا جاوے۔ کیونکہ ان بزرگوں کا شیوہ حد درجہ حزم و احتیاط کا تھا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ بغیر جرم ثابت ہوتے محمد بن ابوبکر اور اشتر کو ان لوگوں کے سپرد کیسے کر دیتے۔ مگر کنبہ پروری کے جذبات کے تحت امیر معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو مستحسن قرار دیا اور اسی احتیاط کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے برتی حصولِ حکومت کے جذبات کے تحت امیر معاویہ نے قصور کی نگاہ سے دیکھا اور بلاوجہ اُن کی ذات ستودہ صفات کے خلاف مشتعل ہو گئے۔ ؎

ہوشیار اے صاحبِ عقلِ سلیم　　درکمیں ہا مے نشستہ ایں غنیم

ترجمہ:۔ اے عقلِ سلیم والے خبردار رہ کہ یہ دشمن تاک لگائے بیٹھا ہے۔

امیر معاویہ کا زبانی مقصد کچھ اور تھا اور دلی مدّعا اس سے بالکل مختلف تھا۔ ورنہ کیا وہ یہ نہ سمجھتے تھے کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کب پناہ دی تھی اور کیوں پناہ دیتے تھے۔

اب ذرا معاملات کی تہ تک پہنچیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اکثر الناس کو امیر معاویہ نے اپنے حق میں سیاسی چال اور دولت و مال سے ہموار کر لیا تھا۔ اور خود خلافت پر ابھی سے دانت رکھے بیٹھے تھے۔ اس طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف تکدر پیدا کر کے فضا کو خراب کر رکھا تھا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان تمام حرکات پر رنج ہوا اور آپ نے ان کو فہمید کی کرائی۔ خلافت کے متعلق ان کو زبان کشائی کا ہرگز منصب حاصل نہیں۔ اور آپ نے ان کو ڈانٹا کہ اب تمہارے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ کہ جو دل میں آتے کر دیتے۔ نے فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بہتر کام کرتے دیکھا تو ہم خاموش رہتے۔ ورنہ ہم ان کی نسبت حضورِ نبوی سے زیادہ قریب تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے منتخب کیا تو بھی ہم خاموش رہے اور امارت میں کوئی دخل نہیں دیا عوام کو ان سے کشیدگی پیدا ہو گئی اور وہ شہید ہو گئے تو لوگوں نے مجھ کو منتخب کر لیا۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے بعد عہد شکنی کی اور حقیقت معلوم ہونے پر ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اب تمہارے

رفیق معاویہ نے مخالفت کا بیڑا اٹھایا۔ حالانکہ میری طرح معاویہ کو سبقتِ اسلام کا شرف حاصل نہیں۔ مجھے تو حیرت ہے کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر اس کے مطیع کیونکر ہو گئے ہیں پھر تم کو کتاب و سنت کی دعوت دیتا ہوں۔ میری دعوت قبول کرو!
مگر امویوں و فدکے لوگ یہ کہہ کر چلے گئے کہ ہم تم سے بیزار ہیں۔
حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ایک آیت پڑھی اور فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت تک ہرگز نہ سنیں گے جب تک کہ مجبور نہ کر دیئے جائیں۔

علامہ ابن خلدون کی رائے تاریخی ماحول میں

جس طرح علامہ ابن خلدون کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت کے خواہش مند تھے اور سابقہ ادوارِ خلافت میں بھی وہ اپنی حق تلفی محسوس کرتے رہے یہ صرف ظنی قیاس ہے۔ کیونکہ اوّلاً تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد وہ خلافت کو قبول کرنے پر مجبور کئے گئے تھے اپنی خوشی اور دلی خواہش یا رضا و رغبت سے خلیفہ نہ ہوتے تھے۔ دوم یہ کہ اس خلافت کو قبول کرنے سے حضور کا مقصد یہ تھا کہ از روئے پاکیزگیٔ نفس ادراک و استعدادِ روحانی اور خلافت و نیابتِ الٰہی کا حق دار اس وقت خود ان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس لئے مفادِ اسلام کی خاطر آپ کو جمہور کا کہنا ماننا پڑا۔ چنانچہ بہ حالتِ قیامِ بصرہ ابن کوا رضی اللہ عنہ اور قیس بن عباد رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ بعض لوگوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آپ کو خلیفہ مقرر کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ سے زیادہ معتبر اور ثقہ کون ہوگا۔ اس شہرت کی تصدیق یا تکذیب فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ غلط بات ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کیوں خلیفہ ہونے دیتا۔ علالت میں حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا۔ تو ہم سب نے خیال کیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ کون ہو سکتا ہے۔ نظر اسی ذاتِ گرامی پر گئی جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کی جگہ امام ہوتی تھی۔ کیونکہ نماز اصلِ دین ہے۔ اس لئے میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو انتخاب نہیں فرمایا۔ اگر وہ نفسانیت پر آتے۔ تو اپنی اولاد کو کیوں محروم کرتے!

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہم سب نے باتفاق خلافت سپرد کی۔ ان کے بعد ہیں نے دیکھا۔ کہ اب قابلِ بیعت کوئی نہیں۔ لہٰذا یہ مجبوری خلافت کو سنبھالا۔ اب میرا مقابل وہ شخص ہے (اشارہ امیر معاویہ کی جانب ہے) جس میں قرابتِ رسول، علمِ دین، سبقتِ اسلام، کوئی چیز نہیں۔ وہ کسی حالت میں بھی خلافت کا مستحق نہیں ۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ فیصلہ کس قدر معقول ہے۔ اور کون ہے۔ جو اس پہ آمنا وصدقنا نہیں کہتا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا تھا۔ کہ اس وقت حضورِ اکرم سے جانشینی کا سوال حل کرالیں۔ مگر خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس بات کو ناپسند کیا۔ اگر ابنِ خلدون کا نظریہ درست ہوتا۔ تو آپ اس وقت کیوں خاموش رہتے۔ اور یہ بات ناگوار ہونے کی بجائے خوشگوار کیوں نہ ہوتی۔

جمہور اصولِ اسلام ہے۔ مگر وہ جمہور ایسا نہیں ہوتا کہ ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو　　کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ایک ہی پلیٹ فارم پر دو جمہور جمع ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جس جمہور نے منتخب کیا۔ اُن میں زاہد و عابد، دیندار و متقی صحابہ تھے۔ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے تھے۔ جنگِ بدر میں جہاد کرنے والوں میں سے تھے۔ جن کی فضیلت قرآنِ مجید میں بیان ہے۔ اور امیر معاویہ نے لالچ دے کر جس جمہور کو اکٹھا کیا وہ یہ تھے۔ کہ گورنری کا لالچ، عہدوں کی حرص اور اقتدارِ دنیوی کی طمع ان میں سے ہر ایک میں تھی۔ حدیث۔ اِنَّ اَخْوَنَکُمْ عِنْدِیْ مَنْ طَلَبَہٗ۔ ہمارے نزدیک تم [illegible] سب سے بڑا خائن وہ ہے۔ جو خود اس کا طالب ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی۔ کہ [illegible] مَنْ تَاَمَّرَ مِنْکُمْ عَلٰی غَیْرِ مَشْوَرَۃِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاضْرِبُوْا عُنُقَہٗ۔ تم میں سے جو کوئی مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر زبردستی امیر بنے اس کی گردن مار دو۔

کیا امیر معاویہ اس اسلامی قانون کے تحت گردن زدنی کئے جانے کے مستحق نہ تھے!!!

حدیث۔ اِنَّا وَاللّٰہِ لَا نُوَلِّیْ عَلٰی عَمَلِنَا ھٰذَا اَحَدًا سَاَلَہٗ اَوْ حَرِصَ عَلَیْہِ

ترجمہ: خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو اپنی حکومت کے کسی منصب پر مقرر نہیں کرتے جس نے اس کی درخواست کی ہو یا جو اس کا حریص ہو۔
جنہوں نے [illegible] جنگِ صفین کا آغاز ہوا ان ایام میں قیس بن سعد بن عبادہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مصر کے حاکم تھے۔ امیر معاویہ نے ہر چند کوشش کی۔ کہ وہ کسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چھوڑ کر ان سے مل جائیں۔ مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ جوئندہ یابندہ آخر معاویہ کو ایک ترکیب سوجھی جس سے ان کا مطلوبہ کام نکلتا نظر آیا۔ ایک فرقہ عثمانیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت سے انکار کیا۔ اور اس فرقہ کے سب آدمی اکٹھے ہو کر مصر کے قریب ایک گاؤں خزنبہ میں جا رہے۔ باوجود قیس کے مجبور کرنے کے وہ کسی طرح بھی بیعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر راضی نہ ہوئے۔ مگر کسی مصلحت سے قیس نے ان سے نہ کوئی تعرض نہ کیا۔ اور کسی قسم کی سختی نہ کی۔ معاویہ کب نچلے بیٹھنے والے تھے۔ ایسی سیاسی چال چلے۔ کہ جس میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آئی۔ قیس کی طرف سے ایک جعلی خط خود ہی لکھ کر لوگوں میں مشتہر کر دیا۔ کہ قیس کا مجھ سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ فرقہ عثمانیہ سے کچھ تعرض نہیں کرتا۔ ورنہ وہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کیوں نہ کر لیتے۔ اور وہ ان لوگوں کو مجبور کیوں نہ کرتا۔ یہ خبر پھیلانے والوں نے یوں پھیلائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک بھی جا پہنچی۔ آپ نے اسے راستی پر محمول کر کے قیس کو معزول کر دیا اور محمد بن ابوبکر کو ان کی جگہ حاکم مصر مقرر کر دیا۔ قیس نے محمد بن ابوبکر کو بھی سمجھایا۔ کہ مجھے اس بات کا رنج نہیں۔ کہ میرے ساتھ نا روا سلوک ہوا ہے۔ مگر تم مصر کے اندر کسی مخالف گروہ کو پیدا نہ ہونے دینا۔ اور اگر بالاتفاق کوئی گروہ ایسا ہو۔ تو پھر اس کو مصر سے باہر نکال دینا۔ تاکہ کسی قسم کا اندرونی خطرہ نہ رہے۔ چنانچہ اسی ضمن کے تحت محمد بن ابوبکر نے فرقہ عثمانیہ کو مصر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اور قیس بدستور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شامل حال رہے۔ اور معاویہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

جانبین کے لشکر صفین میں پڑے تھے۔ کہ ماہ محرم تمام گزر گیا۔ (محرم کا سب مسلمان احترام کرتے ہیں) اور جنگ سے احتراز رکھا۔ مگر امیر معاویہ کی روش درست نہ ہوئی اور انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ تمام امیدیں خاک میں ملا دیں جو صلح کے متعلق تھیں۔

اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ آخر جنگ کے نقشہ پر غور کر رہے تھے۔ کہ دشمن کا ایلچی آیا۔ اور کہا۔ کہ بہتر ہوگا۔ کہ آپ ایک جلسہ عام میں یہ تجویز پیش کیجئے۔ کہ خلافت معاویہ کا حق ہے۔ یا علی (کرم اللہ وجہہ) کا۔ ہر کس بہ خیال خویش خبطے دارد۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس مکارانہ تجویز کا سختی سے جواب دیا۔ کہ معاویہ کا خلافت سے کیا واسطہ ہے۔ وہ اس باپ کا بیٹا ہے۔ جس کے مزاج میں منافقت تھی۔ اور اس ماں کے

کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ جس نے اُحد کی لڑائی میں امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا۔ ایسے شخص کو خلافت سے کیا تعلق؟

سفیر نے بجنسہٖ یہی الفاظ جا کر کہہ دیئے۔ جس سے امیر معاویہ چونک اٹھے۔ اور زیادہ سیخ پا ہو گئے۔

زمن گیر ایں کہ مردے کور چشمے　　ز بینائے غلط بینے نکو تر

ترجمہ:۔ مجھ سے سیکھ کہ اندھا آدمی اس دیکھنے والے سے بہتر ہے۔ جو غلط دیکھتا ہے۔

یکم صفر سے پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ جو تین ماہ اور بیس یوم تک متواتر جاری رہی۔ اور نوے دفعہ فریقین نے محاربہ و قتال کیا۔ شامی فوج کے پینتالیس۴۵ ہزار آدمی کام آئے۔ اور عراقی فوج کے پچیس۲۵ ہزار شہید ہوئے۔ جن میں چھبیس۲۶ صحابۂ بدر بھی تھے۔ ان میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔ کہ ان کی عمر نوے۹۰ سال کی تھی۔ اور ہاتھ میں رعشہ کی مرض غالب تھی جوشِ ایمان سے نعرہ بلند کرتے تھے۔ کہ ہم تم سے علیٰ تاویل القرآن محاربہ کرتے ہیں۔ کہ باوجود دعاسِ اسلام کے خلافتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اختلاف و انحراف کرتے ہو۔ وقتِ شہادت تک جنگ سے دست بردار نہ ہوئے حتیٰ کہ حدیث شریف کی تصدیق کی کہ حق سے باغی فرقہ کے خلاف محاربہ کرتے کرتے انہی لوگوں کے ہاتھوں عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوگا۔ چنانچہ ابو عادیہ نے جو معاویہ کی طرف سے لڑتا تھا ایک نیزہ مارا۔ جس کے صدمہ سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ گر پڑے اور ایک دوسرے شخص نے سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جنگِ صفین کی کسی جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج کے ساتھ شامل رہے۔ اور ایک دن شہدا کی لاشوں میں ان کی لاش بھی دیکھی گئی۔ جسم پر گھنے بال تھے۔ جس سے مشخص ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث کی تصدیق ہو گئی۔ کہ اویس رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرنے والا گروہ غلطی پر ہوگا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ غیب

اسی طرح کی غیبی خبریں حضور ؐ نے اپنی زندگی میں دیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ جس سے لوگوں کے ایمان حقانیت پر مضبوطی سے قائم ہو جاتے تھے۔ اور وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر مکمل یقین رکھتے تھے۔ اور عامۃ الناس ان صداقتوں کے واضح ہونے سے صحیح ایمان پر پختہ ہو جاتے تھے۔ مثلاً اغزدہ موتہ میں سب۔

سے پہلی خبر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت اور پھر جعفر اور رواحہ رضی اللہ عنہما کی شہادت کی آپ نے لوگوں کو سنا دی کہ زید رضی اللہ عنہ نے نشان لیا وہ شہید ہو گیا۔ پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے نشان لیا۔ وہ بھی شہید ہوا۔ پھر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے نشان لیا وہ بھی شہید ہو گیا۔ یہ کہہ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور پھر فرمایا۔ کہ اسکے بعد خدا کی تلوار یعنی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے نشان لیا اور فتح حاصل ہوئی۔ چنانچہ اسی کے مطابق خبر موصول ہوئی۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ ایک شقی تجھ کو کنپٹی پر زخم دے کر شہید کریگا۔ اور میں وہ زخم تمہارے چہرہ پر دیکھ رہا ہوں۔"

اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور خواجہ اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ کی شہادت کی خبر آپ نے پہلے ہی دے دی تھی۔ اور اب ان احادیث کی روشنی میں حق و باطل کی تمیز کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ اور اب خوب ناخوب سے خود ہی تمیز ہو گیا تھا۔ اب بھی امیر معاویہ عمرو بن العاص اور ان کے ساتھی باز نہ آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بارہ ہزار آدمی لے کر پھر ایک تازہ حملہ کیا۔ اب مخالفین یہ محسوس کر رہے تھے۔ کہ وہ آگ سے نکل کر آتش فشاں پہاڑ کے دہانہ پر پہنچ چکے ہیں۔ ایک ہی ہلہ میں ان کی تمام فوج کائی کی طرح پھٹ گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے معاویہ سے بآواز بلند کہا۔ کہ معاویہ! کیوں مخلوق خدا کا خون اپنی حرص اقتدار کے لئے بہا رہا ہے۔ لڑائی میری اور تیری ہے۔ تو کہ ان کی سامنے آ کر ہم دونوں لڑ کر اپنی اپنی قسمتوں کا فیصلہ کریں۔ جو کامیاب ہو وہی امیر بنے!

عمرو بن العاص نے امیر معاویہ سے کہا۔ کہ جائیے آپ کی طلب ہو رہی ہے۔ اور بات بھی ٹھیک ہے۔ کہ خود جا کر اور لڑ کر فیصلہ کر لیجئے!۔

امیر معاویہ نے جواب دیا۔ کہ ٹھیک ہے۔ کیا مجھے معلوم نہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں جو گیا کبھی زندہ نہیں لوٹا۔

ہر مومن مومن از سوز وجودش | کشود ہر گرہ بستند از کشودش
جلال کبریائی در قیامش | جمال بندگی اندر سجودش

ترجمہ: مومن کی شان یہ ہے۔ کہ عشق الٰہی سے تابناک ہے۔ جو اس کے اندر جلوہ گر ہے۔ اسی کی برکت سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اس کے قیام میں اللہ کا جلال اور اس کے سجدہ میں

عبودیت کا جمال ہے۔

دوسرے دن جب معرکہ کا بازار گرم ہوا۔ تو عمرو بن العاص جو اب شام کی افواج کے سپہ سالار تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر میں آگئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمرو! افسوس ہے۔ تجھ پر کہ تو صرف ایک مصر کے لئے اپنا دین فروخت کر رہا ہے۔ تو عمرو بن العاص نے نے جواب دیا۔ کہ میں تو عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ عمرو! میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تیرے ان افعال سے ہرگز خوش نہ ہوگا اور مرنے کے بعد تجھے حقیقت معلوم ہو گی۔ تو نے کچھ آج ہی اس لشکر کی علم برداری نہیں کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آکر بھی تو تین بار مجھ سے لڑ چکا ہے۔ اور آج چوتھی بار مقابلہ کو نکلا ہے۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے ہیں۔ میں تم کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یہ نہیں فرمایا تھا۔ کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی جماعت شہید کرے گی۔

عمرو بن العاص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جنگ شروع تھی۔ پھر ایک مرتبہ عمرو سامنے آئے اور بڑی ہمت کر کے حملہ کیا۔ لیکن عمرو کی جسمانی اور روحانی قوت کا شیر خدا رضی اللہ عنہ کی بے پناہ قوت سے کیا مقابلہ تھا۔ ایک ہی پُر زور حملہ سے حواس گم ہو گئے۔ تو فن حرب سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو گھوڑے سے گرا کر اپنا ستر کھول دیا۔

عمرو بن العاص کی یہ حرکت دیکھ کر حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے منہ پھیر لیا۔ اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں گرے ہوؤں پر حملہ نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ یہ آئین شجاعت سے بعید ہے۔ دشمن کو اس طرح کون چھوڑ کر جاتا ہے۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ عام آدمیوں جیسے آدمی نہ تھے۔ ان کے مخالفین کی دناءت کے بالمقابل ان کا نام علی ان کے اپنے اعلیٰ اخلاق اور علو مرتبی کا سرمایہ دار ہے۔ جو شرافت وغیرہ اور قرب الٰہی ان کو حاصل تھی۔ ان کے وقت کے دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل نہ تھی۔ اسی لئے وہ سب سے اعلیٰ تھے۔ سب سے افضل تھے۔ اور سب سے زیادہ خدا کے نزدیک اور قریب تھے۔ اسی قرب الی اللہ کی طرف سب کو بلاتے تھے۔ مگر ؎

اُبھرنے ہی نہیں دیتی تہیں بے مائگی دل کی　　　وگرنہ کون قطرہ ہے جو دریا ہو نہیں سکتا

مخالفین ذاتیات میں یا خود غرضیوں میں الجھ کر روشن ضمیری کو دا فدا کر رہے تھے کہ آج قلم بھی اصول ادب کے مطابق ان حقیقتوں کو بے نقاب کرنے سے تھرا رہا ہے۔

حالانکہ عمرو بن العاص جیسے دشمن کو قتل کر ڈالنا حق بجانب تھا۔ اور ان کو چھوڑ دینے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جیتی ہوئی جنگ بھی ہارنی پڑی۔ اور آئندہ صدہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر یہ سب کچھ جذبۂ حق پرستی کے ماتحت ہوا۔ امیر معاویہ ایک پرتکلف خیمہ میں بیٹھے لوگوں سے موت کی بیعت لے رہے تھے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بڑھتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے۔ ابوسفیان کے خادم احمر نے تیزی کے ساتھ جھپٹ کر حملہ کیا۔ جس کو آپ کے خادم نے روکا۔ اور اسی طرح وہ شہید ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے احمر کی زرہ پکڑ کر اور سر سے بلند کر کے زمین پر اس زور سے دے پٹخا۔ کہ اس کے بازو بیکار ہو گئے۔ اور سب دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ لشکر شام میں بھاگڑ پیدا ہو گئی۔ امیر معاویہ مایوس ہو کر بولے کہ عمرو! اب یقیناً شکست ہی ہمارے مقدر میں ہے۔ اور صاف نظر آرہا ہے۔ کہ ہماری قبریں اسی میدان میں بنیں گی! افسوس ہم اسی انجام سے دوچار ہونے کے لئے میدان میں نکلے تھے۔

عمرو بن العاص نے کہا کہ گھبرائیے نہیں۔ میں نے اپنے ترکش تدبیر میں ایک تیر اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔

عین اس وقت کہ امیر معاویہ کے لشکر کو شکست کھانے میں چند لمحوں کی دیر رہ گئی تھی عمرو بن العاص نے اپنی فوج کو حکم دیا۔ کہ وہ قرآن کریم کو نیزوں پر بلند کر دیں۔ قرآن کریم کا بلند ہونا تھا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج میں رد و قبول کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اسی طرح ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بہت لوگوں نے ہاتھ روک لیا۔ اور تلواریں میانوں میں ڈال لیں۔

بہ آیاتش ترا کارے جز ایں نیست کہ از یٰسین او آساں بہ میری

ترجمہ۔ آج کل مسلمان قرآن کریم سے دنیاوی کام چلاتے ہیں۔ قسمیں کھانے بیمار کے سرہانے جب وہ دم توڑ رہا ہو۔ اس وقت اس لئے پڑھنا کہ اس کی برکت سے موت آسان ہو جاوے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ بہادرو! فریب میں نہ آؤ۔ معاویہ۔ حبیب ابن سراح۔ ضحاک ابن ابی سعط وغیرہ نہ صاحب دین و قرآن ہیں اور نہ صاحب ایمان ہیں

ہم ان کی حالت سے بخوبی واقف ہیں ۔ لڑکپن سے ہم صحبت رہے ہیں ۔ بچپن میں بھی وہ نہایت شریر لڑکے تھے ۔ انہوں نے فریب سے قرآن اٹھوایا ہے ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی فوج ایک سرکش و نافرمان فوج تھی ۔ جنگ کے دوران میں بھی وہ برابر نافرمانی کرتے رہے تھے ۔ یہ تو شیر خدا رضی اللہ عنہ کی بے اندازہ شجاعت اور بے پناہ قوت کا مظاہرہ تھا ۔ جو اب تک ہو رہا تھا ۔ یہ نامراد بے دلی سے ہی لڑ رہے تھے ۔ تو اب ان سے کیا توقع تھی ۔ مسعود بن فدک تمیمی ۔ اور زید بن حصین الطائی ناقص الایمان خارجی ہو گئے ۔ اور انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے کہا ۔ کہ یا علی (کرم اللہ وجہٗ) ! قرآن کو ماننا اور مسلّم رکھنا چاہیئے ۔ جب قرآن درمیان میں آیا تو انکار خوب نہیں ۔ اگر آپ قرآن کو نہیں مانتے ۔ تو ہم آپ کو مخالفین کے سپرد کر دیں گے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے جواب دیا ۔ کہ اگر تم کو میری اطاعت منظور رہے تو جنگ کرو ۔ اور اگر میری اطاعت کو واجب نہیں سمجھتے ۔ تو جو تمہاری رائے ہو ۔ وہ کرو !

اشتر علیہ محاذِ جنگ کے سر پر تھا ۔ اور چند لمحوں کی دیر تھی ۔ کہ میدان جیتا گیا تھا مگر ان ناقص العقل اور کج فہم لوگوں نے بہ ضد ہو کر ان کو واپس بلا لیا ۔ ان کم بختوں نے اطاعتِ امیر اور شخصیتِ امیر کو تو کوئی اہمیت نہ دی اور اس فریب کو احترام قرآن پر محمول کر کے فتح شدہ جنگ کو ناکامی میں بدل دیا ۔ اور حزب مخالف نے مصالحت کی گفتگو شروع کر دی ۔ اور یہ اقرار پایا ۔ کہ دومۃ الجندل میں دونو طرف کے حکم اور ثالث جمع ہو کر متفقہ طور پر جو فیصلہ کر دیں ۔ وہ دونو فریق قبول کریں ۔ امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص ثالث مقرر ہوئے ۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ہر چند ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے نامزد کرنے کی کوشش کی ۔ مگر اشعث اور مسعر وغیرہ نے ابو موسیٰ اشعری کا اسم گرامی پیش کیا ۔ اور کہا ان میں اور تم میں فرق ہی کیا ہے ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری جہاں انتہا درجہ کے پاکباز تھے ۔ وہاں انتہا درجہ کے ہی سادہ لوح بھی تھے

راہ روانِ رہِ الفت کا خدا حافظ ہے　　اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

قریباً آٹھ ماہ تک دونو ثالث بحث کرتے رہے ۔ اور عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی تار تار کا مطالعہ کر لیا ۔ اور اپنی کامیابی کی رگوں کو ٹوہ لیا ۔ اور بالآخر دومۃ الجندل میں فریقین کے پانچ پانچ سو آدمی اور دونو ثالث جمع ہو گئے ۔

خارجیوں کا ظہور

تعجب تو عراقی ذہنیتوں پر آتا ہے ۔ کہ خود ہی صلح قبول کی ۔ اور خود ہی اس بات کی مخالفت بھی کرنے لگ گئے ۔ اور حضرت علی

کرم اللہ وجہ سے کہنے لگے۔ کہ تم نے صُلح کیوں کی۔ خدا کے احکام میں بندوں کی ثالثی کا کیا مطلب! حکم خدا کے سوا کسی کا ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ نے یہ فیصلہ منظور کیوں کیا۔ اس سے تو آپ اور آپ کے ماننے والے سب کافر ہو گئے۔ چنانچہ بارہ ہزار افراد فوج سے علیحدہ ہو گئے۔ اور انہوں نے دہشت پھیلانی شروع کر دی اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے خلاف شدید پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کو خوارج کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ان کے عقیدہ کے دُرست کرنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر جب وہ کسی طرح اصلاح پذیر نہ ہوئے۔ اور کمینہ حرکات سے باز نہ آئے۔ تو اعلانِ جہاد کر دیا کیونکہ یہ سب مسلمانوں کو کافر کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کے ساتھ جو جنگیں ہوئیں۔ ان سب میں نہروان کی جنگ بہت شدید اور خوفناک جنگ تھی۔ خارجی اس میں حیرت انگیز دلیری اور استقلال سے لڑے۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنی جرأت و شجاعت سے ان کو پیس کر رکھ دیا۔

عمرو بن العاص کی اس چال سے امیر معاویہ کی شکست فتح میں بدل گئی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی فوج میں تشتت و افتراق پیدا ہو کر خارجیوں کا ظہور ہوا۔ جن کا استیصال کرنے سے آپ کو اتنا وقت نہ مل سکا۔ کہ آپ شام کی طرف متوجہ ہوتے بلکہ ان خارجیوں میں سے ہی ایک شقی کے ہاتھوں آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اور معاویہ کی امارت کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ مصالحت تو منظور ہی کس کو تھی۔ وقت ٹالنا مقصود تھا۔ وہ ٹل گیا۔ دومتہ الجندل کے جلسۂ عظیم میں عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی سادگی اور تقدس سے فائدہ اٹھا کر اور ان کے سامنے موجودہ خانہ جنگی کو حضرت علی کرم اللہ وجہ اور معاویہ کی اقتدار جوئی پر محمول کر کے ان کو دونوں کی معزولی پر رضامند کر کے کسی اور کو خلیفہ تجویز کرنے پر اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ جب اعلان کا وقت آیا۔ تو ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن العاص سے کہا۔ کہ آپ تجویز کا اعلان کر دیجئے۔ عمرو بن العاص نے کہا۔ کہ آپ بزرگ ہیں۔ میں بھلا آپ کے سامنے سبقت کر سکتا ہوں

؎ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ابو موسیٰ اشعری اس فریب کو نہ سمجھ سکے۔ اور اس چال کو واقعی ادب پر محمول کیا اور خود منبر پر کھڑے ہو کر کہا۔ کہ میں معاویہ اور حضرت علی (کرم اللہ وجہ) دونوں کو معزول کرتا ہوں

اب کسی تیسرے کا انتخاب کرو۔ جب وہ یہ کہہ کر اتر آئے تو عمرو بن العاص نے منبر کو زینت دی۔ اور کہا۔ کہ میں بھی ابو موسیٰ کی پہلی بات پر راضی ہوں کہ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو معزول کرتا ہوں۔ اور تیسرے شخص کی جگہ امیر معاویہ کو ہی خلیفہ مقرر کرتا ہوں" اب ابو موسیٰ کو معلوم ہوا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، اور دکھانے کے اور ہیں۔ بگڑ کر کہا کہ کیوں عمرو! کیا میرا اور تیرا متفقہ فیصلہ یہی تھا۔ جس کو تو نے بالائے منبر ظاہر کیا ہے۔ اس پر کچھ دیر کے لئے ہاتھا پائی بھی ہوئی۔ اور آخر مجمع منتشر ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کو تشریف لے گئے اور معاویہ۔ عمرو بن العاص اور مغیرہ ابن شعبہ وغیرہ ایک دوسرے کو مبارکباد کہتے ہوئے شام کو چلے گئے۔ عرب میں مغیرہ ابن شعبہ اور عمرو بن العاص وغیرہ بہت بڑے سمجھے جاتے تھے۔ اور یہی معاویہ کے اب دستِ راست تھے۔

خارجیوں پر ایک نظر | رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ جنت میں لوگ درجاتِ عقل کے مطابق داخل ہوں گے۔ کیونکہ جاہل عابد اپنی حماقتوں کے باعث دنیا میں ایسی آفات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو ایمان کو بھی خطرہ میں ڈال دیتی ہیں۔ اور ہلاکت کا باعث ہوتی ہیں۔

حدیث۔ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ۔ ترجمہ۔ اللہ جس کے لئے بہتری کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کو دین میں سمجھ اور دانائی عطا کرتا ہے۔

حدیث:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الا لاخیر فی عبادۃ لیس فیھا تفقہ ولا علم لیس فیھا تفھم ولا قرأۃ لیس فیھا تدبر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ سن رکھو۔ کہ اس عبادت میں کوئی بھلائی نہیں۔ جس میں تفقہ نہیں۔ اور اس علم میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں اور اس قرآن خوانی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ جس میں تدبر نہ ہو

باوجودیکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی فوج کو سمجھاتے رہے۔ کہ عین اشتعال جنگ میں قرآن پاک جو نیزوں پر بلند کیا گیا ہے۔ محض ایک فراڈ اور سیاسی چال ہے۔ تم فریب میں نہ آؤ۔ مگر نافہم اور کج عقل جن کو اپنے ایمان پر ناز تھا۔ یا قرآنِ پاک کو نیزے پر بلند ہوتے دیکھ کر ادبِ قرآنی پر محمول رکھ کر یہ نہ سمجھا۔ کہ جن لوگوں نے قرآن کو بلند کیا ہے۔ ان کا اس

پر کس قدر عمل ہے۔ اور اس قرآن کا واسطہ دینے سے خلوص مقصود ہے۔ یا مکر و دغا کھیلنا مطلوب۔ اپنے آپ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے زیادہ دیندار سمجھا۔ حالانکہ وہ صاحب اولی الامر تھا۔ اس کی اطاعت سے گریز اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گریز تھا۔ انانیت اور خود فریبی نے اُلجھا لیا۔ اور اسلام سے خارج کر دیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام خارجی ہوا۔

اطاعت اولی الامر کے بغیر ایمان نامکمل ہے

اسی انانیت اور خود فریبی کو دُور کرنے کے لئے صاحب اولی الامر سے دین کے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے اشاروں پر چلنا دین و دنیا کی فلاح کے لئے اشد ضروری ہے۔ اس کی حکمت اور فلاسفی یہ ہے۔ کہ صاحب اولی الامر جانشین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ آیئے اس حدیث پر جو پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔ ذرا غور کریں۔ کہ اللہ کی اطاعت کے بعد رسولؐ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر منکم کی اطاعت کیوں مستلزم ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ تینوں اطاعتیں کیوں لازم و منفرد ہیں۔

اللہ کی اطاعت کا راز

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اور ماسوی اللہ کے ہر چیز مخلوق ہے۔ اس لئے کسی چیز کو ذات خداوندی سے مفر نہیں ہر شئے خواہ وُہ شے ذی حس[1] یا ذی روح نظر نہ آئے۔ اللہ کی عبادت میں مصروف ہے۔ اور ہر چیز کی عبادت کا رنگ اپنی اپنی ترنگ میں جدا جدا ہے۔ یہی فرضِ عبودیت انسان پر بھی لازم

---

[1] از روئے علم جدیدہ رسائنس، کوئی چیز بے حس و بے روح نہیں۔ ذیابئے احساسات یہ موجودہ مادی جہاں مختلف مفردات سے مرکب ہو کر ظہور پذیر ہے۔ ان مفردات کی تعداد آج تک اہل علم نے بانوے تک تحقیق کی ہے۔ ہر مرکب ان مفردات سے مخلوط ہو کر وجود میں آتا ہے۔ ہر مفرد میں کثیر التعداد ذرات ہوتے ہیں۔ ہر ذرہ بے مقدار کو علم سائنس میں ایٹم کہا جاتا ہے۔ کنؔ کی کیفیات اسی ایٹم میں نہاں ہیں کشش مقناطیسی سے یہ ایٹم آپس میں جُڑ کر کسی چیز کا وجود عمل میں لاتے ہیں۔ کیونکہ یہ مقناطیسی کشش دو قسم کی ہوتی ہے۔ مثبت اور منفی۔ ایک دوسری کی متضاد و مخالف۔ مگر مخالف قوتوں میں اتفاق اور ہم جنس قوتوں میں نفاق ہوتا ہے۔ جہاں مثبت اور منفی نزدیک ہوئیں۔ وہیں آپس میں مل گئیں۔ ایک ذرہ کی مثبت دوسرے ذرہ کی منفی سے مل کر ذرات کے ملنے کا

آجاتا ہے۔ جو دو صورتوں میں ہے۔ ذکرِ الٰہی اور فکرِ کائنات۔ فکر کی زندہ مثال آج مغرب پیش کر رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ وہ مادّہ پرست ہو کر مادیت میں ہی مدغم ہو گیا ہے۔ اگر روحانیت کی طرف مائل ہوتا۔ تو مشرق کو اس راہ میں بہت پیچھے چھوڑ جاتا۔ فکرِ کائنات میں انسان خلیفۃ اللہ کا مرتبہ تو ضرور رکھتا ہے۔ مگر اللہ نہیں بنتا۔ مشرق اور مغرب کی ذہنیت میں یہی فرق ہے:

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ موجب ہوتی ہے۔ اور کوئی نہ کوئی وجود عمل میں آجاتا ہے۔

یہ مثبت و منفی اقسام مقناطیسی پروٹون اور الیکٹرون ہی کہلاتی ہیں۔ پروٹون کے گرد الیکٹرون کے گھومنے سے یہ کشش ظاہر ہوتی ہے۔

زمین بذاتِ خود اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ اور یہ محور ہی مقناطیسی عمل رکھتا ہے۔ سورج کی شعاعوں کا زمین پر اثر اور زمین کی اپنے محور کے گرد گردش دونوں کر بجلی پیدا کرنے کا عمل رکھتے ہیں۔ یہ بجلی کا اثر حقیقتاً مقناطیسی عمل رکھتا ہے۔ جو ہر چیز کو زمین کے محور کی طرف کھینچتا ہے۔
مذکورہ ذرات (ایٹم) محض برقی ذرہ متحرک وجود ہوتے ہیں۔ یعنی منفی برقی ذرات جو مثبت برقی ذرات (الیکٹرون جو پروٹون) کے گرد گھومتے ہیں۔ ایک مادی شکل اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ خواہ کیسی ہو۔ جب یہ اس شکل میں ہوں۔ تو مادہ ہیں۔ حرکت بند ہو جائے تو شکل تبدیل ہو کر قوت طاقت حرارت زندگی کچھ کہہ لیجئے۔ کی صورت میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ موٹی مثال یہ ہے۔ کہ لکڑی جب جل جائے۔ تو حرارت بن جاتی ہے۔ جلنے سے پہلے مادہ تھی۔ ضائع نہیں ہوئی شکل و صورت تبدیل ہو گئی۔ مادہ نہ ضائع ہوتا ہے۔ نہ کم ہوتا ہے۔ نہ زیادہ ہوتا ہے۔ صرف شکل و صورت تبدیل کر کے کبھی دانہ کی شکل ہے۔ تو کبھی آٹا بن گیا۔ کبھی روٹی بن گئی۔ تو کبھی غذا نے بدن بنا۔ کچھ طاقت بن کر گوشت کی صورت میں آگیا۔ تو کچھ فضلات کی صورت میں بدن سے خارج ہو گیا۔ بہر صورت جس وظیفہ پکہ اور گردش پر خدائے قدوس نے پابند کر رکھا ہے۔ عبودیت کی کمال شان سے اس کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ پہاڑ اپنی بے مثال خاموشی سے کوہ وقار بنا ہوا قیام میں ہے۔ تو زمین کمال عاجزی سے سجدہ ریز ہو کر عبودیت میں قائم ہے۔ چوپائے رکوع میں ہیں۔ تو مینڈک اور آبی جانور ذکرِ جلی میں مست ہیں۔ ہر چیز ذکرِ خدا میں محو ہے۔ کوئی کسی رنگ میں ہے۔ تو کوئی کسی ترنگ میں۔

بہرکیف ذکرِ خدا اور عبادتِ الٰہی زندگی کا جزوِ لاینفک ہے۔ کیونکہ بندہ آخر بندہ ہے۔ اور اَللّٰہُ غَنِیٌّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ کے مطابق سب مخلوق خالق کی محتاج ہے۔ اور اسی حاجتمندی سے ہی بندہ بندہ ہے۔ اور حاجت روائی سے خدا خدا ہے۔ اسی امتیازِ بندگی سے بندہ کو اس ذاتِ کبریائی اور خالق موجودات کی اطاعت لازمی ہے: تاکہ اس پر اپنے مقامات اور ذاتِ باری کی تجلیات عیاں ہوں۔

رسولؐ کی اطاعت کا مقصد

ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث سب مخلوق کی تخلیق ہوئی لولاك لما اس پر شاہد ہے۔ اور یہ سب تماشائے یہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نمایاں کرنے کے لئے ظہور میں آیا ہے ؎

گر عشق نہ بودے وغمِ عشق نہ بودے　　　چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنیدے

ترجمہ:۔ اگر اللہ تعالےٰ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نہ ہوتا۔ تو یہ جہانِ رنگا رنگ کب وجود میں آتا۔ اور یہ بزم آرائیاں اور محفلیں کب گرم ہوتیں۔

جب ظہورِ موجودات سے منشائے قدرت یہی تھا۔ کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نمایاں کرے۔ تو جملہ موجودات و مخلوقات کے لئے اطاعتِ خدا کے ساتھ اطاعتِ رسول لازم و واجب ٹھہری۔ بے جان و بے شعور چیزیں اس ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو سے ذی شعور ہو کر مطیع ہوگئیں۔ ابو جہل کی مٹھی میں رسولِ پاک کے اشارہ سے کنکریاں کلمہ شہادت پڑھنے لگ گئیں۔ چاند انگلی کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہوگیا۔ یہی اطاعت سورج نے کی کہ انگلی کے اشارہ سے وقتِ عصر پر واپس پھرا۔ پتھر کا مجسمہ دریا کے اس پار سے اُس پار ابو جہل کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ جب اس نے حضور کی رسالت کی تصدیق اسی طور طلب کی بادل کا ٹکڑا اسی جذبہ کے تحت خدمت و اطاعت میں حاضر رہ کر سر پر سایہ کرتا۔ استن حنانہ ایک کھجور کی لکڑی جو خشک ہو چکی تھی۔ حضور وعظ فرماتے وقت منبر پر کھڑے ہو کر اس سے تکیہ کر لیتے تھے۔ جب مسجد نئی بنی۔ منبر بھی نیا بنا۔ جو اس لکڑی سے فاصلہ پر تھا۔ تو حضور پاک کی جدائی اس نے اس طرح محسوس کی کہ آدمیوں کی طرح رویا۔ چیخا اور چلا کر فریادی ہوا۔ کہ مجھ کو فرقت گوارا نہیں۔ شجر و حجر سجدہ ریز ہوتے تھے۔ تو کیا ذی شعور اور ذی فہم صاحبِ ادراک انسان کا یہ فرض نہیں کہ اس محبت و اطاعت کی فرض شناسی میں ان سے گوئے سبقت

لے جائے ؎

محمدؐ عربی کہ آبروئے ہر دو سراست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

ترجمہ۔ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کہ دونو جہان کی آبرو اس سے ہے۔ اس کے دروازہ کی خاک بننے میں جسے انکار ہے۔ اس کا سر خاک آلودہ ہو۔

رجالِ خدا میں سے یہ رجلِ عظیم جس کو رسول کہتے ہیں۔ براہِ راست خدا سے مربوط ہوتا ہے جو عام لوگوں کو خدا کی ذات سے منضبط و مربوط کر دیتا ہے۔ گویا یہ خالق اور مخلوق کی ایک ملحقہ کڑی اور رشتہ ہے۔ جس سے مخلوق اپنے خالق کو پہچانتی ہے۔ جب تک اس کی اطاعت کرکے اس سے تعلق نہ پیدا کیا جاوے۔ تب تک عرفانِ الٰہی اور ادراک و ایمان کا کامل ہونا ناممکن ہے۔ اور اس رجلِ عظیم کی اطاعت سے ہی خدا کی رضا جوئی تحصیل حاصل ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت کے بعد اطاعت اولی الامر منکم واجب ہوئی۔ کیونکہ اولی الامر جانشینِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ حضور کی حدیث بیان ہو چکی ہے۔ کہ جس نے امیر کی نافرمانی کی۔ اس نے میری نافرمانی کی وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ۔ اس لئے اگر اولی الامر کی اطاعت نہ کی جاوے۔ تو کوئی شخص اطاعتِ رسول میں مستحکم اور کامل نہیں ہو سکتا یہ اطاعت ہی انسان کو دنیا اور دین دونوں میں سرخرو کرتی ہے۔ کیونکہ صاحبِ اولی الامر کا تعلق روحانیت سے ہوتا ہے۔ اور اس کی تعلیم حکم اور اطاعت پاکیزگیٔ روح سے ہی متعلق ہے۔ اور پاکیزگیٔ روح کے کمال کا دوسرا نام تزکیہ نفس ہے۔ تزکیہ نفس سے ہی انسان اس قابل ہوتا ہے۔ کہ وہ پاک ہو کر پاکیزہ علائق خدا اور رسول میں منسلک و منضبط ہو جائے گویا کہ اطاعت اولی الامر اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول کا اہم جزو ہے۔ جس کے بغیر انسان روحانی عروج کے منازل طے نہیں کر سکتا۔ انسان کی عقل ناقص اکثر اوقات الجھ کر اس کو خراب کرتی ہے۔ اور ناخوب اس کو خوب اور ناروا روا نظر آنے لگتا ہے۔ اس وقت صاحب اولی الامر اس کو سلجھا کر فریب سے آگاہ کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا ادراک مقابلۃً کمل ہوتا ہے۔ اور اس کو فیض براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے ؎

وجودش شعلہ از سوزِ درون است چو خس او را جہانِ چند و چون است
کند شرحِ انا الحق ہمتِ او پئے ہر کن کہ میگوید یکون است

ترجمہ۔ کامل انسان عشقِ الٰہی میں اس قدر سوختہ ہوتا ہے۔ کہ جہان والوں کو بھی اس حرارت

سے سوختہ کر دیتا ہے۔ اناالحق اس کی ہمّت ایمان کا نعرہ ہے۔ وہ جو جی چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔

بُرسے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مُغاں گوید ۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سب سے پہلے اولی الامر حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ارتداد کی مسموم ہوانے عرب کی فضا کو خراب کر دیا تھا۔ یہودیت اور نصرانیت اسلام کے مقابلہ میں آگئی۔ اور عرب کے تمام خطوّں میں نفاق اور اختلاف پھیل گیا۔ تو مسلمانوں کو بڑی تشویش ہوئی۔ جو لوگ حضورؐ کی وفات کے بعد اسلام سے پھر گئے تھے۔ ان کے خیالات مختلف تھے۔ بعض کہتے تھے۔ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ بعض کی رائے تھی۔ کہ ہم صرف خدا پر ایمان لائے ہیں اور اس امر کا اقرار بھی کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں ہم نماز ضرور پڑھینگے۔ لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا۔ کہ بعض لوگ اسلام کا اقرار تو کرتے ہیں۔ اور نماز پڑھنے پر بھی آمادہ ہیں۔ لیکن زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ زکوٰۃ نماز کی طرح فرض ہے۔ خدا کی قسم اگر تم ایک رسی کا ٹکڑا دینے سے بھی انکار کرو گے۔ جس کو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے۔ تو میں تم سے لڑونگا۔ اور اس وقت تک لڑونگا۔ جب تک کہ تم اس فرض کو ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔ اکثر صحابہ کا یہ خیال تھا۔ کہ اگر قبائلِ عرب مدعیٔ اسلام ہو کر زکوٰۃ دینے سے انکار کریں۔ تو ہم ان سے لڑائی نہ کریں۔ ہم اپنی جان کی حفاظت یا مخالفینِ اسلام کی مدافعت کے لئے لڑائی کے قصہ میں نہ پڑیں۔ بلکہ صبر کئے ہوئے۔ بیٹھے رہیں۔ اور اللہ کی عبادت میں دن پورے کر دیں

ان صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر حضرات بھی انہی خیالات کے حامل تھے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا۔ کہ نرمی کا برتاؤ کیا جاوے اور ان لوگوں کے دلوں کو ہاتھوں میں لیا جاوے کیونکہ عرب کے لوگ وحشی ہیں۔ اور درندوں کی مانند ہیں۔ ان سے نرمی اور اخلاق سے کام لینا چاہیئے۔

مگر یہ صاحب اولی الامر اپنی فراستِ ایمانی سے مستقبل کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ

میرا خیال تھا۔ کہ تم میری مدد کرو گے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ تم مجھ کو ذلیل اور رُسوا کرنا چاہتے ہو۔ دحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ اور دین درجۂ کمال کو پہنچ چکا ہے۔ کیا میری زندگی میں دین ناقص ہو سکتا ہے۔ خدا کی قسم، جب تک تلوار میرے قبضہ میں ہے۔ میں برابر جہاد کرونگا اور اس وقت تک کروں گا۔ کہ ایک رسی کے ٹکڑے تک وصول نہ ہو۔"

حضور نے تلوار باندھ لی اور تنہا مانعینِ زکوٰۃ سے لڑنے کے لئے چل دیئے۔ تو صحابہ بھی آپ کے پیچھے ہو لئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ مظاہرہ شرحِ صدر کا مظاہرہ تھا۔ خدا کی قسم! خدا نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کشادہ کر دیا تھا اور وہ اپنی رائے پر مضبوطی سے قائم تھے۔ اور مجھ کو اس بات کا یقین ہے۔ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ہے۔

ابو بکر بن عیاش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں ابو حصین رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا۔ کہ انبیا کے بعد دنیا میں کوئی شخص ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بہتر پیدا نہیں ہوا۔ مرتدین سے جہاد کرنے کے معاملہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک نبی کی مانند استقلال اور مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہو گئے تھے۔ اور کسی کی ممانعت کی انہوں نے پرواہ نہ کی تھی ؎

عاشق آں نیست کہ لب گرم فغانے دارد　　عاشق آں است کہ بر کف دو جہانے دارد

ترجمہ:۔ عاشق وہ نہیں جو آہ و بُکا کرے۔ عاشق وہ ہے جو دو جہان کا مالک ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسولِ کریمؐ کی وفات کے بعد ہم پر ایسا وقت آگیا تھا۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہماری امداد نہ فرماتا۔ تو ہم بالکل غارت ہو جاتے۔

حضرت اُسامہ بن زید نو عمر تھے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل ان کو ایک لشکر کا سردار مقرر فرما کر روانگی کا حکم دیا انہوں نے تیار ہو کر شہر سے باہر ڈیرہ ڈال دیا۔ اور حضور کی علالت کے باعث روانگی کو ملتوی رکھا۔ اسی اثنا میں وفاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حادثۂ عظیم پیش آیا۔ اور فوراً چاروں طرف اختلاف کی آگ بھڑک اٹھی۔ تمام صحابہ کی متفق رائے تھی۔ کہ ایسے وقت میں ایسے لشکر کا جس میں جلیل القدر صحابہ مہاجرین و انصار ہیں۔ مدینہ منورہ سے دور چلے جانا دور اندیشی کے خلاف اور خاص اہلِ مدینہ کے لئے نہایت خوفناک صورت ہے۔ خود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ

کی بھی یہی رائے تھی۔ کہ منتخب اور بڑے درجہ کے مسلمان میرے ساتھ ہیں۔ میں مطمئن نہیں ہوں کہ لشکر کی روانگی کے بعد خلیفہ اور اُمہات المومنین اور مسلمانوں کے اہل و عیال کو کن دقتوں کا سامنا ہو۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود جا کر امیر لشکر اور مسلمانوں کے خیال کا اظہار کیا۔ مگر اس اولی الامر نے ایک نہ سنی اور فرمایا کہ اگر کتے اور بھیڑیئے بھی مجھے اُچک لے جائیں۔ تب بھی اس لشکر کو روانہ کروں گا۔ اور جو فیصلہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں۔ اس کو رد نہ کروں گا۔ خواہ ان بستیوں میں میرے سوا اور کوئی بھی نہ رہے۔ تب بھی اس لشکر کو روانہ کروں گا۔

چنانچہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ اور صاحب اولی الامر کی یہ تدبیر کام آئی کہ مخالفین نے سمجھا۔ کہ مسلمانوں کی قوت اور جمعیت بے انتہا نہ ہوتی تو دارالخلافہ کو غیر محفوظ کیوں چھوڑتے۔ اسی خیال نے ان کو مخالفت سے باز رکھا۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہِ پاک بین نے اُمتِ مرحومہ کے لئے اپنے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس مرتبہ کے لئے منتخب کیا۔

صاحبِ اُولی الامر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیاست کا کمال

اُدھر معرکۂ یرموک میں حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ بطور سپہ سالارِ عظیم اسلام تھامے دشمن کا بے جگری سے مقابلہ کر کے اس کو خندق میں دھکیل کر فنا کر رہے تھے۔ کہ مدینہ منورہ سے قاصد نے آ کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر دی۔ اور ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا تھا۔ کہ خالد (رضی اللہ عنہ) کو سپہ سالاری سے معزول کیا گیا ہے۔ اور ان کی جگہ حضرت امین الملت ابو عبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہ) کو مقرر فرمایا گیا ہے۔ یہ حکم نامہ امین الملت کے ہاتھوں میں ہی دیا گیا۔ اور انہوں نے مصلحتاً اسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے مخفی رکھا۔ حتیٰ کہ دمشق کا محاصرہ کیا گیا۔ محصورینِ دمشق نے شہر پناہ کے دروازے بند کر کے سنگین پہرہ قائم کر دیا۔ فصیل کے دمدموں اور مورچوں پر فوجیں قائم تھیں۔ اور شہر کے اندرونی حالات کا کسی طرح علم ہونا ناممکن تھا۔ مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو کسی طرح خبر لگ گئی کہ گورنرِ دمشق کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور مجلس عیش و طرب لگ رہی ہے۔ فوج کو معہ افسروں کے دعوت دی گئی ہے۔ آپ کو معلوم ہوا۔ کہ مے نوشی کا دور چل رہا ہے۔ چنانچہ

جب وہ لوگ بدمست ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ تو حضرت خالد رضی اللہ نے فوراً رسیوں کی تیار شدہ سیڑھیوں کو فصیل کے کنگروں پہ پھینکا۔ اور ان کے سہارے چڑھ گئے۔ اور عین دروازہ کے اندر کود کر دروازہ کھول دیا۔ اسلامی لشکر داخل ہو گیا۔ اہل دمشق کو خبر ہوئی ایسے بدحال ہو گئے کہ سب کچھ بھول گیا۔ اور دوسرے دروازہ سے نکل کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی درخواست کی۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اندر چھلانگ جانے اور اس طرح لڑنے کی خبر نہ تھی۔ آدھا شہر لڑائی سے فتح ہوا۔ تو آدھا صلح سے فتح ہوا۔ بعض روایات کے مطابق عین اس وقت حکمنامہ پہنچا۔ کہ خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کیا جاوے۔ مگر مصلحتاً ظاہر نہ کیا گیا۔ اور بعد صلحِ دمشق ظاہر کیا گیا۔

اسی طرح فتوحاتِ عراق کے بہادر جرنیل مثنیٰ ابن حارث کو جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے بعد عراقی لشکر کے قائد عام تھے۔ معزول کر کے حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ حالانکہ مثنیٰ ابن حارثہ کی مافوق الفطرت شجاعت اور مخلصانہ سعی و جانفشانی سب پر ظاہر و باہر تھی۔ لوگوں میں اس پہ بہت کچھ چون و چرا ہوئی۔ کہ ایسے بہادروں کو معزول کرنا درست نہ تھا۔ تاہم ان دونو صاحبوں نے محسوس تک نہ کیا تھا۔ کہ ہم کو معزول کیا گیا ہے۔ برابر جانفشانی سے کام کرتے رہے۔ کئی ناقص العقل اس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ناعاقبت اندیشی اور ناقدری وغیرہ سمجھنے لگے۔ مگر خود حضور نے لوگوں پر اس بات کو یوں ظاہر کیا۔ انی لم اعزلهما عن ریبة ولكن الناس عظموهما فخشيت ان يوكلوا اليهما انتہی میں نے ان دونو کو کسی تہمت اور بدظنی کی وجہ سے معزول نہیں کیا۔ بلکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت ان کی تدابیر و شجاعت پر اس قدر اعتماد ہو گیا تھا۔ جس سے اندیشہ تھا۔ کہ خدا تعالیٰ سے نظر اٹھا کر فتوحات کا انحصار انہی کی ذات پہ نہ سمجھ لیں +

صاحب اولی الامر مصلح قوم ہوتا ہے

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے بعد اپنی مردانگی اور شجاعت کے جوہر متواتر دکھاتے رہے۔ اور ان کی تدابیر جنگ سے فحل، بعلبک، حمص، حماۃ لاذقیہ فتح ہو کر قنسرین فتح ہوا۔ اور سرکش فتح کر کے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلانے کو کہا۔ ان کی کتاب میں فتح بیت المقدس کے جو آثار مرقوم تھے۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ جس بادشاہ کے نام پہ بیت المقدس فتح ہوگا۔ اس کا قد لمبا چہرہ پتلا اور

نام تین حروف سے مشتق ہوگا۔ اور لباس اس قدر سادہ کہ پیوند لگے ہوں گے ۔ وغیرہ ۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام کی تصدیق کے بعد باقی امور کی تصدیق ضروری تھی ۔ انہوں نے کہا۔ کہ اگر باقی باتیں مطابق ہوگئیں ۔ تو بغیر جنگ کے صلح سے ہی بیت المقدس کے قلعہ وخزانہ کی چابیاں سپرد کر دیں گے ۔ ورنہ جنگ کریں گے ۔ وغیرہ ۔ مسلمانوں کو آسمانی کتابوں پر یقین تھا۔ مزید برآں نشانات سب پورے تھے ۔ اس لئے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ کہ بیت المقدس کی فتح آپ کے ہاتھ پر ہوگی ۔ آپ نے مدینہ سے بیت المقدس کا قصد فرمایا ۔ اور امرائے عساکر کو اطلاع بھیجدی کہ اپنے لشکر پر اپنی جگہ کسی اور کو قائم مقام کرکے مجھ کو جابیہ میں آکر ملیں ۔ اس حکم کے مطابق یزید بن ابی سفیان ۔ اور ابو عبیدہ بن الجراح اور خالد ابن ولید رضی اللہ عنہما گھوڑوں پر سوار آپ کے سامنے اس شان سے آئے کہ حریر و دیباج کا لباس پہنے ہوئے تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ حالت دیکھ کر سواری سے اُتر پڑے۔ اور پتھر اٹھا کر امرائے عساکر کو مارنا شروع کیا ۔ اور فرمایا تمہاری حالت میں کس قدر تغیر آیا ۔ اور تمہارے حالات وخیالات اتنی جلدی بدل گئے ۔ تم اس ہیئت میں میرے سامنے آتے ہو ۔ ابھی تو دو برس ہی گزرے ہیں ۔ کہ تم کو اس طرح کا عیش نصیب ہوا ہے ۔ اگر دو سو برس کے بعد بھی تم میں تغیر آتا تو ہیں تمہاری جگہ دوسروں کو مامور کرتا ۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی یہ شان وشوکت ناپسند ہوئی ۔ امرائے عساکر نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ یا امیرالمومنین ! یہ لباس تو محض دکھاوے کے لئے ہے ۔ ورنہ ہم نے تو مکمل ہتھیار لگائے ہوئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اگر یہ بات ہے ۔ تو مضائقہ نہیں۔

جزاک اللہ چشم باز کردی مرا با جان جاں ہمراز کردی

حمص کے معرکے کے بعد حضرت خالد و عیاض ابن غنم رضی اللہ عنہما دونوں افسروں نے سرحد روم کی جانب حملہ کیا ۔ اور وہاں سے ان دونوں کو بہت سا مال غنیمت ملا ۔ اس خبر کا چرچا ہوا تو بہت حاجتمند لوگ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر امداد کے طلبگار ہوئے ان میں اشعث ابن قیس شاعر بھی تھے ۔ جن کو دس ہزار درہم عطا کئے گئے ۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اس سخاوت اور انعام واکرام کی خبریں فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گئیں ۔ نیز حضرت خالد رضی اللہ عنہ حمام میں غسل کے لئے تشریف

لے گئے۔ وہاں اُبٹنا پہلے ہی موجود تھا۔ اسے جسم پر مل کر نہایا۔ اس اُبٹنے کی نسبت معلوم ہُوا۔ کہ اس میں شراب ملی ہوئی تھی۔ اس بات کا علم بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امین الملت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا۔ کہ خالد کا عمامہ اتار کر اس کے ساتھ ہی کلاہ اتار لو۔ اور اس عمامے سے اس کی مشکیں کس کر مجمع عام میں کھڑا کر دو۔ ان کو معزول کرکے امورِ متعلقہ اپنی نگرانی میں لے لو۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ کو قنسرین سے طلب فرمایا۔ جلسۂ عام کیا۔ اور آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ ایلچی جو حکم لے کر آیا تھا۔ کھڑا ہوا۔ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ کہ شراب آمیختہ اُبٹنا کیوں استعمال کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ وہ پسا ہُوا تھا۔ اور شراب کا اثر اس میں نہ تھا۔ پھر ایلچی نے دوسرا سوال کیا۔ کہ اشعث کو انعام کہاں سے دیا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی خاموش تھے۔ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر حکم خلافت کو واضح کیا۔ اور ان کے سر سے عمامہ و کلاہ اتار کر رکھ دی۔ اور خود ان کے عمامہ سے ان کے ہاتھ کس کر باندھ دیئے۔

سبحان اللہ! اطاعتِ امیر اور متابعت اولی الامر کی ایسی نادر مثال نہ دیکھی اور نہ دیکھنے میں آئے گی۔ کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے احکام خلافت کی حرمت اور اطاعت کے لحاظ سے حضرت بلالؓ کو کسی کام سے نہیں روکا جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ بتلاؤ کہ اشعث کو انعام کہاں سے دیا گیا۔ اپنے مال سے یا مالِ غنیمت سے تو حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔ کہ میں نے اپنے مال سے دیا ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کھول دیا۔ اور اپنے ہاتھ سے کلاہ سر پر رکھی۔ اور اس کے اوپر اپنے ہاتھ سے ہی عمامہ باندھ دیا۔ اور کہا کہ ہم نے اپنے خلیفہ کا حکم مان لیا۔ اور اپنے ہم نسب بھائی کی عزت کرکے اس کی خدمت بھی کی۔ اسی لحاظ اور عزت کی وجہ سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے معزولی کا حکم بھی نہ سُنایا مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ عجیب حالت میں تھے۔ کہ کیا وہ اپنے عہدہ پر بحال ہیں۔ یا مدینہ شریف واپس جائیں۔ اسی تذبذب میں حیران تھے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی فراست سے سمجھ گئے۔ کہ خالدؓ مدینہ کو نہیں پھرے۔ ان کو اپنی معزولی کا علم نہیں ہُوا۔ اس لئے آپ نے اب براہِ راست ان کو مدینہ چلے آنے کے لئے لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے

حساب کا جائزہ لیا۔ اور ان کے معاملات صاف نظر آئے۔ تو کہا کہ اے خالدؓ! تو مجھ کو
واللہ باللہ بہت ہی عزیز اور محبوب ہے۔ اور سب شہروں اور دارالحکومتوں میں لوگوں
اور والیوں کے نام خط لکھے کہ میں نے خالدؓ کو ناراضگی یا خیانت کی بنا پر علیحدہ نہیں کیا۔
بلکہ وہ فتنہ میں پڑ رہا تھا۔ کہ اسے خیال تھا۔ کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت جم گئی ہے۔
مجھے خیال تھا۔ کہ لوگ انہی پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور جان لیں کہ کرنے والا محض اللہ تعالٰے
ہے۔ اس طرح لوگوں کو اور خالدؓ کو فتنہ میں پڑنے سے بچایا ہے۔

اس کے بعد حضرت خالد ابنِ ولید رضی اللہ عنہ نے جہاد بالنفس کو جہاد بالسیف
پر ترجیح دی اور باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار اصرار فرمایا کہ کوئی عہدہ گورنری
یا افواج کی سپہ سالاری قبول فرماویں۔ مگر آپ انکار ہی کرتے رہے۔ اور کسی عہدہ کو قبول نہ فرمایا
عزلت و گوشہ نشینی میں ہی عمر گزار دی اور ۲۱ھ ہجری میں وفات پائی ہے

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو — در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست

ترجمہ:۔ موت کے بعد میں زمین کے سینہ میں نہیں۔ مردم شناس اور خدا شناس بندوں
کے سینوں میں ہوں۔ وہاں میری جگہ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا سیاسی اور دینی شعور

علمائے تحقیق کا نظریہ ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
چونکہ وصی نبی تھے۔ اور سب صحابۂ کبار سے ان میں علوم باطنیہ کی قوتِ برداشت اور استعدادِ روحانی
صحیح طور پر زیادہ تھی۔ جس کی متعدد وجوہات ہیں۔ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی،
داماد، کم عمری میں اسلام لانا وغیرہ۔ ایسی خصوصیات تھیں۔ جن کی وجہ سے دوسروں میں ممتاز تھے۔
اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ تام از اوائل عمر تا سن شعور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کو کرم اللہ وجہہ ہونے کا شرف بخشا۔ آپ کے صاحبزادگان کو حضور نے اپنے بیٹے کہہ کر پکارا۔ احادیث
جو حضور کی شان میں فرمائیں وہ حضور کے لئے ہی مختص تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ بہرحال اور ہر مقام میں صحابۂ کبار
آپ کی رائے کو فوقیت دیتے تھے۔ شیخین کرام رضوان اللہ علیہم کے زمانہ کی کامیابی حقیقتاً حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کی توجہات کی مرہونِ منت تھی۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ
کو اسی وقار سے مؤقر سمجھتے تھے۔ جس سے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی توقیر کی۔ اسی
طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اکثر موافقات پر اس بات کو مؤکدانہ طور پر ظاہر فرمایا۔ کہ

ولو کان علی فتھلک العمر" قسم ہے خدا کی کہ اگر علی رضی اللہ عنہ، نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ضرور ہلاک ہو جاتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وقتِ حکومت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی اطاعت بھی کی اور امداد بھی کی۔ نیک مشورے بھی دیئے اور بگڑتے کھیل کو ہر آن سنبھالنے کی کوشش کی۔ مگر مرض بڑھ چکا تھا، اور وہ مسلمان جو حق کی راہ پر کفر سے ٹکراتا تھا۔ اب ناحق اسلام اور مسلمانوں کی گردن پر چھری رکھے بیٹھا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کامل و مکمل طور پر صاحبِ اولی الامر تھے۔ ان کی اطاعت سب پر فرض اور واجب تھی۔ اور اس طبیب روحانی نے جو تدابیر امراضِ روحانیہ کے دفعیہ کے لئے تجویز فرمائی تھیں۔ کبھی خطا نہ جانے والی تھیں۔ مگر مریض بہ قولِ حالی گئے گزرے تھے ؎

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

کہا کہ مرض ہے نہیں کوئی ایسا کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں

کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں"

ایک فریق تو سرے سے معالج اور اس کے علاج کا ہی قائل نہ تھا۔ جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر میں خوب تھا۔ امیر معاویہ نے اس کو ناخوب سمجھا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے ہی انکار کر دیا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو اپنا گوشت پوست خون اور روح قرار دے کر اپنایا، امیر معاویہ کو وہ غیر نظر آیا۔ جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پاسبانی کے لئے اپنے بیٹوں کو مقرر فرمایا۔ اور خود ان کی شہادت پر سراسیمہ و حیران ہو کر آنسو بہائے۔ امیر معاویہ نے اسی کو دشمن سمجھا۔ جس کو امت کے سردار نے بمنزلہ ہارون اپنے بعد امت کی دستگیری کے لئے چھوڑا۔ امیر معاویہ نے اس سے منہ موڑا۔ اور ایک سیاسی اختلاف پیدا کر کے دین میں ایک نئے رنگ کی نیرنگ پیدا کر دی۔

کسے کہ داند اسرارِ یقین را یکے بیں مے کند چشم دو بیں را

بیا میزند چوں نور دو قندیل مے اندیش افتراقِ ملک و دیں را

ترجمہ: جو ایمان و یقین میں پختہ ہے۔ وہ اپنی دو آنکھوں کو ایک کر دیتا ہے۔ دو شمعوں کی

روشنی کو ایک کر کے دین دنیا میں نفاق نہیں پھیلاتا۔ نہ نفاق کا ڈر ہی رکھتا ہے۔

یہ حال تو اس کا تھا جو سرے سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ ہی نہ سمجھتا تھا۔ اور خود خلافت کا متمنی تھا۔ اس سے اطاعت کی امید کیا۔ اتفاق کی بات ہے۔ کہ عین زور پر جنگ اور فتح قریب کے وقت خارجیوں نے اولی الامر کی بات کو نہ مانا۔ اور اس کے سمجھائے ہوئے راز کو اپنی ناقص دانست میں نہ لا سکے۔ اور نیزوں پر قرآن بلند ہونے سے فریب میں آ گئے۔ آپ ایمان کے فریب میں بے ایمان ہو گئے۔ اور جیتی ہوئی جنگ کو شکست کی صورت بنا دیا۔ گویا اولی الامر کی اطاعت نہ کرنے سے دین و دنیا دونوں سے گئے۔ من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خارجیوں سے جنگ کی فراغت پائی۔ اور فرصت پا کر شام پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ اور تمام ممالک محروسہ میں فرامین بھیج دیئے۔ کہ حکمین نے چونکہ فیصلہ قرآن کے مطابق نہیں کیا۔ دونوں میں اختلاف رہا ہے۔ اس لئے جہاد ضروری ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حزب مخالف کو راہ راست پر لانے کی آخری کوشش اور سعی نامشکور

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج سہل انگاری سے نکمی ہو کر نافرمان سی ہو رہی تھی۔ یہ وہی لوگ تھے۔ جنہوں نے صفین میں سرکشی کا مظاہرہ کیا تھا۔ جس وقت فرمان حیدر کرار پہنچا۔ فوراً جمع ہونے شروع ہو گئے۔ مگر طرح طرح کے بہانے تراش کر منتشر بھی اتنی جلدی ہونے لگے۔ جتنی جلدی یہ جمع ہوئے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ کہ ہم خارجیوں سے لڑ کر تھک گئے ہیں۔ ہمیں آرام کا موقعہ دیا جاوے۔ کوئی کہتا تھا۔ کہ ہماری تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں۔ اور نیزوں کے پھل خراب ہیں۔ کوئی کہتا تھا۔ کہ ہماری بیویاں گھروں میں بیٹھی ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔

اثر کچھ خواب کا باقی ہے غنچوں میں تو اے بلبل
نوا را تلخ تر مے زن چوں ذوق نغمہ کم یابی

حیدر کرار نے یہ حالت دیکھ کر سختی سے کام لیا۔ اور حکم دیا۔ کسی کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ جس نے جہاد سے گریز کیا۔ اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس حکم کے سنتے ہی لوگ پھر

کیمپ میں اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ اور ہر آدمی پورے سرفروشانہ جذبہ سے سرشار نظر آتا تھا۔ اور شام پر حملہ کی تیاریاں زیادہ تر اس وجہ سے بڑے پیمانہ پر شروع ہو گئیں۔ کہ مصر شام کی پشت پر واقع تھا۔ اور امیر معاویہ نے بلا وجہ سرحد پر دخل اندازی کرنی شروع کر دی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اشتر کو محمدؓ بن ابوبکر اور قیس بن سعدؓ کی اعانت کے لئے بھیجا۔ اشتر کو راستہ میں ہی زہر دلوا کر ختم کر دیا گیا۔ اور معاویہ نے محمدؓ بن ابوبکر کو گرفتار کرا کر زندہ ہی جلوا دیا[۱]

قیس کو مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ کہ جزیرہ والے اعلانیہ معاویہ سے مل گئے۔ اور اب عمرو بن العاص مصر کے گورنر بن گئے ؎

مرا ایں خاکدانِ من ز فردوسِ بریں خوشتر

مقامِ ذوق و شوق است ایں حریم سوز و ساز است ایں

ترجمہ:۔ مجھ کو بہشتِ بریں سے میرا مٹی کا گھر ہی خوب لگتا ہے۔ کہ میری امید گاہوں کا مرکز ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عامل یمن تھے۔ واپس چلے آئے اور ان کے دو صغیر السن بچے امیر معاویہ نے گرفتار کرا کے مروا ڈالے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی محمد بن ابوبکر کے زندہ جلائے جانے کی خبر پہنچی۔ تو انہوں نے ہر نماز کے بعد عمرو بن العاص اور معاویہ کے حق میں بد دعا شروع کرا دی جس میں تمام اہل بیت شامل ہوئے۔

خلافت کا ادغام امارت میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں عمرو بن العاص مصر کے گورنر تھے۔ اور مغیرہ ابن

---

[۱] عرب اور غیر عرب شدتِ انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحشیانہ حرکت کو ممنوع قرار دیا تھا۔ حدیث میں آیا ہے۔ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یُّعَذِّبَ بِالنَّارِ ط اِلَّا رَبُّ النَّارِ ط آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے اور کسی کو سزاوار نہیں۔

شعبہ جو عرب کے مشہور ترین زعماء اور چار بہترین مدبّروں میں سے ایک تھے۔ والیٔ بصرہ تھے۔ مگر اس وقت کا حال اس وقت کے حال سے بالکل مختلف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کڑی نگرانی میں کوئی دنیوی آلودگی دلوں کو ملوث نہ کر سکتی تھی۔ اب جب کہ امیر معاویہ نے خلافتِ الٰہی کے بالمقابل امارت کے نقوش کو رنگینی سے منقش کر کے اس میں من و سلویٰ اُترنے کے مقامات کو عیاں کیا۔ تو اکثر طور پر ذہنوں میں جو اختلاط آ چکا تھا۔ ان پر نفسانی خواہشات غالب آ گئیں۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا دسترخوان ان باتوں سے تہی سامان تھا۔ جو ان کی آرزوؤں کی موافقت نہ کر سکتا تھا۔ امیر معاویہ نے خزانوں کا منہ کھول کر دولت کا مینہ برسایا اور عہدوں کے لالچ دیئے۔ تو اکثر با اثر اور ذی وقار لوگ اس سراب کی رو میں لاشعوری طور پر ہی بہہ گئے۔ ان کی نظروں میں اب دنیا سما چکی تھی۔ اور اس کی نیرنگیاں اپنے فریب میں لے چکی تھیں۔ یا وہ حالت تھی۔ کہ عرب کے یہ جوشیلے مسلمان بیرونِ عرب تبلیغ دینی میں مصروف ہوا کرتے تھے اور بوقت ضرورت خلافِ اسلام آئین کے مقابل جانیں بھی لڑا دیتے تھے۔ یا اب یہ حالت ہے۔ کہ اندرونِ ملک ہی طوائف الملوکی کا دَور دَورہ ہے۔ دو متحارب گروہ موجود ہیں۔ ایک خلافتِ الٰہیہ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اور ایک اس خلافت کو نابود کر کے حقیقت کا چہرہ مسخ کرنے کے ارمان دل میں لئے پھرتا ہے۔ اور اس خدائی حکومت کو بندوں کی ملکیت اور وراثت میں تبدیل کر کے مستقل طور پر مٹانا چاہتا ہے۔ اس کا انجام جو ہونا تھا سو ہوا ع

تا چہا کن زگلستانِ من بہار مرا

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت

اس وقت اس ایک ہی امت کے افراد کی باہمی رسہ کشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ افتراق ونفاق کے کئی شاخسانے پیدا ہو گئے اور ہر کسی کا یہی خیال تھا۔ کہ ؎

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کارِ آساں کن

ترجمہ: میں اس بات کی رائے نہیں دیتا۔ کہ یہ کر یا وہ کر۔ اپنی بہتری دیکھ کر آسان کام اختیار کر۔

امیر معاویہ اپنے اجتماعِ موافقات اور ارتفاعِ موانعات کے باعث ملک کے مختلف حصص پر بہ آسانی قابض ہونے گئے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے چند در چند دقتیں پیدا کر دیں۔ کہ اسی دوران میں خارجیوں کے ایک گروہ نے باہم مشورہ کیا۔ کہ تین آدمی

سارے عرب کو خراب کر رہے ہیں ۔ان تینوں کا صفایا کر دو۔ اور پھر کسی کو بادشاہی کے لئے چن لو چنانچہ اسی مجوزہ سکیم کے مطابق حجاج جسے برک بن عبداللہ بھی کہتے تھے ۔ اور مبارک بن عبداللہ تمیمی کے نام سے مشہور تھا۔ اس نے امیر معاویہ کو ختم کرنے کی قسم کھائی اور عمرو بن ابوبکر تمیمی نے عمرو بن العاص کو ٹھکانے لگانے کا تہیہ کیا۔ ان کے ساتھی عبدالرحمٰن ابن ملجم المرادی نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو شہید کرنے کا حلف اٹھایا۔ یہ سب ایک ہی دن ایک ہی وقت میں اپنے اپنے کام پہ چل کھڑے ہوئے ۔ اور سکیم یہی تھی ۔کہ اس فعل کا ارتکاب بھی ایک ہی مقرّرہ دن سترہ رمضان المبارک کو کیا جائے ۔ تاکہ وقت کے پس و پیش ہونے سے کسی ایک کے بچ جانے کا احتمال نہ رہے ۔ اور کوئی سر اٹھانے کی جرأت نہ کرے ۔

مبارک بن عبداللہ تمیمی۔ دمشق پہنچ چکا تھا ۔ امیر معاویہ پر اس نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ مگر ہاتھ بھرپور نہ پڑا ۔ پھر بھی زخم ایسا کاری تھا۔ گو جان بچ گئی ۔مگر مُردوں سے بدتر زندگی کاٹی۔ شانے کی ہڈی کٹ جانے سے تادمِ مرگ بخار آتا رہا ۔

مصر میں اتفاق سے نمازِ فجر عمرو بن العاص کی بجائے سترہ رمضان کو قاضی وقت خارجہ بن حذافت العدوی نے پڑھائی ۔ اور عمرو بن ابوبکر تمیمی نے اس کو عمرو بن العاص سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ بعض یوں بھی لکھتے ہیں ۔کہ عمرو اس حال سے آگاہ ہو گیا تھا ۔ اس نے اپنی جان بچا لی ۔

کوفہ میں بہ وجہ رمضان المبارک مسجد میں نمازی بہت تھے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ مسجد میں داخل ہوئے اور صفوں میں سے گزر کر آگے جا رہے تھے ۔کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے ساتھ دو ساتھی لایا تھا ۔ ان میں سے شبیب بن بجرہ نے سبقت کر کے وار کیا ۔ مگر اس کی تلوار طاق پر پڑی ۔ اور وہ بھاگ گیا ۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا ساتھی وردان بھی مفرور ہو گیا ۔نمازیوں کی کثرت تھی ۔آگے بڑھ رہے تھے ۔سمجھ نہ سکے کہ کیا ہوا۔ ابن ملجم بھی شاید بھاگ جاتا ۔مگر ایک عورت سے معاشقہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کا سر لا کر دینا شرطِ نکاح میں طے کر چکا تھا ۔ اس لئے اپنے ارادے پر قائم رہا۔ اور آگے بڑھ کر استقلال سے تلوار کا وار کیا ۔جو نہایت مہلک ثابت ہوا ۔ اور تلوار جسم کو کاٹتی ہوئی نصف سے زیادہ اُتر گئی ۔ ابنِ ملجم پکڑا گیا ۔ جو نہایت سراسیمگی کی حالت میں تھا ۔ آپ نے اس کا اضطراب دور کرنے کے لئے اُسے شربت پلانے کا حکم دیا ۔ اور فرمایا ۔کہ انتقام خون میں اس کو ایک ہی ضرب دی جائے ۔ خواہ جئے یا مرے ۔کیونکہ اس نے مجھ کو ایک ہی ضرب لگائی ہے ۔

انیسویں رمضان المبارک کو آپ کی رُوح نے عالمِ بالا کو پرواز کی ۔

۱ؔ؎ مفصل حالات کے لئے کتاب فاتح خیبر اور رئیس احمد جعفری کا مطالعہ کرو ۔

حضرت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کو بہ اتفاقِ جمہور کوفہ میں خلیفہ تسلیم کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ کہ آپ کو دشمن کے خلاف جہاد میں نرمی اور مضبوط رہنا چاہیئے۔ اور قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کرتے وقت کہا تھا۔ کہ جنگِ مخالفین پر اپنا ہاتھ کشادہ کرنا چاہیئے۔ اور کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دونوں کا پاس رکھنا لازم ہے۔

آپ سے جو شخص بیعت کرتا تھا۔ آپ اس سے یہ عہد لیتے تھے۔ کہ میرے مطیع اور تابع رہنا جس کو میں معاف کروں۔ تم بھی اس سے درگزر کرنا۔ اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی جنگ کرنا۔

آپ گو عدیم المثال شجاع تھے۔ مگر مسلمانوں کی اس آئے دن کی خانہ جنگی کو دل سے ناپسند کرتے تھے۔ امیر معاویہ کی سیاست آپ کی اس نیک عادت کا ناجائز فائدہ اٹھانے میں کب پیچھے رہتی۔ اس لئے انہوں نے ہاشمی قیادت و خلافت کو بزورِ مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور آپ کی حدودِ حکومت میں بدامنی پھیلانی شروع کردی اور تاخت و تاراج کرنے والے فوجی دستے پیہم حملہ کرنے لگے۔ آپ نے انسدادی ردِ عمل کیا۔ امیر معاویہ نے جب یہ دیکھا۔ کہ حضرت امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام مدافعانہ شعور سے انتظامِ ملکی میں دلچسپی سے کام لے رہے ہیں۔ اور عمل کی دنیا میں قوت کا جواب منافق سے نہیں قوت سے دیتے ہیں۔ تو دولت کو اور بھی فراوانی سے بکھیرنا شروع کر دیا۔ ع

اے زر تو خدا نہ باشی ا پر قاضی الحاجاتی

شامی لوگ تو امیر معاویہ کے پہلے ہی دمساز تھے اب اور بھی جانبازی دکھانے لگے۔ ادھر کوفیوں کا عجیب حال تھا۔ کہ خاص موقعوں پر لڑنے سے انکار کرنے لگے۔ عجب صورت تھی۔ کہ کچھ لوگ جنگ پر مصر ہوتے تھے۔ کچھ صلح پہ زور دیتے تھے۔ کچھ توقف کی رائے دیتے تھے۔ اور کچھ کہنا ہی نہ سنتے تھے۔ سہ

میں سازِ بہ موقوف نوائے جگر سوز ڈھیلے ہوں اگر تار تو بیکار ہے مضراب

آپ نے جو دیکھا۔ کہ امیر معاویہ کی زیادتیاں برابر بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور فوج کی نافرمانی کا اور نااتفاقی کا یہ عالم ہے۔ کہ اب عین وقت پہ پہلو تہی کرنے لگی ہے۔ تو سمجھے کہ اس کجی ہوئی

راکھ میں پھونکیں مارنا لاحاصل ہے ۔آپؑ کے خیالات میں فوری انقلاب پیدا ہوگیا۔ آپؑ سمجھ گئے کہ ؎

شرارے وادیٔ ایمن کے تو بوتا تو ہے لیکن
نہیں ممکن کہ پھوٹے اس زمین سے تخم سینائی

کلی زہرِ نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی
جہاں ہر شے ہو محرومِ تقاضائے خود افزائی

قیامت ہے کہ فطرت سو گئی اہلِ گلستان کی
نہ ہے بیدار دل پیری نہ ہمت خواہ برنائی

دلِ آگاہ جب بیدار ہو جاتے ہیں سینوں میں
نوا گر کے لئے زہراب ہوتی ہے شکر خائی

ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد
نہ دارد تنگنائے شہر تابِ حسنِ صحرائی

حضورِ نبویؐ کا ارشاد ہے ۔کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی ۔پھر امارت میں تبدیل ہو جائے گی ۔حضرت امام حسن علیہ السلام کامل و مکمل ولی تھے ۔اور اپنے وقت کے مرشد و امام تھے ۔معارف و اسرار الٰہیہ کے حامل تھے ۔سابقہ زمانۂ خلافتؓ میں اپنے گذشتہ چھ ماہ شامل کر کے شمار کیا تو پورے تیس سال ہو گئے ۔سمجھ گئے کہ اگر کامیابی بھی ہوئی تو میرا وقت اب امارت میں شامل ہو گا ۔جو جمہورِ اسلام کے منافی و مخالف ہے ۔اور عقیدۂ اصولِ اسلام باعثِ ملامت ۔اور پھر اگر یہ حاصل ہو بھی گئی ۔تو مسلمانوں کے خون کی قیمت پر حاصل ہو گی ۔اور اس خانہ جنگی ۔اور رزم و پیکار کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ مرتب نہ ہو گا ۔کہ باہمی کشمکش اور نزاع، قتال اور جدال طول کھینچے اور محترم نانا کی امت کا خون بہے ؎

میں ان کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

ایسی حکمرانی جو مسلمانوں کے ہی کشت و خون کا حاصل ہو ۔اس سے علیحدگی بہتر ہے ۔

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوعِ انساں کا شکاری ہے

چھ ماہ خلافت کرنے کے بعد آپ چالیس ہزار آدمیوں کو لے کر امیر معاویہ کی طرف چل نکلے یہ سن کر ادھر سے امیر معاویہ بھی آ موجود ہوئے ۔جس وقت دونوں طرف کی فوجیں مقابل ہوئیں ۔تو حضرت امام حسن علیہ السلام نے صفوفِ افواج پر نظر ڈالی ۔سمجھ گئے ۔کہ بدون قتال و جدال کسی فریق کا غلبہ دوسرے پر ہونا ناممکن ہے ۔اور سفک الدماء خون بہانے سے حقن الدماء

لے زمانۂ خلافت حضرت ابوبکرؓ ۲ ۱/۲ سال ۔حضرت عمرؓ ۱۰ ۱/۲ سال ۔حضرت عثمانؓ ۱۲ سال اور حضرت علیؓ ۴ ۳/۴ سال

(خون بچانا) بہتر ہے۔ خون ہر صورت میں نانا کی امت کا ہی بہے گا۔ اسے بچانا چاہئیے۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو   اخوت کا بیاں ہوجا محبت کی زباں ہوجا

بہتر ہے کہ عنانِ حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ میں دی جاوے۔ اس سے مسلمانوں کی خانہ جنگی اور آئے دن کی رزم و پیکار سے توجہات بٹ جائے گی۔ اب لڑنا محض اپنے خواہش اقتدار پر ہزاروں مسلمانوں کو قربان کرنا ہے۔

چہ باید مرد را، طبع بلندے مشربے نابے   دلِ گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے،

ترجمہ:- آدمی کو دنیا میں چاہئیے۔ کہ طبیعت بلند ہو۔ معرفت کی شراب میں مست رہے۔ دل گرم نظر پاک اور جان عشق الہٰی میں بے قرار اور مخلوق کی محبت میں سرشار ہو۔

صدقے اس دینی شعور اور خدا پرستی کے! حضرت امام حسن علیہ السلام نے دنیوی جاہ و جلال پر تین حرف بھیجے اور مسلمانوں کو کشت و خون سے بچا لیا۔

یرا ایسی نظر پیدا بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔   ہوس سینوں میں چھپ چھپ کے بنالیتی ہیں تصویریں

حضرت امام حسین علیہ السلام اور امیر معاویہ میں مفاہمت

آپکے پاس علم و عرفان کی لازوال دولت تھی۔ دنیوی جاہ و جلال زوال پذیر ہوتا ہے آنکھوں میں جچا۔ آپنے حضرت امام حسین علیہ السلام کے آگے اظہارِ خیالات کیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے شدت کیساتھ مخالفت کی اور جب حضرت زینب رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو آپنے بھی اس فعل کو مستحسن قرار نہ دیا مگر جب آپ نے بروقت ان کو سمجھایا تو دونو خاموش ہو گئے اسکے بعد آپنے ایک مجمع میں تقریر کی۔ کوفی اور بالخصوص خارجی اس پر مشتعل ہو گئے۔ اور آپ کے ادب کو بھی ملحوظ نہ رکھا۔ اور آپ پر حملہ کر کے آپ کو مجروح کر دیا۔ اور آپ بہ مشکل ان کے ہاتھ سے بچ سکے۔

بہر کیف آپ نے امیر معاویہ سے کہلا بھیجا۔ کہ:-

یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں   کہ فیضِ عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

امیر معاویہ نے جواباً ایک قرطاس ابیض بھیج دیا۔ کہ اس پر شرائط لکھ بھیجیں۔ میں ان پر زندگی بھر عمل کرتا رہوں گا۔

آپ نے چند شرائط ارقام فرمائیں جن میں یہ بھی تھیں جو زیادہ اہم تھیں:-

(۱) صوبہ اہواز کا خراج مصارف کے لئے زندگی بھر مجھے ملتا رہے۔

(۲) دو لاکھ دینار سالانہ میرے بھائی حسین (علیہ السلام) کو دیئے جاویں۔

(۳) میرے باپ علی کرم اللہ وجہہٗ کے حق میں جو سب وشتم اور کلماتِ ناروا کہے جاتے ہیں ان سے باز رہا جاوے۔ اور باز رہنے کی تلقین کی جاوے۔

(۴) نہایت اہم شرط یہ ہے۔ کہ آپ اپنے بعد اپنی مرضی سے کسی کو خلیفہ منتخب نہ کریں۔ آپ کے بعد جمہور مسلمین کی رائے سے خلیفہ منتخب ہو۔ وغیرہ، وغیرہ۔

امیر معاویہ نے مصلحتِ وقت سے کام لیا۔ بلا استثناء تمام شرائط مان لیں اور تمام دنیائے اسلام کے حکمران ہو گئے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے متعلق اسی موقعہ کے لئے حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ حسن (علیہ السلام) میرا بیٹا سید ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو عظیم متضاد جماعتوں میں مصالحت[۱] ہو گی۔ اور اسی وقت کے بعد حضورؐ کا فرمان ہے۔ کہ خلافت الٰہیہ آمریت میں بدل جائے گی۔ اور یہ زمانۂ ملوکیت بُرا زمانہ ہو گا۔ اس زمانہ کی تصدیق امیر معاویہ کے حصہ میں آئی۔

اسلامی اور غیر اسلامی نظریہ جنگ

واقعاتِ آئندہ کا ذکر کرنے سے پیشتر ہم ذرا اسلامی آئینِ جنگ کی وضاحت کرتے ہیں۔ کہ اس کو غیر اسلامی شعائرِ جنگ سے کیا امتیاز حاصل ہے۔ اور اسے مال و دولت کی جنگ، ملک و زمین کی جنگ، شہرت و ناموری کی جنگ اور عصبیت کی جنگ سے کیونکر ممیّز کیا جا سکتا ہے۔ داعیٔ اسلام نے جہاد فی سبیل اللہ کو جہاد فی سبیل الطاغوت سے ممتاز کر کے پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ تاکہ مسلمان فریبِ نفس میں مبتلا ہو کر کسی وقت اپنی عاقبت کو خراب نہ کریں۔

ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ الذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانَهٗ فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ ایک شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بولا۔ کہ کوئی شخص شہرت و ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے۔ کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے۔ فرمائیے! کہ ان میں سے کس کی جنگ راہِ خدا میں ہے؟

حضورؐ نے جواب دیا۔ کہ راہِ خدا کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے۔ جو محض اللہ

[۱] بارگاہِ الٰہی سے اس جذبۂ قربانی کا انعام حضرتِ امام حسن علیہ السلام کو یہ ملا کہ قطبِ اوّل تعین ہوئے آپ کی نسل سے حضور غوث الاعظم [illegible]

کا بول بالا کرنے کے لئے لڑے +

یہی ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں۔ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْقِتَالُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ! فَاِنَّ اَحَدَنَا یُقَاتِلُ غَضَبًا وَیُقَاتِلُ حَمِیَّۃً فَرَفَعَ اِلَیْہِ رَأْسَہٗ ط فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ہِیَ الْعُلْیَا فَہُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ ترجمہ:۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا۔ اور بولا۔ کہ یا رسول اللہ۔ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے۔! ہم میں سے کوئی جوشِ غضب میں لڑتا ہے۔ اور کوئی حمیّتِ قومی کی بنا پر۔ آپؐ نے اس کی طرف سر اٹھا کر جواب دیا۔ کہ جو شخص اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے لڑتا ہے۔ اسی کی جنگ راہِ خدا میں ہے !

ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا اَرَاَیْتَ رَجُلٌ غَزَا یَلْتَمِسُ الْاَجْرَ وَالذِّکْرَ! مَا لَہٗ؟ اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ جو مالی فائدے اور ناموری کے لئے جنگ کرتا ہے۔ ایسے شخص کو کیا ملے گا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جواب دیا۔ لَا شَیْءَ لَہٗ۔ اس کو کچھ ثواب نہ ملے گا۔ سائل کے لئے یہ عجیب بات تھی۔ پلٹ کر پھر آیا۔ اور پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے دوبارہ وہی جواب دیا۔ اس کا اطمینان اب بھی نہ ہُوا۔ تیسری اور چوتھی مرتبہ پلٹ کر آیا اور یہی سوال کرتا رہا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو مطمئن کرنے کے لئے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَہٗ خَالِصًا وَابْتُغِیَ بِہٖ وَجْہُہٗ۔ اللہ اس وقت تک کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔ جب تک وہ خالص اس کی خوشنودی اور رضا کے لئے نہ کیا جاوے۔

معاذ بن جبل رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اَلْغَزْوُ غَزْوَانِ فَاَمَّا مَنِ ابْتَغٰی وَجْہَ اللّٰہِ وَاَطَاعَ الْاِمَامَ وَاَنْفَقَ الْکَرِیْمَۃَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَاِنَّ نَوْمَہٗ وَنَبْہَتَہٗ اَجْرٌ کُلُّہٗ ط وَاَمَّا مَنْ غَزَا رِیَآءً وَسُمْعَۃً وَعَصَی الْاِمَامَ وَاَفْسَدَ فِی الْاَرْضِ فَاِنَّہٗ لَا یَرْجِعُ بِالْکَفَافِ ط ترجمہ:۔ لڑائیاں دو قسم کی ہیں۔ جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لئے لڑائی کی۔ اور اس میں امام کی اطاعت کی۔ اور اپنا بہترین مال خرچ کیا۔ اور فساد سے پرہیز کیا۔ تو اس کا سونا جاگنا سب اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت و ناموری کے لئے جنگ کی۔ اور اس میں امام کی نافرمانی کی۔ اور زمین میں فساد پھیلایا۔ تو وہ برابر بھی نہ چھوٹے گا (یعنی الٹا عذاب

میں مبتلا ہو گا۔

یہ تعلیم جنگ کو ہر قسم کی دنیاوی اغراض سے پاک کر دیتی ہے۔ شہرت و ناموری کی طلب عزت و فرمانروائی کی خواہش مال و دولت اور حصولِ غنائم کی طمع شخصی و قومی عداوت کا انتقام غرض کہ کوئی دنیوی مقصد ایسا نہیں جس کے لئے جنگ جائز رکھی گئی ہو۔

انسانِ کامل کون ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں یہ سمجھنا آسان ہے۔ کہ صحیح الایمان مسلمان کس زاویہ نگاہ سے جہاد کرتا ہے۔ اور کس جذبۂ ایمان اور سرفروشی سے اپنے نفس کی اصلاح کر کے اپنے آپ کو دنیا کی آلودگیوں سے پاک و صاف کر لیتا ہے۔ اور راہِ حق میں مزکّیٰ و مُطہّر ہو کر گامزن ہوتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا کی خاص حکمت یہی ہے۔ کہ انسان اپنے آپ کو دنیا کے مالہٗ و ماعلیہ و مافیہا سے مستغنی و بے نیاز کر لے اور اپنے دل کو اس کی آلودگیوں سے پاک کر لے۔ اس کا مقصد وحید اور منتہائے نظر محض ذاتِ باری تعالےٰ سے مربوط ہونا ہی ہو ؎

نصیبے اوست مرگ نا تمامے　　　مسلمانے کہ بے اللہ ہو زیست

اور اس مشکل مرحلہ میں صبر و استقلال سے کام لے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ میں یہی تاکید ہے۔ کہ اپنے نفسانی جذبات اور دنیوی لذائذ کی کشش اور جاذبیت سے بچنے کے لئے صبر سے کام لو۔ اور اللہ سے رابطہ پیدا کرو۔ تاکہ تم نجات پاؤ۔ اور اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ میں اس فریبِ نفس سے بچنے کے لئے ترکیب بتلائی گئی ہے۔ کہ جو لوگ متقی ہیں اگر وہ کبھی شیطان کے دھوکہ میں آ بھی جاتے ہیں۔ تو ہم کو یاد کر کے فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ اور برے کام سے بچ نکلتے ہیں۔

اللہ کی یاد کی جاوے اور اس احکم الحاکمین کے احکام کی پیروی کی جاوے۔ تو نفس و شیطان کا غلبہ ہونے ہی نہیں پاتا۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ۔ کہ جو لوگ ہماری ملاقات کی امید و آرزو نہیں رکھتے۔ اور صرف دنیا کی زندگانی سے ہی مطمئن اور راضی ہیں۔ اور اس کی دلچسپیوں میں مگن ہیں۔ اور ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔ اور ایسے غافلوں کی سزا یہ ہے کہ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔

یہ لوگ بہ سبب اپنے اعمالِ ناپاک کے دوزخ میں جائیں گے ؎

اس تماشا گاہِ عالم کی ہیں جو دل چسپیاں دیکھ لے اے دل مگر بچنے کا رستہ دیکھ کر

کلامِ الٰہی کی ان پاکیزہ آیات میں انسان کو فہمائش کی گئی ہے۔ کہ قربِ الٰہی کے منازل طے کرنے کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرنا ازبسکہ ضروری ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہادِ نفس کو جہادِ اکبر اور کفار سے جنگ کرنے کو جہادِ اصغر سے تعبیر فرمایا ہے۔ کہ اول الذکر میں قوتِ بازو سے کہیں زیادہ قوتِ ایمان کی ضرورت ہے۔ ؎

چوں می گویم مسلمانم بہ لرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

ترجمہ:- جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں۔ تو لرز جاتا ہوں۔ کہ مسلمان ہونا بڑا مشکل ہے۔

غایت درجہ سمجھا جاوے اور غور کیا جاوے تو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ جہادِ نفس محض یادِ الٰہی ذکر و فکر ریاضت اور مجاہدہ پر ہی مشتمل نہیں۔ بلکہ اس میں حقوق العباد و حقوقِ جملہ مخلوق کی ادائیگی اور ان کی نگہداشت تطہیرِ قلب کے لئے غایت درجہ ضروری ہے۔ خالق و مخلوق دونوں کے حقوق ادا ہوں۔ تو تکمیلِ اخلاق ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا ان کے ریوڑ کی ایک بکری گم ہونے پر اس کی تلاش میں نکلنا۔ تین دن تک سرگرداں پھرنے کے بعد اسے پانا اور اس سے ملاطفت سے پیش آنا خدا تعالیٰ کو اتنا پسند آیا۔ کہ فرشتوں کو مخاطب کر کے استفسار فرمایا کہ کیا ایسا رحم دل اور نیک خو شخص آدمی نبوت عطا کئے جانے کے قابل نہیں!

ایک مکمل انسان وہ انسان ہے۔ جو اپنی تمام خواہشات اور اراداتِ نفسانی سے مبرّا اور پاک ہو۔ اور جس کی توجہ کسی امر میں بہ جُز بارگاہِ الٰہی کسی دوسری جانب منتقل نہ ہو۔ اور اس راہ میں تمام درجاتِ صبر و شکر طے کر کے فنا فی اللہ ہو چکا ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ایسی ہی زندگی کا عکس تھیں۔ خال خال اگر کوئی لغزش ہو بھی جاتی تھی۔ تو وہ خطرہ نفس سے آگاہ ہو کر جہاد بالنفس کے عمل کو تیز تر کر دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ہر شے ان کے تابع فرمان تھی ؎

کافر کی ہے پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

حضرت عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ جب افریقہ کے عامل مقرر ہوئے۔ تو انہوں نے اس کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا۔ مگر کوئی مستقل چھاؤنی نہ ہونے کے سبب جب فتوحات کر کے

مصر کو واپس آتے تو نو مسلم بربری لوگ کفار کے ساتھ مل کر عہد و پیمان توڑ دیتے اور وہاں جو مسلمان ہوتے ان کو بھی تباہ و برباد کر دیتے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ پر مستقل چھاؤنی ڈالنے کا ارادہ کیا۔ اتفاقاً جس جگہ کو پسند فرمایا وہاں اس قدر گنجان جنگل تھا کہ آدمی یا بڑے بڑے جانور تو درکنار سانپوں کو بھی ان درختوں میں سے ہو کر نکلنا دشوار تھا۔ یہ جنگل افریقہ کا جنگل تھا۔ جو آج بھی دنیا میں اپنے خوفناک ہونے کے لئے مشہور ہے۔ درندوں اور موذی زہریلے جانوروں کا مسکن تھا۔ ایسی سرزمین میں آدمی کی بود و باش تو بجائے خود رہی اس میں سے گزرنا بھی جان کو ہلاکت میں ڈالنا تھا۔ مگر صحبت رسول اللہ کے فیض اٹھانے والے اس رسول عربی کے متوالے دنیا کے تمام سیاسی فرمانرواؤں سے بدرجہا افضل تھے۔ ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر ناز تھا ؎

مسلماں کی رسائی بحر ناپیدا کراں تک ہے۔ زمیں سے آسماں تک آسماں سے لامکاں تک ہے

آپ نے اپنے اٹھارہ ساتھیوں کو ساتھ لیا۔ اور ایک میدان میں جمع ہو کر سباع و حشرات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اَیَّتُهَا الْحَشَرَاتُ الْاَرْضِ وَالسِّبَاعُ نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَارْحِلُوْا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَاهُ بَعْدُ قَتَلْنَاهُ۔ اے درندو! موذی جانورو اور زمین کے کیڑو! ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ جو یہاں آباد ہونا اور قیام کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے تم یہاں سے ہٹ جاؤ۔ اور یہاں کا قیام چھوڑ دو۔ نہیں تو اس اعلان کے بعد ہم جس کو دیکھیں گے۔ قتل کر دیں گے ؎

ہمیں دریا ہمیں چوب کلیم است کہ از وے سینۂ دریا دو نیم است

ترجمہ:۔ یہی دریا ہے۔ اور یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہے۔ جس سے دریا پھٹ جاتا ہے۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی اس آواز میں تاثیر تھی کہ سب حشرات الارض اور درندوں میں ہل چل پڑ گئی۔ انہوں نے اسی وقت جنگل چھوڑنا شروع کر دیا۔ شیر بھیڑیے چیتے وغیرہ معہ اپنے جوڑوں اور بچوں کے اور سانپ اپنے سپولیوں کو کمروں سے چمٹائے رینگتے جا رہے تھے۔ ہزاروں آدمی تماشا دیکھنے کو کھڑے تھے۔ بربری جو اس ملک کے اصلی باشندے تھے۔ اور اس جنگل کی حالت اور خطرات سے بخوبی آگاہ تھے۔ اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کر کے صدق دل سے اسلام لے آئے اور سچے جانثار بن گئے۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است　　آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است
لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق　　جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق
تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرحِ انی جاعلٌ سازد ترا

ترجمہ:۔ حقیقت میں مسلمان وہی ہے۔ جس کے دل میں رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم بستے ہیں۔ اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری آبرو باقی ہے۔ اس عشق کے سلطان کا لشکر لے کر عشق کے پہاڑ کی چوٹیوں پر جلوہ گر ہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تیری قدر و منزلت کرے۔ کیونکہ تجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت عطا کی ہے۔

بیہقی رضی اللہ عنہ نے سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ میں دریائے شور میں تھا کہ جہاز ٹوٹ گیا۔ میں ایک تختہ پر بیٹھ گیا۔ بہتے بہتے ایک جنگل کے کنارے جا لگا۔ ساحل سے اتر کر میں ایک طرف کو چل دیا۔ دفعتہً میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک بڑا شیر میری طرف آرہا ہے۔ میں نے اس کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے کہا۔ کہ میں جنابِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ وہ شیر میرے نزدیک آیا۔ اور اپنا کندھا میرے بدن پر مارا۔ اور میرے ساتھ ہو لیا۔ یہاں تک کہ مجھ کو ایک راہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر کر باریک باریک آواز کرتا رہا۔ اور میرے ساتھ اپنی دُم چھوڑا دی میں سمجھ گیا۔ کہ مجھ کو رخصت کرتا ہے۔

مسلماں گرچہ بے خیل و سپاہے ست　　ضمیرِ او ضمیرِ پادشاہے ست
اگر او را مقامش باز بخشد　　جمالِ او جلالِ بے پناہے ست

ترجمہ:۔ مسلمان بے شک بغیر ہنگامی لشکر و سپاہ کے ہی ہو۔ تو بھی اس کا دل بادشاہ ہے۔ صحیح مقام پر مسلمان کا جمال بھی بے پناہ جلال جیسا ہی باہیبت ہے۔

یہ تمثیلی واقعات ہم نے اس لئے بیان کئے ہیں۔ کہ معلوم ہو سکے۔ کہ مسلمانوں میں ایسے افراد بھی تھے۔ کہ جن کی شان یہ تھی۔ کہ ؎

قسمتِ عالم کا مسلم کوکبِ تابندہ ہے۔　　جس کی تابانی سے افسونِ سحر شرمندہ ہے

اور واقعی دنیا میں مسلمان کی شان بھی یہی ہے کہ ؎

ماسوی اللہ کے لئے آگ ہے۔ تکبیر تری۔　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

عاشقانِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و شیفتگانِ اسلام کی زندگیوں کی سیر ایک نظر سے تو ہو ہی نہیں سکتی۔ وگرنہ زمانۂ حیاتِ رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیار و ابرار امت اور بزرگانِ دین کے حالات بیان کرنے کے لئے ایک عرصۂ طویل اور زمانۂ دراز کی ضرورت ہے۔ بہرکیف ان کے بیارہ حالات سے کتابوں کی ضخامتیں مزین ہیں۔ جن کا مطالعہ کرنے سے انسان صحیح انسان اور مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے۔ اور مومن کو درجاتِ ایمان کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ مگر اسی امت میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور بعد ممات ایسے مسلمان بھی موجود رہے۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ کہ جن کے کیرکیٹر اور کردار کی ترجمانی نظیری نے اس شعر میں کی ہے ؎

از مسلماناں نظیری شد مسلمانی خراب　　زیں مسلماناں برآ و در مسلمانی گریز

اور اقبال نے ان کی ذہنیت کا نوحہ یوں کیا ہے ؎

بروں آ از مسلماناں گریز اندر مسلمانی　　مسلماناں روا دارند کافرماجرائی ہا

کہ ان مسلمانوں نے اسلام کو بدنام کر دیا ہے۔ ان سے نہ ل نہ ان سے باہر آجا یہ کافروں جیسے کام کرنے سے عار نہیں کرتے۔

مسلمانوں نے جب کبھی اسلام کو پس پشت ڈالا۔ تو ان پر اکثر افتادت دنیوی آفات نازل ہوئیں۔ اور وہ اپنے صحیح مقام سے کئی منزلیں پیچھے دھکیلے گئے اور دنیا میں ذلیل و خوار ہوتے ؎

ملتے را رفت چوں آئین ز دست　　مثل خاک اجزائے او از ہم شکست

ترجمہ:۔ جب قوم اپنا شعار و قانون کھو بیٹھے۔ تو وہ مٹی کی طرح بکھری جاتی ہے۔

برگ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد　　گل ز آئین بستہ شد گلدستہ شد

ترجمہ:۔ پتے مل کر پھول بناتے ہیں۔ اور پھول ملتے ہیں۔ تو گلدستہ بن جاتا ہے۔

نغمہ از ضبطِ صدا پیدا استے　　ضبط چوں رفت از صدا غوغا استے

ترجمہ:۔ آواز کے ربط و ضبط سے راگ بنتا ہے۔ جب یہ ضبط نہ رہے۔ تو یہی آواز محض شور و غوغا ہے۔

در گلوئے ما نفس موجِ ہوا ست　　چوں ہوا پابندِ نے گردد نوا ست

ترجمہ۔ سانس جو گلے میں گذرتا ہے۔ صرف ہوا ہی ہے۔ یہی ہوا بانسری میں آجائے تو خوش نوا ہے۔

صقلیہ کے بعد کریٹ اور کریٹ کے بعد سردانیہ بحر روم کے جزیروں میں سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ موسیٰ بن نصیر رضی اللہ عنہ فاتح اندلس نے اس جزیرہ کی فتح کے واسطے ایک لشکر کو جہازوں پر بھیجا۔ جزیرہ فتح ہو گیا عیسائی جو جان بچا کر بھاگ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے سونے چاندی کے برتن اور اسی طرح کا قیمتی مال بوریوں میں بند کر کے مضبوط باندھ کر بندرگاہ کے نزدیک نشان یاد رکھ کر پانی میں چھپا دیا۔ اور بہت سا مال گرجا گھروں کی چھت سے کپڑا تان اور باندھ کر دوچھتی سی بنا کر اس میں چھپا دیا۔ مسلمانوں کو بے انتہا مالِ غنیمت ملا۔ لیکن اس میں خیانت بھی بہت کی گئی۔ ان کو اس خیانت کا قدرتاً موقع بھی مل گیا۔ ایک آدمی نہانے کے لئے پانی میں اترا۔ تو اس کو محسوس ہوا۔ کہ کوئی چبھنی ہوئی شے ہے جو باہر نکال کر دیکھا۔ تو چاندی کی رکابی تھی۔ اس نے دوسروں کو بتایا سب نے تلاش کر کر کے جو چیز کسی کے ہاتھ لگی سنبھال لی۔ اتفاقاً ایک مسلمان گرجا گھر میں داخل ہوا ایک کبوتر چھت میں بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے کبوتر پر تیر مارا۔ کبوتر تو بچ کر اُڑ گیا۔ مگر اس کے پروں سے ایک بڑا قیمتی پتھر کا ٹکڑا نیچے گرا۔ اور کچھ دینار بھی ساتھ ہی گر پڑے۔ اس نے نیزے کی انی سے دوچھتی کا کپڑا پھاڑ دیا۔ اور سارا مال جمع کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور کچھ اپنے حلقۂ احباب کو بھی دیا۔ اس طرح وہ سارا مال ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔ اور مالِ غنیمت کو اکثر طور پر اس طرح چھپا لیا۔ کہ کئے بلی کو مار کر اس کی کھال اتار کر اس میں دینار بھر کر سی دیا گیا۔ اور باندھ کر راستہ میں پھینک دیا گیا۔ اور نشان رکھا۔ جب وہاں سے گزرے تو کہیں پھینک دینے کے بہانہ سے کھینچتے ہوئے لے گئے۔ فتح جزیرہ سے فارغ ہو کر اور مالِ غنیمت میں اس طرح خیانت کر کے واپس ہونے کے لئے جہاز میں سوار ہوئے تو غیب سے ایک ہولناک آواز سنائی دی۔ اَللّٰھُمَّ غَرِّقْھُمْ۔ کہ یا الٰہی ان سب کو پانی میں غرق کر دے۔ چنانچہ سب کے سب غرق ہو گئے۔ اور ایک بھی باقی نہ بچا ؎

عقلِ خود بین دگر و عقلِ جہاں بیں دگر است　　　بالِ بلبل دگر و بازوئے شاہیں دگر است

ترجمہ: جہاں کو دیکھنے والی وسیع نظر اور ہے۔ اور اپنے آپ کو دیکھنے والی محدود نظر اور ہے بلبل کے کمزور پر اور ہیں۔ اور شہباز کے مضبوط پر اور چیز ہیں۔

دگر است آنکہ برد دانۂ افتادہ ز خاک — آنکہ گیرد خورش از دانۂ پروین دگر است

ترجمہ:۔ مٹی پر پڑا ہوا دانہ کھا نے چگنے والے اور آسمانی موتیوں کے کھانے والے میں فرق ہے۔

دگر است آں کہ زند سیر چمن مثل نسیم — آنکہ در شد بہ ضمیر گل و نسرین دگر است

ترجمہ:۔ نسیم صبحگاہی کی طرح باغ کی سیر اور چیز ہے۔ اور پھولوں کی مہک اور چیز ہے۔

اے خوش آں عقل کہ پہنائے دو عالم با اوست — نور افرشتہ و سوز دل آدم با اوست

ترجمہ:۔ وہ عقل کیسی خوش نصیب ہے۔ کہ جو دو جہان پر محیط ہے۔ فرشتوں کا نور اور آدمی کا سوز عشق اس میں نہاں ہے۔

ان تاریخی امثلہ سے خوب واضح ہو گیا۔ کہ جہاد فی سبیل اللہ صحیح معنوں میں کیا ہے۔ اور جب نفس کی آمیزش اس میں شامل ہو جائے۔ تو یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں رہتا بلکہ اسلام سے گر جاتا ہے۔ اور ایسا جہاد کامل الایمان مسلمان نہیں کیا کرتے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایسی ہی وجوہات کی بنا پر خلافت سے امیر معاویہ کے حق میں دست برداری کی تاکہ مسلمانوں کے جان و مال جنگ کی ہولناک تباہی سے بچ جائیں ؎

آتش جان گدا جوع گدا ست — جوع سلطان ملک و ملت را فناست

ترجمہ: فقیر کی بھوک اس کی اپنی جان کو ہی جلاتی ہے۔ مگر بادشاہ کی بھوک ملک و قوم کو فنا کر دیتی ہے۔

البتہ آئندہ کے خطرات سے محفوظ رہنے اور مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے چند در چند وعدے لئے جو اسی بنا پر تھے۔ کہ ملت اور افراد ملت کے دین و ایمان کی محافظت ہو سکے۔

حق ناحق پر ذہنی خلفشار

امیر معاویہ اب بلا شرکت غیرے کل عرب کے بادشاہ تھے۔ اور بلا مقابلۂ اعدے اپنے اختیارات پر متمکن ہو چکے تھے قریشی النسل تھے۔ جو بادشاہی کے لئے عرب میں ایک ممتاز نسل تھی قبائلی زندگی میں ہر قبیلہ ایک سیاسی وحدت ہوتا ہے۔ اور بعض قبائل کو بعض قبائل پر فضیلت و فوقیت ہوتی ہے۔ قریش کو دوسرے تمام قبائل پر فوقیت تھی۔ اور قریش میں ہاشمیوں کو سب قریشیوں پر فضیلت تھی۔ جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے مقابلہ سے ہاتھ اٹھا

لیا۔ تو عرب کی دوسری جماعتوں اور قبیلوں کے لئے معاویہ خواہ اموی ہی تھے۔ مگر پھر بھی قریشی تھے۔ اور وہ بھی عبدالمناف کی نسل سے۔ اس لئے مصلحت ملیہ کے پیش نظر جب ہاشمی افراد نے اموی فرد سے مصلحت کوشی کر لی۔ تو عربوں کو بھی تسلی ہو گئی۔ کہ ان کا سردار عبدمناف کی نسل سے قریشی فرد تو ہے۔ ہاشمی نہیں تو اموی ہی سہی۔ ان کا اصولِ موضوعہ تو پورا ہے۔

آج عرب لوگوں کی اسی ذہنیت کو اپنا کر اکثر مسلمان اسی فریب خوردگی کے باعث کہہ دیتے ہیں۔ کہ دو بھائی قریشی عربی آپس میں لڑتے۔ ہم کیوں توازن کریں کہ کون حق پہ تھا اور کون ناحق پہ تھا۔

مولانا عبدالرحمن جامی کتاب سلسلۃ الذہب میں فرماتے ہیں۔

واں خلافت کہ داشت با حیدر   در خلافت صحابیٔ دیگر

ترجمہ:۔ ایک صحابی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ خلافت کے بارے میں مخالفت رکھتا تھا۔

حق دراں جا بدست حیدر بود   خلاف آں جا خلاف منکر بود

ترجمہ:۔ سچائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں تھی۔ اور جان بوجھ کر ان کی مخالفت کی جا رہی تھی۔

تو خلاف از مخالفاں مپسند   از لعن و طعن زبان بہ بند

ترجمہ:۔ تو مخالفوں کی مخالفت کو مت پسند کر اور اپنی زبان کو بھی لعن طعن سے بند رکھ

نوٹ:۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ ہم صحابہ کرام کے پاؤں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لعنت تو بجائے خود حرف گیری بھی گناہِ عظیم ہے۔ اللہ معاف کرے واقعات تو بتلانے ہی پڑتے ہیں۔

دیلمی سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اپنی اولاد کو تین باتوں کی تادیب کرو۔ کہ وہ اپنی خصلت میں پختہ کرے۔ اول رسول پاک کی محبت ہر چیز سے زیادہ ہو۔ دوم میرے اہل بیت کی محبت میں پوری طرح قائم رہے۔ اور سوم قرآن کریم کے ساتھ عمل کو پختہ کرے۔

امیر معاویہ کو لازم تھا۔ کہ جو معاہدہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ کئے تھے۔ ان پر دائم رہتے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔

بنو فاطمہ سے امیر معاویہ کا سلوک

اکثر مسلمانوں کا خیال ہے کہ امیر معاویہ

اہل بیت سے حسن سلوک سے پیش آتے رہتے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دو لاکھ دینار سالانہ خرچ کے لئے دیتے تھے۔ مگر یہ کوئی احسان نہ تھا۔ کیونکہ یہ تو کئے ہوئے وعدوں میں سے ایک وعدہ تھا۔ اور وہ اسے طوعاً و کرہاً کسی مصلحت سے پورا کرتے تھے۔ اگر وہ خوشی سے کرتے۔ تو حضرت امام حسن علیہ السلام کا وظیفہ بند نہ کرتے ایک سال مدت تک یہ موعودہ رقم نہ ملی۔ تو حضرت امام حسن علیہ السلام خرچ سے تنگ آگئے۔ اور دنیوی مصارف ضروریہ پورے نہ ہونے سے طبیعت میں انقباض پیدا ہو کر پریشانی سی لاحق ہو گئی۔ اور چاہا کہ امیر معاویہ کو لکھ کر یاد دہانی کرائی جاوے۔ مگر عزت و حمیت نے قلم کو روک دیا سے
تنک بخشی کو استغناء سے پیغام خجالت دے! نہ رہ منت کش شبنم نگوں جام و سبو کر دے

اسی رات خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ کہ پوچھتے ہیں۔ کہ اے حسن (علیہ السلام) کیونکر ہے! آپ نے کہا۔ کہ اے پدر بزرگوار خیریت ہے۔ میرے نفس نے تاخیر مال سے شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ کیا اپنی مثل مخلوق کو دولت دنیا کے لئے لکھ کر یاد دلانا چاہتا تھا۔ امام حسن علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ دعا پڑھا کرو:۔

اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَآءَكَ وَاقْطَعْ رَجَآئِیْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْا اَحَدًا غَیْرَكَ ط اَللّٰهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِیْ وَقَصُرَ عَنْهُ عَمَلِیْ وَلَمْ تَنْتَهِ اِلَیْهِ رَغْبَتِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْئَلَتِیْ وَلَمْ یَجْرِ عَلٰی لِسَانِیْ مِمَّا اَعْطَیْتَ اَحَدًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ مِنَ الْیَقِیْنِ فَخُصَّنِیْ بِهٖ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ط

(ترجمہ:۔ یا اللہ میرے دل میں اپنی امید ڈال دے اور اپنے سوا کسی اور کی امید میرے دل سے نکال دے۔ یہاں تک کہ میں تیرے سوا اور کسی کی امید نہ رکھوں۔ اور میرے رب مجھے وہ خاص یقین عطا فرما جو تو نے پہلوں اور پچھلوں میں سے کسی کو دیا ہے۔ جس کے حاصل کرنے سے میری قوت عاجز اور میرا عمل کوتاہ ہے۔ اور جہاں تک میری خواہش اور میری طلب نہیں پہنچی اور نہ وہ میری زبان پر جاری ہوئی)۔

چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد جب عام چرچا ہوا۔ اور لوگوں نے امیر معاویہ کو اس بارے میں کہا سنا۔ تو انتہائی سیاسی شعور سے کام لیتے ہوئے امیر معاویہ نے اس وظیفہ کو جاری رکھنے میں مصلحت سمجھتے ہوئے وظیفہ تو جاری کر دیا۔ مگر حضرت امام حسن علیہ السلام کیساتھ

ایسی دانشمندانہ معاملہ فہمی کا برتاؤ کیا۔ کہ جس سے عوام میں کوئی ہیجان پیدا نہ ہو۔ اور کسی طرف سے لوگوں میں بغاوت کرنے کا خیال نہ رہے۔

یہ صحیح ہے۔ کہ امیر معاویہ نے بادشاہ ہونے کے بعد اختیارات کو مکمل طور پر استعمال کیا۔ اور عمرو بن العاص کو اپنا مشیرِ اعظم قرار دیا۔ اور چاروں طرف احکام جاری کر دیئے۔ کہ میری حکومت کو جو شخص تسلیم نہ کرے اور بیعت پر راضی نہ ہو اسے گرفتار کر لو۔ چنانچہ اب یہ کُل عرب کے بادشاہ تھے۔ زن و مرد نیک و بد امیر و غریب سب کے سلطان تھے۔ خلیفۃ برحق تو تھے ہی نہیں۔ کہ کسی کی صحیح حرف گیری کا ڈر رکھتے یا کسی کا خدشہ ہوتا۔ کہ ٹوک دے گا۔ مدتوں کی آرزوئیں بر آئی تھیں۔ اور عرصہ سے اسی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ جو اب ہاتھوں میں تھی۔ خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کیا۔ اور مکمل طور پر کیا۔ مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کے باعث وہ دم خم نہ رہا تھا۔ کہ کسی کو سرتابی کی مجال ہوتی۔ اس لئے سب نے ہی امیر معاویہ کی امارت و بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام لڑائی جھگڑے سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ ان کے اقربا زیادہ تر ان کے ساتھ ہی تھے۔ اور ان کے معتقدین بھی ان کے حلقہ بگوش رہ کر دن کاٹتے تھے۔ جن میں زیادہ تر قابلِ ذکر حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن ابنِ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی طرف سے امیر معاویہ کا دل کبھی صاف نہ ہوا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے گو امیر معاویہ کے حق میں دست بردادی کر لی تھی۔ اور بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا تھا۔ مگر پھر بھی امیر معاویہ کو جو خدشات خاندانی امور کی بنا پر ہاشمیوں سے تھے۔ ان کے تحت ان کی اندرونی خلش کسی طرح نہ جاتی تھی۔ اندرونی خلفشاروں کے حل و عقد کے لئے ان کو قدرت نے ایسے افراد مہیا کر دیئے تھے۔ جو ان کے لئے اپنا ایمان تک بھی اس بازی میں لگا دینا سعادتِ دارین سمجھتے تھے۔ چنانچہ مروان نے حضرت امام حسن علیہ السلام پر دو مختلف مواقعات پر قاتلانہ حملہ کیا۔ مگر اتفاقاً آپ بچ جاتے رہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خبر ہونے پر مروان کو دھمکی دی۔ اور امیر معاویہ کو فہمائش کی۔ کہ ایسی حرکات زیبا نہیں۔

متعدد دفعہ اسی گروہ کے مردوں اور عورتوں نے آپ کو مختلف طریقوں سے زہر دیا۔ مگر زہر خفیف ہوتا۔ یا کوئی اور صورت آپ کے بچ جانے کی پیدا ہو جاتی۔ آپ حضور رسولِ

پاکؐ کے روضۂ اقدس کی جالی آنکھوں سے لگاتے۔ جسم سے ملتے۔ اور دعا مانگتے۔ تو زہر کا اثر رفع ہو جاتا۔ مگر اس نویں دفعہ زہر کے اندر جانے سے جسمانی حرارت زیادہ رہنے لگی۔ اور آپ کو زیادتیٔ پیاس کی شکایت رہنے لگی۔ رات کو بھی کئی دفعہ اٹھ کر پانی پیتے۔ اور آپ کی خورد و نوش کی اشیاء کی بدرجۂ غایت حفاظت کی جاتی لگی۔ آپ کے خدام احباب اور گھر والوں کو آپ کا خاص خیال رہتا۔ کیونکہ دشمنوں سے مستقل خطرہ تھا۔ یہ انسان مسلمان کہلا کر مسلمانوں کے امام وقت، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نواسے اور جوانانِ جنّت کے سردار کو اپنی وجاہت برقرار رکھنے کے لئے اپنے دنیاوی بادشاہ کے ارمانوں پہ قربان کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کام کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقِ کار کو عمل میں لانا چاہتے تھے ؎

گلۂ جفائے وفا نما جو حرم کو اہلِ حرم سے ہے ۔ کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

یہ لوگ نمازیں پڑھتے، حج کرتے اور ظاہری طور پہ مکمل مسلمان ہونے کے باوجود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھرانہ کے دشمن تھے۔ بالخصوص بادشاہی خاندان کے افراد اس دشمنی میں پیش پیش تھے۔ اور ان کے متعلقین بھی ان ہی کردار کے مالک تھے۔ کہ یہ حکومت پرستی کو ہی اپنا اعتقادِ دین سمجھتے تھے۔ مسلمان کہلانا اور ہے۔ اور مسلمان ہونا اور ہے۔ ان لوگوں میں روشن ضمیری صرف ان میں تھی۔ جو روشن ضمیر لوگوں کے حلقہ بگوش تھے۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت تھی۔ اور ان کی وجہ سے ہی ان کے پاک گھرانہ سے عشق تھا ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب ۔ بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

ترجمہ: جب باغ سے پھول کی بہار ختم ہوتی ہے۔ تو پھول کی مہک پھول کے عطر سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

اہلِ بیت اطہار عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہی خوشبو اور مہک رکھتے تھے۔ اور ان میں وہی للّٰہیت اور دین کا رنگ تھا۔ جو رسولِ خدا میں تھا اسی لئے عقیدتمندانِ دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم اس آفتابِ عالمتاب کے دنیا سے روپوش ہو جانے کے بعد ان چراغانِ رشد و ہدایت کی لمعانیوں میں راہِ ہدایت پاتے تھے ؎

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ ۔ چارہ نبود در مقامش جز چراغ

ترجمہ: جب سورج داغِ مفارقت دے جاوے۔ تو چراغ اس کی جگہ نور سے مستفید کرتا ہے۔ (رات کو سورج نہیں ہوتا تو چراغوں کی روشنی کام آتی ہے)

اہلِ بیتِ اطہارِ نبوی امی رشد و ہدایت کا مخزن ہیں۔ جو سرچشمہ فیضِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات میں موجود تھی۔ اسی وجہ سے صحیح الایمان مسلمانوں کو اس پاک گھرانہ سے والہانہ محبت تھی۔ اور یہ محبت صرف عقیدت تک ہی محدود نہ تھی۔ بلکہ خدمت بھی شامل تھی۔ اور محبانِ اہلِ بیت ان کی خدمت کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ ان کی زندگی کی ضروریات کا، ان کی تکالیف و مصائب کا، امداد ان کی حفاظت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ان کے دشمنوں کی چالوں، چابک دستیوں اور شرارتوں سے آگاہ رہتے۔ اور ان سے محفوظ و مامون رہے کے لئے چوکنے رہتے تھے۔

شہادت حضرت امام حسن علیہ السلام

کیونکہ ایمان بغیر حبِ رسُول اور بغیر حُبِ اہلِ بیت کامل نہیں ہوتا۔ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد اور متواتر احادیث شاہد ہیں پھر بھی مگر کچھ لوگ حقیقتاً اہلِ بیت اطہار کے دشمن تھے۔ اور ان کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ کہ ان کو اپنی بادشاہت کے مدِمقابل ہی نظر آتے تھے۔ ان کو اپنا حریف سمجھتے ہوئے ان کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح نسلِ ہاشمی کا خاتمہ ہی ہو جاوے۔ اس معاملے میں شاہی خاندان کے افراد پیش پیش تھے۔ اس کینہ توزی نے ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے نئی نئی راہیں دکھائیں۔ عموماً نصرانی لوگ کچھ دوا دارو کا کام کیا کرتے تھے۔ جو مسلمانوں کو مذہبی تعصب کی بنا پر قطعۂ زہر آلود دیتے رہتے تھے۔ اکثر واقعات ایسے ہوئے کہ زہر جسم کو سال بھر تک آہستہ آہستہ گھلاتا رہا۔ اور بالآخر زندگی ختم کر دی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت اسی طرح ہی واقع ہوئی۔ اسی طرح ۴۶ھ ہجری میں عبدالرحمٰن ابنِ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ نے ایک نصرانی سے زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ کیونکہ اہلِ شام تمام ان کی طرف رجوع و محبت رکھتے تھے۔

ہیرے یا الماس کا زہر بدرجۂ غایت مہلک ہوتا ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے لئے یہ زہر مروان نے حاصل کیا۔ یا اسی زمرہ کے کسی آدمی نے کسی ذریعہ سے منگوایا بہرصورت یہ ایک نہایت ہی سوچی سمجھی ہوئی سکیم تھی۔ اور دربار شاہی عملہ کا یہ شغف اور معمول ہو چکا تھا۔ کہ وہ ایسے طرائق اور تدابیر کو کامیاب کرے۔ جو اہل بیت کے حق میں شیطان کی طرف سے ان کے قلب پر وارد ہوتی تھیں۔ اس زہر کو امام پاک کے حلق میں انڈیلنے کے لئے امیر معاویہ کی اسوئیہ جیسی معتبر لونڈی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس نے حضرت امام حسن علیہ السلام

کی معتبر لونڈی اسماء نامی جعدہ بنت اشعث بن قیس الکندی کو جو حضور کے نکاح میں تھی[1] اس مہم کے سر کرنے کو منتخب کیا۔ کسی وقت یہ لونڈی حضور کو بہت عزیز تھی۔ مگر متواتر زہر خورانی کے حادثات سے اب ازدواج سے بھی بہت احتیاط کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ اسو نبہ نے جعدہ کو طرح طرح کے سبز باغ دکھلائے۔ ہاشمیوں کی عزیمت اور اُمویوں کے اقتدار کا دُہ

---

[1] کسی خوش عقیدہ بزرگ نے منطقی بحث سے یہ رائے پیش کی ہے۔ کہ چونکہ جعدہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے حق زوجیت میں رہ چکی تھی۔ لازماً ہم بستر بھی ہوئی ہو گی اور اس لئے اس کی ناف امام پاک کی ناف سے مس ہونے کی وجہ سے اس پر دوزخ حرام ہو گیا۔ اس سے یہ فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ امام پاک کو زہر دے کر شہید کر دے اور یا پھر بصورت دیگر وہ حضور کی زوجہ ہی نہ ہو گی۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک بات مترود غلط ہے۔ زہر اسونبہ نے ہی دی تھی۔

بات یہ ہے کہ ہم منطق سے کوہِ حقائق کو کبھی نہیں گرا سکتے اور نہ حقیقت پہاڑ کو دلیلوں سے ڈھا سکتے ہیں اعمالِ دنیات پر بہشت و دوزخ کا اصول ایک اصولی بات ہے۔ اہل بیت کی محبت ان کے پاک کردار کے باعث موجب فلاح ہے۔ کہ ان کی تقلید کی جاوے۔ نہ کہ اشکال پر کر ان کی صوری خوبیوں پر معنوی خوبیوں کو قربان کر دیا جاوے۔

عبداللہ بن ابی منافق نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معنوی خوبیوں کو نظر انداز کر دیا۔ اور جب موت کی سختیوں میں گرفتار ہوا۔ اور جان کندن کے عذاب میں جان شکنجے میں آئی۔ تو اپنے بیٹے کو جس کا نام خود عبداللہ ہی تھا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ ان کے کُرتے مبارک کو کر لے آئے تاکہ وہ اسے اپنے بدن پر رکھے۔ کہ شاید عذاب میں تخفیف ہو جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہِ سائل نوازی اپنی قمیص اتار دی اور وہ لے گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے آپ نے محسوس کیا۔ کہ ایسے منافق پر التفات کی کیا ضرورت تھی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عبداللہ اس کا بیٹا سچا دین دار مسلمان ہے۔ صرف اس لئے کہ یہ دل شکستہ نہ ہو کر جائے۔ میں نے قمیص اتار دی ہے۔ ورنہ میری قمیص سے اس کا عذاب ہلکا نہ ہو گا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نہایت وجیہ اور خوش رُو ہاشمی جوان تھے۔ محض ان سے نسبی تعلقاتِ قرابت استوار کرنے کے لئے لوگ اپنی بیٹیاں ان کو نکاح میں دے دیتے تھے۔ اور عورتیں خود بھی اسی عقیدہ کے تحت ان سے عقد نکاح کرتی تھیں کہ شاید یہ نکاح وسیلۂ نجات ہی ہو جائے حضور اسی لئے کثیر النکاح تھے۔ مگر آپ کثیر الطلاق بھی تھے۔ کہ اکثر عورتوں کو نکاح کے چند دن بعد طلاق دے کر

سماں باندھ کر دکھایا۔ کہ جعدہ کو فردوسِ عنبریں کی آغوش سے نکال کر آتش کدہ جہنم کے دروازے پر لے ہی آئی اور اسماء المعروف جعدہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دینے کا پروگرام مرتب کر لیا۔ ایک لاکھ کا انعام اور یزید سے نکاح کا پیام اس نے قبول کر لیا۔ یزید سے ہم آغوشی کا خیال اس کے دل میں گدگدانے لگا۔ اور بادشاہِ وقت امیر معاویہ کی بہو بن کر زینتِ محلات بن کر رہنے کی زندگی کو اس نے گلیم درویشی پہننے پر ترجیح دی۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کے گھر میں کسی قسم کی کمی تو نہ تھی۔ مگر شیطان نے اُسے اُچک لیا۔ اور معاویہ، یزید، مروان بن الحکم وغیرہ کے موجودہ خوشنما دنیوی جاہ و جلال نے اس کو بہکا لیا۔ اور وہ بہک گئی۔ ایک دن موقعہ پاکر وہ امام عالی مقام کی خواب گاہ میں دبے پاؤں آئی۔ پانی کا کوزہ سر پہ مُہر کپڑے سے بندھا ہوا سرہانے رکھا تھا۔ زہر کی پڑیا اس پر جھاڑ دی اور انگلی کے پوٹہ سے مل کر نیچے چھان مٹی۔ کچھ پیاس اور کچھ آہٹ سے حضور امام حسن علیہ السلام کی نیند اچٹ گئی۔ پوچھا کہ کون ہے۔ بولی کہ میں آپ کی کنیزک اسماء ہوں۔ اور میں اس لئے فراغت کا وقت دیکھ کر حاضر ہوئی ہوں کہ آپ کی مجھ سے بے التفاتی کا باعث دریافت کروں۔ میں آپ کی بے رُخی سے غمزدہ رہتی ہوں میری تسلی فرمایئے۔ باتیں کرتے کرتے تمام زہر کپڑے میں سے چھان دیا ؎

کبھی شکوہ ہے کبھی دُکھ ہے۔ ابھی کیا تھا ابھی کیا ہے:

یونہی دنیا بدلتی ہے۔ اسی کا نام دُنیا ہے
یہاں بدلہ وفا کا بے وفائی کے سوا کیا ہے!!
محبت کرکے بھی دیکھا محبت میں بھی دھوکا ہے

حضورؑ نے پانی طلب کیا تو اُس نے فوراً پانی پیالہ میں ڈال کر دیا۔ دو گھونٹ ہی اندر گئے کہ زہر نے اندرونی اعضاء کو کاٹنا شروع کر دیا۔ اور خونی قے میں ٹکڑے ہائے جگر نکلنے شروع ہو گئے۔ حادثاتِ ماقبل نے افرادِ اہل بیت کو پہلے ہی بہت دہلایا ہوا تھا۔ ہائے کی آواز سن کر سب بھاگ پڑے۔ دوڑے اور حیران ہو گئے۔ جعدہ آہستہ سے کھسک گئی۔ ماضی حال کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷۔ فارغ کر دیا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تے اسی باعث ایک دفعہ کوفہ میں اعلان کرایا تھا کہ حسن علیہ السلام کو کوئی رشتہ نہ دے یہ طلاق دے دیتا ہے۔ اسماء کو تو زہر دینے پر تامل نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ سب کو معلوم تھا کہ یہ امیر معاویہ کی لونڈی ہے۔ ایسے لوگوں سے ہر درجہ احتیاط کی جاتی تھی۔

اور حال مستقبل کو جنم دیتا ہے ۔ جعدہ کا مسموم داخل بحق ہو جاتا ہے ۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو معہ حضرت زینب رضی اللہ عنہ اور اہل وعیال کے حیرانیوں اور پریشانیوں کی فضا میں مصائب زمانہ سے دوچار ہونے کو چھوڑ جاتا ہے ۔ یہ واقعہ ۴۹ھ ہجری کا ہے ۔

بر خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ می پاشم کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد

ترجمہ۔ اس شہید کی قبر پر گل لالہ اس لئے نچھاور کرتا ہوں ۔ کہ اس کے خون کا ہم رنگ ہے ۔ جس خون نے قوم وملت کے پیڑ کو سینچ کر پالا ہے ۔

کمال ہے صبر وضبط کا ، کہ باوجود بار بار پوچھنے اور اصرار کرنے کے حضرت امام حسن علیہ السلام نے کسی کو نہیں بتایا ۔ کہ یہ فعل جعدہ کا ہے ۔ اس کو علیحدگی میں بلا کر یہ فرما دیا کہ تم نے اچھا نہیں کیا ۔ اور جس طمع پر یہ کام کیا گیا ہے ۔ وہ پورا نہ ہوگا ۔ کیونکہ معاویہ کے خاندان میں وفا کوشی نام کو نہیں ہے ۔ تم سے یہ کام لینا تھا ۔ سو لے لیا ۔ مگر تمہاری آرزوئیں پوری نہ ہونگی ۔ جاؤ اور اپنی جان کو بچاؤ ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب اس بارے میں دریافت کیا ۔ تو فرمایا ۔ کہ منتقم حقیقی بہتر انتقام لے گا ۔ اور ظالم اپنے کئے کو پہنچے گا ۔ ممکن ہے کہ قاتل کا نام بتانے میں مجھ سے غلطی ہو جائے ۔ اور میرے انتقام میں کوئی بے گناہ نہ مارا جائے !

حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ کو یہ وصیت کی کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے وعدہ لیا ہوا ہے ۔ کہ مجھ کو اپنے گھر میں جگہ دیں ۔ اس لئے تم میرا جنازہ روضۂ رسول اللہ پر لے جانا اور ام المومنین سے اجازت حاصل کر کے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دفن کر دینا ۔ اور اگر بنو امیہ کے لوگ تم کو اس کام سے روکیں ۔ تو ان کے ساتھ نزاع نہ کرنا ۔ اور جنازہ جنت البقیع میں لے جا کر مجھ کو دفن کرنا ۔

حقیقتاً بنی امیہ نے اسی قساوتِ قلبی سے کام لیا ۔ اور روضۂ اطہر کے قرب وجوار دفن نہ ہونے دیا ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۔ موت ہر کسی کو آنی ہے ۔ کسی بہانہ سے آئے ۔ مگر ایسی معصومیت اور بے گناہی کی موت جو اس طرح کے ظلم بے جا سے وارد ہو ۔ بھولنے والی نہیں ہوتی ۔ اور قیامت تک یاد رہتی ہے ۔ اور آنسوؤں کا خراج وصول کرتی رہتی ہے ۔

زندگی انساں کی ہے مانندِ مرغِ خوشنوا شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا !

آہ! کیا آئے ریاضِ دہر میں ہم کیا گئے　　زندگی کی شاخ سے پھوٹے کِھلے مرجھا گئے
موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے　　اس ستمگر کا ستم انصاف کی تصویر ہے
سلسلہ ہستی کا ہے اک بحرِ ناپیدا کنار　　اور اس دریائے بے پایاں کی موجیں ہیں مزار
اے ہوسِ خوں رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار
یہ شرارے کا تبسم یہ خسِ آتش سوار!

دنیا بے حقیقت شے ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب چیونٹوں کے بادشاہ عرجا سے سوال کیا۔ کہ بتا تیری مملکت بہتر ہے۔ یا میری! تو اس نے کہا کہ میری۔ آپؑ نے پوچھا کیونکر! اس نے جواب دیا۔ کہ اے اللہ کے رسول! تجھ پر سلام ہو۔ سن! کہ ہوا نے تمہاری بساط کو اٹھایا ہے۔ اور بساط تخت کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اور تخت تم کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اور تم مجھ کو ہاتھ پر اٹھائے ہوئے ہو۔ تو میری بادشاہی تمہاری بادشاہی سے کیوں نہ بہتر ہوئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اور کہا۔ کہ یہ عقل و دانش تجھ میں کہاں سے آئی۔ تو اس نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فقط تم کو ہی علم نہیں دیا۔ مجھ کو بھی دیا ہے۔ اگر اجازت ہو۔ تو چند مسائل دریافت کروں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ پوچھو! تو اس نے کہا۔ کہ آپ نے حق تعالےٰ سے ایسا ملک چاہا۔ کہ کسی کے پاس نہ ہو۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ط کہ اے میرے اللہ مجھ کو ایسا ملک بخش۔ کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو۔ تو بخشندہ ہے" چیونٹے نے کہا۔ کہ اس دعا سے حسد کی بو آتی ہے۔ اور پیغمبروں کو حسد کرنا اچھا نہیں۔ کیا ہوتا اگر حق تعالےٰ آپ کے بعد کسی اور کو بھی ایسی بادشاہی دیتا۔ جیسی آپ کو دی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس بات کی حقیقت محسوس کی اور اس کلام کے سننے سے آزردہ خاطر اور ملول ہوئے۔ چیونٹے نے کہا کہ سخن راست تلخ معلوم ہوتا ہے۔ پھر چیونٹے نے کہا۔ کہ حق تعالیٰ سے آپ نے ایسی انگشتری کی آرزو کی کہ تمام ملک اس کے نگین میں سے نظر آئے اور ضبط و نسق ملک میں آسانی ہو۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا۔ کہ تمام تا قیامت اللہ نے جو دنیا آپ کو دی ہے۔ وہ ایک پارۂ سنگ (نگین) کی قیمت سے کم تر ہے۔ جس میں سے وہ نظر آ رہی ہے۔ اور آپ کو اس حقیر مملکت پر بڑا ناز ہے یہ خدائے پاک نے کیڑوں کے بادشاہ کا ادراک کمل کر کے انسانوں کے بادشاہ حضرت

سلیمان علیہ السلام کو کیا خوبی سے متنبہ کیا۔ کہ یہ دنیا اور اس کی طلب کیا ہے ؎

دنیائے دنی پر ہوس را چہ کنی　　　آلودۂ ہر کس و ناکس را چہ کنی
آں یار طلب کن کہ ترا باشد و بس　　　معشوقۂ صد ہزار کس را چہ کنی

ترجمہ:۔ ہوا و حرص سے بھری ہوئی دنیا کو کیا کرے گا۔ اس کو تو ہر کس و ناکس چاہتا ہے۔ تو اس دوست کی طلب کر جو ہر شے سے بے نیاز کر کے اپنا ہی بنا لے۔ ہر کسی کی معشوقہ کو نہ چاہو!

معاویہ کو یزید کی وصیت کے مطابق تخت پر بٹھایا۔ تو اس نے منبر پر چڑھ کر حمدِ خدائے جل و علیٰ کی اور نعت سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کہی اور لوگوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ خلافت خدا کا مضبوط آئین ہے۔ اور خلفائے باصفا کا ترکہ ہے۔ میرے دادا معاویہ بن ابو سفیان نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جو خلیفۂ برحق تھے۔ ان کے ساتھ حصولِ خلافت کے ارادہ سے جنگ و جدال اور نزاع و پیکار کیا۔ نفس کی تاویل سے میرے باپ یزید کو اپنے بعد خلیفہ کیا۔ جو کسی طرح کی اہلیت و استحقاق نہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے امام حسین علیہ السلام ابن علی کرم اللہ وجہہٗ جیسے فرزندِ مقبولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا۔ جس کے باعث اس پر من جانب اللہ عذاب ہوگا۔ وہ جوانی کی حالت میں ہی مر گیا۔ اور حکومت کی طمع اور خواہش دل میں ہی لے گیا۔ یہ کہہ کر وہ زار زار رویا۔ اور کہا کہ معاویہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بہت برا تھا۔ کہ میرے باپ نے کیا۔ اس کی وجہ سے وہ جہنم کو جائے گا۔ میں اس خلافت میں لذت نہیں پاتا۔ ابوسفیان کی اولاد میں سے جس کو چاہو امیر کرو۔ میں اس سے عقدِ بیعت کروں گا۔ یہ کہہ کر منبر سے اتر آیا۔ اور گھر چلا گیا۔ اور دروازہ بند کر کے خلقت سے قطع تعلق کر لیا۔ اور مر کر ہی باہر نکلا ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ترجمہ: مقدر میں نیکی ہو۔ تو وہ اپنی ہمت سے نہیں اللہ کی بخشش و رحمت سے پیدا ہوتی ہے۔ جس پر خدا کی عنایت ہو۔ وہی سعید ہو سکتا ہے۔

یزید کی ولیعہدی کی کوشش

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بعد امیر معاویہ نے اپنی وفات سے تین چار سال قبل ۵۶ھ ہجری میں یزید کی خلافت کے متعلق لوگوں سے بات چیت شروع کر دی تھی۔ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ تجویز مغیرہ ابن شعبہ نے پیش کی تھی۔ یہ رائے خانگی امور کے متعلق نہ تھی کہ امیر معاویہ کو اسے اتنی

جلدی تسلیم کر لینا چاہیئے تھا۔ بلکہ یہ تمام مسلمانوں کے مفاد عامہ اور امت مرحومہ کے مستقبل کے متعلق تھی۔ اگرچہ مغیرہ ابن شعبہ نے یہ تجویز پیش بھی کی تھی تاہم اس میں کافی چھان بین کی ضرورت تھی۔ اور باپ ہونے کی حیثیت سے امیر معاویہ اپنے بیٹے یزید کو باقی سب لوگوں سے زیادہ جانتے پہچانتے تھے۔ اور اس کے حالات زندگی، چال چلن اور کیرکٹر سے سب سے زیادہ واقف و شناسا تھے۔ کیونکہ باپ اور بیٹے میں جو رشتہ ہوتا ہے۔ وہ کسی غیر میں ہونا ناممکن ہے ؎

بکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے　　کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

حضرت امام حسن علیہ السلام نے بہ وقت دست برداری امیر معاویہ سے سب وعدوں سے اہم وعدہ یہ لیا تھا۔ کہ امیر معاویہ اپنے بعد اپنی مرضی سے کسی کو خلیفہ منتخب نہ کریں۔ مگر انہوں نے دانش برہانی سے کام لیا۔ اور خلفائے راشدہ اربعہ کا اسوہ پیش نظر نہ رکھا ؎

اِک دانش نورانی اِک دانش برہانی　　ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظریہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے رائے دی کہ آپ اپنے بعد اپنے بیٹے عبداللہ کو جانشین و مقرر فرما دیجئے تو آپ نے جواب دیا۔ کہ مجھ کو خوش کرنے کے لئے ایسے شخص کے متعلق رائے دیتے ہو۔ جو اپنی عورت کو طلاق دینے کے متعلق بھی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا اور اسی طرح ایک اور آدمی کو یہ جواب دیا تھا۔ کہ خاندان عدی میں یہی ہی اس بار سے سبکدوش ہو کر سرخرو ہو جاؤں۔ تو بسا غنیمت ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نظریہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پر آپ سے پوچھا گیا۔ کہ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا جاوے؟۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ مَا اٰمُرُکُمْ وَلَا اَنْھَاکُمْ اَنْتُمْ اَلْبَصَرُ میں نہ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہوں۔ اور نہ اس سے منع کرتا ہوں تم لوگ خود اچھی طرح دیکھ سکتے ہو!" ؎

دلِ بیدار فاروقی دلِ بیدار کراری　　مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

زیاد بن ابوسفیان جو امیر معاویہ کا بھائی تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایام خلافت میں فارس کا حاکم رہ چکا تھا۔ بعد وفات حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس نے امیر معاویہ سے بیعت نہ کی تھی۔ مگر مغیرہ بن شعبہ جو اس کا گہرا دوست تھا۔ اس کے سمجھانے سے من گیا۔ اور امیر

معاویہ سے بیعت کر لی ۔ مگر اب پھر جب اسے معلوم ہوا کہ امیر معاویہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین خلافت بنانا چاہتے ہیں ۔ تو اس نے مخالفت کی ۔ اور امیر معاویہ کو اس کام سے روکا ۔ اور کہا ۔ کہ یزید ہر وقت شراب کے نشہ میں بدمست رہتا ہے ۔ نہ اس کو خدا کا ڈر ہے ۔ نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی شرم ہے ۔ محرماتِ شرعی کو حلال سمجھتا ہے ۔ جن عورتوں سے قرآن ۔ نے نکاح کی ممانعت کی ہے ۔ ان سے نکاح جائز سمجھتا ہے ۔ ایسے آدمی کو خلافت سے کیا واسطہ ! یہی وجہ تھی کہ یزید زیاد اور اس کی اولاد سے متنفر رہتا تھا ۔

قرآن کا حکم اور رسول پاک کے ارشادات

اب ہم قرآن پاک کی آیات اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث بیان کرتے ہیں ۔

آیت سورۂ کہف ۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ط اور کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو ۔ جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہو ۔ اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہو ۔ اور جس کا امر حدِ شرع آشنا نہ ہو ۔

آیت سورہ الشعراء ۔ وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۔ اور ان حد سے گزر جانے والوں کے امر کی اطاعت نہ کرو ۔ جو زمین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں ۔ اور اصلاح نہیں کرتے ۔

آیت ۔ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کر گئے ۔ وہ ظالم شمار کئے گئے ہیں ۔

آیت ۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۔ امورِ شریعت کی پابندی آئین خدا ہے ۔ اس کے حدود کو پار نہ کر جاؤ ۔ اور منکرات کے نزدیک نہ جاؤ ۔

آیت ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ط

ترجمہ ۔ اے ایمان والو ۔ جب تم آپس میں مشورت کرو ۔ تو گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی کی مشورت نہ کرو ۔ گناہ اور حد سے بڑھنے کا یہ مطلب ہے ۔ کہ مکاری کے ساتھ سرگوشیاں کر کے مسلمانوں کو رنج میں ڈالتے ہیں ۔ اور نیکی اور پرہیزگاری

کی مشورت کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ کہ جس کی طرف جمع ہو کر اٹھائے جاؤ گے۔
حدیث:۔ لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ اللہ کے نافرمان کی اطاعت واجب نہیں۔
حدیث:۔ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ جو اللہ کا نافرمان ہو۔ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری نہ کرو۔

حدیث: لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔ گنہگار کی اطاعت نہ کرو۔ جو شریعت کے احکام پر پابند ہو اس کی اطاعت کرو۔
حدیث: مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ جس کسی نے ہمارے اس کام (نظام اسلام) میں کوئی ایسی بات نکالی۔ جو اس کے مزاج سے بیگانہ ہو۔ تو وہ مردود ہے۔ (جمہوریت نظام اسلام ہے۔ اور امارت اس سے بیگانہ ہے)
حدیث:۔ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْإِسْلَامِ۔ جس کسی نے صاحب بدعت، یعنی اسلامی زندگی میں غیر اسلامی طریقے رائج کرنے والے کی توقیر کی۔ اس نے اسلام کو منہدم کرنے میں اعانت وامداد کی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ

سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد سب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ إِنِّيْ وُلِّيْتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ إِنْ رَأَيْتُمُوْنِيْ عَلٰى حَقٍّ فَأَعِيْنُوْنِيْ وَإِنْ رَأَيْتُمُوْنِيْ عَلٰى بَاطِلٍ فَسَدِّدُوْنِيْ أَطِيْعُوْنِيْ مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ فِيْكُمْ فَإِذَا عَصَيْتُ فَلَا طَاعَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ أَلَا إِنَّ أَقْوَاكُمْ عِنْدِي الضَّعِيْفُ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ لَهُ وَأَضْعَفَكُمْ عِنْدِي الْقَوِيُّ حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ۔ ترجمہ۔ میں تم پر والی اور حاکم ہوا ہوں۔ حالانکہ تم میں سے افضل وبہتر نہیں ہوں۔ اگر تم مجھ کو حق کی تائید کرتے دیکھو۔ تو میری اعانت کرو۔ باطل پر دیکھو۔ تو میری اصلاح کرو۔ جب تک میں تمہارے معاملات میں خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہوں۔ تم بھی میری تابعداری کرتے رہو۔ اور جب میں نافرمانی کروں۔ تو میری اطاعت تم پر ضروری نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔ کہ جو تم میں سب سے زیادہ ضعیف ہے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہے۔ جب تک میں اس کا حق نہ دلوا دوں گا۔ درگذر نہ کروں گا۔ اور جو سب سے قوی ہے۔ وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ ضعیف ہے۔ اس کے ذمہ جو دوسرے کے حقوق ہیں۔ ان کے وصول کئے بغیر نہ

چھوڑوں گا۔"

اک شرعِ مسلمانی، اک جذبِ مسلمانی — ہے جذبِ مسلمانی سرِّ فلک الافلاک
اے رہروِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی — نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیں نمناک

یہ تھا خاصانِ خدا کا طرزِ عمل اکہ بادشاہ ہونے کے باوجود بھی اپنے آپ کو اس قدر خود مختار نہ سمجھتے تھے۔ کہ جو جی چاہے کر گزریں۔ بلکہ کسی خدائی قانون کے پابند تھے۔ اور خدمتِ خلق کو بادشاہی کی روح قرار دیتے تھے ؎

مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا — مروّت حسن عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

یزید کے کیریکٹر کی ایک جھلک

امیر معاویہ جس شخص کو خلیفۂ اسلام بنانا چاہتے ہیں اس کا یہ حال ہے کہ جب رعایا کی تالیفِ قلوب کے خیال سے اس کو حج کے لئے مکہ شریف میں بھیجا۔ تو اسی سال اس (یزید) کو تخت سپرد کرنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ مناسب سمجھا گیا۔ کہ اس کے اخلاق پبلک کے سامنے پیش کئے جاویں۔ اور اس کے واسطے قبولیت عام حاصل کی جاوے۔

اس بدمست نے ایسے نازک وقت میں بھی اپنی شراب خوری کی بری عادت کو نہ چھوڑا۔ مکہ شریف میں بھی اعلانیہ پیتا رہا۔ مکہ شریف سے مدینہ منورہ میں آیا۔ تو یہاں بھی دن رات شراب و کباب کی صحبت برپا رہی۔ اور خوب دور چلا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت امام پاک حسین علیہ السلام ملاقات کے لئے تشریف لائے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ یاروں نے کہا۔ کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہ) بو محسوس کر کے پہچان جائیں گے۔ اس لئے ان کو تو ٹال دیا۔ مگر امام پاک علیہ السلام کو بلا لیا گیا۔ جب حضورؑ کے ناک میں شراب کی بو آئی۔ تو یزید سے فرمانے لگے کہ یہ کیسی بو ہے۔ اور یہ کیا چیز ہے؟ یزید بولا۔ کہ یہ ایک خوشبودار شربت ہے۔ جو شام میں تیار ہوتا ہے۔

پھر اس نے ایک قدح مانگا اور پی گیا۔ پھر دوسرا طلب کیا۔ اور حضور امام پاکؑ کے آگے بڑھایا۔ اور کہا کہ اے ابا عبداللہ پیجئے! جناب امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اس بات سے معاف کرو۔ اس بات کو سن کر یزید جھوم کر یہ شعر پڑھنے لگا ؎

الا یا صاح للعجب دعوتک ذا فلم تجب — الی الفتیات والشہوات والصہباء والطرب

ترجمہ۔ اے دوست ہم نے تم کو دعوت دی۔ تم نے رد کر دی ہیں تے تم کو عیش و طرب

کی طرف بلایا۔ لیکن تم نے قبول نہ کیا۔ تم پر تعجب ہے۔

ایک دن یزید کی صحبتِ شراب و کباب گرم تھی۔ خمر کے ممنوع ہونے اور شارب الخمر کے سزا پانے کا ذکر آیا۔ تو یزید نے فی البدیہہ یہ شعر گھڑ کر سنا دیا ؎

مَاقَالَ رَبُّكَ وَيْلٌ الَّذِیْ سَکَرُوْا ۔۔۔ بَلْ قَالَ رَبُّكَ وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ

یعنی تیرے خدا نے یہ نہیں کہا ہے۔ کہ جہنم اِن لوگوں کے لئے ہے۔ جو نمازیں پڑھتے ہیں۔ (ویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون سے اخذ کر کے معانی بدل دیئے۔ (نعوذ باللہ منہا)

یزید کی ننھیال کا ذکر

یزید فطرتاً ہی ایسا بدبخت اور بدخو تھا۔ کہ اس کی ماں میسونہ[1] نامی ایک لونڈی تھی۔ جو خانہ بدوش بدوؤں کی بیٹی تھی۔ اور جسے امیر معاویہ نے اپنی رفیقۂ حیات کے طور پر ایک سفر کے دوران میں ساز گار بنایا تھا مگر وہ ایسی جنگلی عورت تھی۔ کہ اس نے کبھی بھی امیر معاویہ کو پسند نہ کیا۔ وہ اپنے فطری توحش سے جو ایک وحشی عورت کو قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے۔ مجبور ہو کر شاعرانہ تخیلات میں مصروف رہ کر اپنا دل بہلایا کرتی تھی۔ اور اس کی شاعری زیادہ تر امیر معاویہ کی ہجو گوئی پر محمول ہوا کرتی تھی کبھی کہا کرتی کہ میں اس ناک چھدے ہوئے بچھڑے کی نسبت اپنے خاندان

---

[1] امیر معاویہ کی اس شادی کے متعلق بہت غلط اور مضحکہ خیز روایت مشہور ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا۔ کہ معاویہ کی نسل سے میری نسل کا دشمن پیدا ہوگا تو معاویہ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی کہ نسل پیدا ہونے کا قصہ ہی باقی نہ رہے۔ مگر ایک دفعہ جب وہ قضائے حاجت کے لئے بیٹھے تو اتفاقاً ان کے مجاری بول پر ایک عقرب نے ڈنگ مارا اور اس تکلیف سے ان کی یہ حالت ہوگئی کہ حکیموں نے مشورہ دیا کہ شادی کرا کر فریضۂ زوجیت ادا کریں۔ اس سے تمام تکلیف رفع ہو جائے گی۔ بہر صورت انہوں نے شادی کرائی اور اس وقت کے نطفہ سے یزید کی پیدائش ہوئی۔ یہ روایت جہاں عقل و دانش کے خلاف ہے وہاں مضحکہ خیز بھی ہے۔ بلکہ راوی نے امیر معاویہ سے مذاق کیا ہے۔ کہ ایسے حساس عضو پر بچھو لڑا ہو اور پھر مرکز اعصابی میں یہ توازن باقی رہ گیا ہو۔ کہ دل میں ایک بوڑھی کھوسٹ عورت جو اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو۔ اس سے جنسی تلذذ حاصل کرنے کا شوق گدگدائے ہر بالغ نظر اور ذی فہم اس افسوکہ کی اہمیت کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ ایسے نازک عضو پر چیونٹی کاٹ کھائے تو تمام شہوات باطل ہو جاتی ہیں۔ اور یہ تو بچھو کا ڈنگ تھا

کے کسی جوان کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔ اور کبھی ان کو کافر و بزدل کہہ کر پکارتی۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ امیر معاویہ اچانک گھر میں آئے۔ تو وہ ایسے ہی شعر الاپ رہی تھی کہ آپ کو ناگوار گزرا۔ اور آپ نے اس کو طلاق دے دی۔ مگر اس وقت وہ حاملہ ہو چکی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ سوم کے وقتِ خلافت میں اسی حمل سے یزید پیدا ہوا۔ جو اکثر اپنی ماں کے ساتھ غریبی کی حالت میں ہی صحرائی قبیلہ کے زیرِ پرورش رہا۔ اور اس کے ظالم و خونخوار اور شقی ترین ہونے کی یہی وجہ تھی۔ کہ اس نے شروع ہی سے صحرا میں پرورش پائی تھی۔ اور وحوش طینت عربوں کی صحبت نے اس کی طبیعت سے انسانیت کے جوہر کو نکال کر حیوانیت اور بہیمیت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ اس میں نہ تہذیب تھی نہ شائستگی اور نہ اخلاق تھے نہ آداب اس کی ننھیال میں نہ کوئی پڑھا لکھا تھا۔ نہ تعلیم و تہذیب تھی۔ نہ ایسے لوگوں کی اس کے قبیلہ یعنی کلب میں آمد و رفت تھی۔ نہ اس قبیلہ کا مہذب و شائستہ لوگوں سے ارتباط یا اتحاد ہی تھا۔ اسی لئے جوان ہو کر وہ ایک شترِ بے مہار کی طرح آزاد تھا۔ نہ اس کا کوئی دین تھا۔ نہ مذہب! نہ حامیانِ دین کی عزت و آبرو کا اس کو کچھ پاس تھا۔ اسی وجہ سے اس نے حرمِ نبوی کا ادب بھی ملحوظ نہ رکھا۔ اور وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُکُمْ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو جب ان کا سنِ مبارک ساٹھ سال کا تھا۔ عقد کا پیغام بھیج دیا۔ اسی غم سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کا انتقال تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہو گیا۔ یہ زمانہ یزید کی ولیعہدی کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں میں عام شورش پھیل گئی۔ مگر امیر معاویہ نے کسی نہ کسی ڈھب سے اس بڑھتے ہوئے فتنہ کو روک دیا۔ اور ہر شخص کو اپنے اپنے مقام پر خاموش کر دیا۔ حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے یزید کے جوانمرگ مرنے کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہی حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے خواستگاری اور دوسرا سبطِ رسول الثقلین جناب امام حسین علیہ السلام کا خونِ ناحق۔

ایسے مسلم الثبوت رند کو پارساؤں کی پیشوائی کے لئے منتخب کرنے کی آرزو دن رات امیر معاویہ کے دل میں رہنے لگی۔ شانہ کی ہڈی کٹنے سے جو تکلیف رہتی تھی۔ اب وہ امیر معاویہ کی نقاہتِ جسمانی کا باعث ہو رہی تھی۔ اور زوالِ عمر کے باعث دن بدن یہ زیادہ ہو رہی تھی۔ اور مستقل طور پر بخار رہنے سے طبیعت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ کسی مورخ نے امیر معاویہ کی عمر اس وقت ستر پچھتر سال اور کسی نے نوے سال کی لکھی ہے۔ کہ آپ صاحبِ فراش ہو گئے۔ اور بچنے کی امید نہ رہی۔ آپ کو معلوم تھا۔ کہ آپ نے جب حج کے بہانہ سے لوگوں سے بیعتِ یزید لینے کے

نے مکہ شریف مدینہ شریف اور باقی علاقہ جات کا دورہ کیا تھا۔ تو سوائے چار متقی اور رعایت درجہ دینی شعور رکھنے والے حضرات کے باقی لوگوں نے بیعت یزید کا اقرار کر لیا تھا ؎

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے تھے خاکبازی کا

اب ان کو اپنی زندگی کی آخری فکر یہی تھی۔ کہ یزید کو پاس بلا کر وہ قیمتی نصائح اور وصایا کر دیں۔ جو ان کی عمر بھر کے تجربہ کا نچوڑ ہیں۔ تاکہ حکومت بنو امیہ میں ہی پائیدار ہو جائے ؎

تعجب کیا جو رونے باغباں کی عقل پر شبنم گوارا کی ہے بیٹے کے لئے گلشن کی بربادی

جب ایسے نااہل افراد بادشاہ بن جائیں۔ اور خلافت الٰہی گھر کی وراثت بن کر ملوکیت میں تبدیل ہو جاوے۔ تو قلوب سے پہلے قدم میں ہی طائر ایمان پرواز کر جاتا ہے۔ اور یہ دل نور کی بجائے ظلمت کا نشیمن بن جاتا ہے ؎

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

خلیفہ مخلوق کا خادم اور اسی لئے سید القوم خادمھم۔ قوم کا سردار بھی ہوتا ہے۔ اس کی خلافت میں جبر و اکراہ کو دخل نہیں۔ مگر بادشاہ اپنے آپ کو بہ جبر و اکراہ قوم کا سردار سمجھتا ہے ؎

دوستے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک ہے یہ رنگ و نم یہ لہو آب و ناں کی ہے بیشی

ہر بادشاہ کے اخلاق کا اثر رعایا پر ضرور ہوتا ہے۔ اور وہ بادشاہ کے رنگ میں ہی رنگی جاتی ہے۔ اور عمل میں کوتاہی اور تساہل آ جانے سے ایمان میں ضعف آ جاتا ہے۔ خدا کی ہیبت دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ بادشاہ کی ہیبت دلوں پر اثر انداز ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ خلافت الہیہ اور بادشاہت میں یہی فرق ہے۔ کہ خلیفہ اپنے آپ کو تمام قوم پر خود مختار نہیں سمجھتا۔ اور اس کی دانشگاف غلطیوں کی اصلاح قوم کر دیتی ہے۔ مگر بادشاہ اس قدر خود مختار سمجھا جاتا ہے۔ کہ ؎

شاہ اگر دن کو کہے کہ رات ہے کیجئے تائید فوراً ہاں جناب!

یہی وجہ ہے۔ کہ بادشاہت روح اسلام کو کچل دیتی ہے۔ گو وجود اسلام قائم رہے ؎

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
طبیعت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے
صفیں کج دل پریشاں سجدہ بے ذوق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج ، یہ سب باقی ہے ، تو باقی نہیں ہے۔

قوم کا بیشتر حصہ ایسے افراد کی اکثریت پر مشتمل ہو جاتا ہے۔ جو جمہوریت کی زندگی سے متنفر اور ملوکیت کی مردنی پر شیدا ہوتے ہیں۔ اور اسلام کی روح ان میں مفقود ہوتی ہے ۔

مرگِ فرد از خشکیٔ رودِ حیات مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

ترجمہ:۔ اکیلا آدمی زندگی ختم ہونے سے مرتا ہے ۔ مگر قوم صحیح مقصد سے پرے ہو جائے تو مرجاتی ہے ۔

حضورِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس امارت کی بدشگونیاں ظاہر فرمادی تھیں ۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اسی زمانہ کی آلودگیوں سے بچنے کے لئے اپنے تقدس کو محفوظ رکھا ۔ اور دست بردار ی اختیار کی ۔

ان ادوار میں گو خاشعین اور متقی لوگوں کی کمی نہ تھی ۔ مگر حکومت کے ڈر کے آگے بے بس تھے ۔ کیونکہ حکومت گو باطن میں غاصب ڈاکو لوگوں کی ہی تھی ۔ پھر بھی ظاہری تقدس کے جامہ میں روئی پیٹے بتوں کی طرح مشتعل نہ کئے جاسکتے تھے ۔ اور حامیوں کی حمایت حاصل ہونی مشکل تھی ۔ کیونکہ حامی لوگ حکومت سے ڈرتے تھے ۔ مگر جب امیر معاویہ نے عرب بھر میں بیعتِ یزید کی ڈفلی بجائی ۔ جس کا عمل علی الاعلان ظاہر و باطن میں خلاف شرع پیمبر تھا ۔ تو حرارتِ ایمان رکھنے والے چونک اٹھے کہ ؎

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گزر

انہوں نے گمراہ بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا ؎

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

نورِ ایمان کی تابانی اور جذبۂ حق پرستی ایسے دھندلکے نہیں ۔ خاصانِ خدا کو اپنی مخصوص راہ پر اس لئے برقرار رکھتا ہے ۔ کہ دوسرے بھی ان سے فیضیاب ہوں اور گمراہی سے بچ جائیں دنیادار اپنی بات کی پیچ پر مرتا ہے ۔ اور ایماندار اپنے ایمان کو مرہبا ہی سے محفوظ رکھتا ہے ۔ اور بیقرار ہو کر مضطربانہ اس غلط راہ روی کے خلاف کھڑا ہوتا ہے ؎

روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب رازِ خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید مع اپنے اختیارات کے تختِ خلافت پر متمکن

ہو گیا۔ رندوں کی صحبت نے اس کی رذیل فطرت کو اور ذلیل بنا دیا۔ اور سب سے پہلی بدشگونی اور بدبختی اس کے دورِ حکومت کی یہ تھی۔ کہ اس نے چار بزرگ ترین ہستیوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم دیا۔ جنہوں نے امیر معاویہ کی اس کوشش پر بھی پھر کی تھی۔ اس وقت سے اب تک وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا۔ کہ چاروں میں سے دو کا خدشہ اس کو زیادہ ہے۔ جو اس کے اموی ہونے کے بالمقابل دونو ہاشمی ہیں۔ باا ثر اور باوقار ہیں۔ اور سب مسلمانوں کی مرکز نگاہ ہیں۔ اور انتہا درجہ متقی و نیک ہونے کے علاوہ حق کے لئے جان پر کھیل جانے والے ہیں۔ عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے وہ کسی طرح مطمئن نہ تھا۔ کہ امیر معاویہ نے مرتے وقت اس کو اچھی طرح سلجھا دیا تھا۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے اس کا دل اس کے ہم صحبت رندوں نے زہرآلود کر رکھا تھا۔ اسی لئے یزید کی نظر انتخاب نے سب سے پہلے ان دو کو منتخب کیا اور جہاں اس کے باپ امیر معاویہ حکمت سے کام لیتے چلے آئے تھے۔ اس نے اندھا دھند حکومت سے کام لینا شروع کیا۔ اور اس طرح الٹی میٹم دے دیا۔ کہ اگر یہ دونو حضرات بیعت قبول نہ کریں۔ تو ان کے سر قلم کر کے فوراً شام کی طرف دمشق میں روانہ کئے جاویں۔ جس کی مصلحت یہ تھی۔ کہ ان کا اثر پبلک پر نہ پڑے اور اس کی دہشت کی دھاک پڑ جاوے۔

امیر معاویہ کے ہاتھوں کا بویا ہوا نخل اب بر ومند ہو رہا ہے۔ اور امت مرحومہ اس کا پھل چکھنے کو تیار ہے۔

سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہ سوزناک مرد حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کا مفہوم

حضرت کعب احبار سے مروی ہے۔ کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کی۔ کہ یا روح اللہ کیا ہمارے بعد اور کوئی امت بھی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ وہ لوگ حکماء علماء ابرار و اتقیاء ہیں۔ اور فقہ میں نائب انبیاء ہیں۔ وہ اللہ سے تھوڑے سے رزق پر راضی اور اللہ ان کے تھوڑے سے عمل پر راضی ہے "۔

اسلام کے سچے عقاید اور پاک تعلیمات کے زیر اثر جب صحابہ کرام کے حالات کو دیکھا جاتا ہے۔ تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ان کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اور اس کی دلفریبیوں کے لئے ان کے دل میں جگہ نہ تھی۔ خواہ وہ کسی قسم کی ہوں دولت و حشمت، شان و شوکت،

دنیوی عزوجاہ اور اس دنیا طلبی کے لئے جنگ و جدال میں و تمام غرض دنیا کی کوئی دلچسپی ان کی توجہ کو جذب نہ کر سکتی تھی۔ یہ سب حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کی برکت تھی۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر نے ان کی ہئیت یکسر ہی بدل ڈالی۔ اسی لئے صحابہ کرام کا مرتبہ ہر مسلمان سے خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو بڑھ کر ہے۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خاص رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں منازل روحانی طے کئے اور کسی قسم کی خامی باقی نہ رہ گئی۔ ان کو سوائے رضائے الہٰی اور اتباع احکام شریعت کے کوئی امر مطلوب نہ تھا۔ ہر چند دنیا کے تمام معاملات سے ان کو واسطہ پڑتا تھا۔ تجارت، زراعت صنعت وحرفت میں مشغول تھے۔ تعلقات خانہ داری میں معروف رہا کرتے تھے۔ مگر ان کے قلوب میں سوائے محبت خدا اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی امر نہ تھا۔ ان کی حالت یہ تھی۔ کہ دن میں دوسرے لوگوں کی طرح کاروبار میں بھی مشغول دیکھے جاتے تھے مگر کسی کو ان پر دنیا طلبی کا گمان تک نہ ہوتا تھا۔ اگر ہم تاریخی واقعات سے ان کے کیریکٹر اور کردار کو بیان کرکے نمایاں کریں۔ تو یہ کتابچہ ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ تمثیلاً جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سالار لشکر تھیں۔ اور ان کی سرکردگی میں سب کچھ ہوا۔ مگر انجام دنیا طلبی نہ تھا۔

جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ اونٹ پر ہودج میں سوار ہو کر خون عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے خیال سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بالمقابل جنگ پر آمادہ ہو کر نکلی ہیں۔ تو انہوں نے جناب صدیقہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ کہ آپ کے دامن کو قرآن نے سمیٹ دیا ہے۔ آپ اسے پھیلائیے نہیں۔ اور کیا آپ کو یاد نہیں ہے۔ کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو دین میں افراط برتنے سے روکا ہے۔

اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنی زندگی میں کسی صحرا میں اسی طرح ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ کی طرف اونٹ دوڑاتے دیکھ لیتے۔ تو آپ ان کو کیا جواب دیتیں۔ قرآن کے احکام کی حدود سے متجاوز ہونا درست نہیں ہے عورتوں پر فرض نہیں کہ وہ جنگ میں حصہ لیں۔ جنازہ کے ساتھ شامل ہوں یا جمعہ کی نماز جماعت میں شریک ہوں" کیونکہ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی راعیہ ہے۔ اور وہ ان کے بارے میں ہی جواب دہ ہے۔ حدیث :- وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے لئے ان کا

گھران کے ہودے سے بہتر ہے ۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی ۔ جنگ جمل کے بعد آپ نے ان سے شکایتاً فرمایا ۔ کہ اے ابو عبدالرحمٰن ! تم نے مجھے اس کام پر جانے سے کیوں نہ روکا ۔ تو انہوں نے جواب دیا ۔ کہ میں سمجھ چکا تھا ۔ کہ ایک شخص عبداللہ ابن زبیر آپ کی رائے پر حاوی ہو گیا ہے ۔ اس لئے مجھے امید نہ تھی کہ آپ اس کے خلاف چل سکیں گی ۔ اور ضرور ہی جنگ کے لئے تیار ہو جائینگی ۔ اس پر ام المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کاش تم مجھ کو منع کر دیتے تو میں ایسا نہ کرتی ۔ (عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہ ان کی بہن کے بیٹے تھے ۔ یہ خلاف اپنے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جنگِ جمل کے آئین کے حامی نہ تھے ۔ معاملہ کو سمجھ چکے تھے ۔ اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو رائے دیتے تھے ۔ کہ جنگ مناسب نہیں)

ان امور سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ جب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ پیش نظر آیا ۔ تو جنابِ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو ندامت ہوئی ۔ اور اس کا اظہار بھی فرمایا ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے انہوں نے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے معافی طلب کی ۔ اور دونوں کے دل صاف ہو گئے ۔

صحابہ کرام اور صحابیات کے اوصاف و محاسنِ اخلاق نے دنیا کو دکھلا دیا تھا ۔ کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان میں اس قدر انکساری پیدا ہو گئی تھی ۔ اور دنیاوی نمائش سے وہ کوسوں دور تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو وہ اپنانے کی کوشش کرتے تھے ۔ اسی کوشش میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے ۔ اور تمام اغراض نفسانی سے پاک تھے ۔ ان کی گفتار ۔ ان کے اقوال اور افعال سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سرزد نہ ہوتی تھی ۔ اور اگر بہ تقاضائے بشریت ہوتی بھی تو معلوم اور محسوس ہونے پر پھر اس پر تکرار نہ کرتے ۔ بلکہ نادم ہو کر تائب ہوتے ۔ باقی مسلمانوں کے لئے زندہ عملی نمونہ تھے ۔ اسی لئے ان کا اقتداء ہدایت ہی ہدایت پر مشتمل تھا ۔ حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنداً فرما دی کہ میرے اصحاب کی پیروی اور اقتدا ہدایت پر ہی مشتمل ہے ۔

یہی علامات اولیاء اللہ کی ہیں ۔ فرق صرف یہ ہے کہ صحابہ نے عین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ۔ اور فیضیاب براہِ راست ہوئے اور اولیاء اللہ نے وسیلہ سے اس حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کیا ۔ اور حضوری

حاصل کی۔

حضرت غوث الاعظم محبوبِ سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ علمائے ربانی نے صحابہ کے برابر لکھا ہے۔ جب حضور حج کے لئے بیت اللہ شریف تشریف لے گئے۔ اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ تو جواب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم السلام یا وَلَدِی اور حضور سرورِ کائنات کے دونو ہاتھ معانقہ کے لئے مرقد سے باہر نکل آئے۔

حضورِ پاک صاحبِ لولاک کی ایسی حضوری کی وجہ سے اور دین کو مُحکم کرنے کے سبب آپ کو بھی صحابیوں کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح صحابہ کرام سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برکت سے کرامات کا ظہور ہوا۔ اسی طرح کامل اولیاء اللہ سے بھی ظہورِ کرامات ہوا اور ہوتا رہے گا۔

عامی مسلمانوں کا حال حضور کی زندگی میں بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہے۔ کہ اکثر ناقص ہیں اور کچھ تعداد منافقوں کی ہے۔ جو اس وقت بھی تھے۔ کہ قربِ الٰہی اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منازل سے بے بہرہ ہیں۔ اسلامی کردار کے مطابق یہ آدھے تیتر اور آدھے بٹیر کسی کام کے نہیں۔ کیونکہ یہ خود اصلاح یافتہ نہیں۔ کسی کی یہ اصلاح نہ کیا کریں گے۔ کہ خود بھی کسی اِصلاح کو قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند

جس طرح کسی مرض کے جراثیم بدن میں داخل ہو کر گم ہو جاتے ہیں۔ اور با وجود جزوِ بدن بن جانے کے بھی بدن کے دشمن ہوتے ہیں۔ اور ریجیں پیچ اُسے تباہ کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ اِسی طرح یہ ناقص الایمان نام نہندہ مسلمان ہیں۔ کہ تعلیماتِ اسلامی کا اثر ان کے قلب و جگر اور روح پر نہ ہوا۔ مگر تمدنِ اسلامی کا اثر انہوں نے قبول کر لیا۔ ان کا رسم و رواج اسلام کے رنگ میں ضرور رنگا گیا۔ مگر ان کی قلبی کیفیت نہ رنگی جا سکی یہ ڈھانچہ ضرور رہ گئے کہ ان کو مشخص کرنا مشکل ہو گیا۔

صحیح طور پر ان کی کیفیت یہ ہے۔ کہ ماں کے شکم سے پیدا ہوتے ہی کانوں میں اذان و اقامت کی آواز سنی ختنہ کیا گیا۔ اور خدا کے نام پر کیا ہوا ذبیحہ بھی بڑی فرض شناسی سے کھایا۔ لبیں کتری ہوئیں۔ داڑھی بڑھی ہوئی مثل حیدر، چہرے پر رونق افروز اور مسجدوں میں سجادوں پر اس قدر سجدہ ریز کہ ؎

آج سجدوں کی انتہا کر دوں شوق مٹ جائے یا جبیں نہ رہے

اس کام میں اس قدر عرق ریزی سے غرق کہ دیکھنے والا سمجھے کہ مسجد سے مر کر ہی باہر نکلیں گے حج کو بھی تشریف لے گئے۔ غرض ظاہری طور پر تمام فرائض وسنن بلکہ نوافل تک کے پابند رہے۔ مگر دل مسلمان نہ ہوا۔ اور یہ اسلام سے باطنی انوار کو حاصل نہ کر سکے ؎

زباں نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

جس طرح ایک متعدی مرض کے جراثیم کی چھوت لگنے سے تندرست اشخاص بھی مبتلائے مرض ہو جاتے ہیں۔ ہو بہو اسی طرح ان روحانی مریضوں کی چھوت نے کئی تو عمروں نوآموزوں اور کمزور ایمان بندوں کو بھی مبتلائے مرض کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مرض بڑھتی گئی اور بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی کہ گناہ کو گناہ نہ سمجھا۔ اور گناہ کی برائی کو محسوس نہ کیا۔ اللہ کی حدود کو پھلانگنے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی نافرمانی اس طور اور اس انداز سے کی کہ نفس کی تاویلات نے تفہیمات دین کا ادراک چھین لیا اور محسوس تک نہ ہونے دیا۔ کہ وہ کسی نافرمانی میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف ایک اس طرح کا آدمی سمجھا کہ جس طرح کے وہ خود مختلف عناصر سے مرکب بشری تودے تھے۔ اور اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں ان کو شانِ لَوْلَاکَ لَمَا نظر نہ آسکی جس کو خدا نے قرآن کریم میں تاکید سے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ فرمایا ہے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ یہ بشر وہ بشر ہے کہ جس کی شان میں وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی وارد ہے۔ اور جس کی شان یہ ہے۔ کہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کہ اپنی خواہش نفسانی سے بات نہیں کرتا۔ مگر وہ بات کرتا ہے۔ جو خدا کی طرف سے بذریعہ وحی بھیجا جاتا ہے۔ جس کی رفعت پستی سے نا آشنا ہے۔ جس کی ترقی تنزل سے نا محرم ہے۔ اور جس کی شانِ اعلیٰ کو زوال نہیں۔ بلکہ وہ بلند سے بلند تر ہی ہے۔ اور باقی سب مخلوق اپنی روحانی تربیت اور نشو و نما میں اسی آفتاب ہدایت کی روشنی کی محتاج ہے۔ اور سب ذی شعور اسی مرجعِ خلائق کی طرف مرجوع ہیں۔

مگر یہ کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔ کیونکہ عبد مناف کی نسل اور اولاد ہونے سے یہ اپنے آپ کو دنیاوی شان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کم نہ سمجھتے تھے۔ جس عبد مناف کی پشت سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اسی کی اولاد وہ اموی لوگ تھے۔ جن کو فریبِ نفس نے الجھا لیا اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو انہوں نے محض یہ سمجھا۔ کہ ایک بندہ ہماری طرح کا بشر ہم کو کہہ رہا ہے۔ کہ میرے بعد میرے اہل بیت کو تمسک پکڑو۔ اور مجھ پر نازل

شدہ کلامِ الٰہی قرآنِ مجید کو اپنا وسیلہ بناؤ۔ میری تبلیغ کا اجر مجھ کو مل گیا۔ اگر تم نے میرے گھر والوں سے محبت کی اور تحقیق میرے گھر والے دنیوی آلودگی سے پاک ہیں۔ وغیرہ وغیرہ انہوں نے سمجھا۔ کہ معاذ اللہ یہ قریش پروری اور کنبہ پروری کے جذبہ کے ماتحت ہم کو اپنے اہل بیت کی عزت کرنے اور محبت رکھنے پر اُکساتا ہے۔

حکومتِ بنو اُمیّہ کا دَور

زمانۂ یزید پلید ۲ جس دنیوی بادشاہی اور ملوکیت کے لئے امیر معاویہ نے یہ سب کچھ کیا آئیے اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالیں اور زیادہ عمیق نظروں سے نہیں تو کم از کم طائرانہ نگاہ سے ہی اس کا تماشا کریں کہ اس کا انجام کیا ہوا۔

یزید جس کو امیر معاویہ نے اپنی من مانی رغبت سے مسلمانوں کا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد اس لئے حد سے زیادہ شراب پینے لگ گیا۔ کہ کسی طرح اپنی طبیعت کو اس پریشانی سے دور رکھے جو قتلِ ناحق اور ظلم ناحق کے باعث۔ اس کے دل کو اس لئے لاحق ہو گئی تھی۔ کہ مسلمانوں کی طرف سے اُسے بغاوت کا ڈر رہنے لگا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا اثر اہلِ مدینہ پر یہ ہوا۔ کہ انہوں نے آہستہ آہستہ ۶۳ھ ہجری تک یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اور اس کے نائب عثمان بن محمد بن ابو سفیان کو مدینہ سے نکال دیا۔ جب یزید کو یہ خبر پہنچی۔ تو اس نے مدینہ منورہ کے لوگوں کو ڈرایا اور دھمکایا۔ ایک لشکر ان پر بھیجا۔ جس نے وہاں کے لوگوں کو اسیر کیا اس کے لشکریوں نے تین سو کنواری لڑکیوں سے زنا بالجبر کیا۔ مسلم بن عقبہ سردارِ لشکر یزید نے حکم دیا۔ کہ تین روز تک قتل عام کیا جاوے۔ جو مال پاؤ لے لو۔ اور مدینہ کی عورتوں کے ساتھ عام طور پر حرام کاری کرو۔ چنانچہ اس جنگ میں سات سو رئیس اشرافِ مہاجرہ و انصار میں سے قتل کئے گئے۔ اور اسی قدر قرآنِ پاک کے قاری تہ تیغ کئے گئے۔ اور بہت دنوں تک مدینہ لٹتا رہا۔ اور مسجدِ نبویؐ کی جماعت بھی ایک عرصہ تک موقوف رہی اور باشندگانِ مدینہ اس پرآشوبی سے ایک مدت تک ڈرتے رہے۔ اور اسی ڈر کے مارے مسجدیں نمازیوں سے خالی ہو گئیں۔ کہ

کہیں قتل نہ کر دیئے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کتے مسجد نبوی میں گھس گئے۔ اور انھوں نے منبر رسولؐ پر پیشاب کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کی تصدیق ہو گئی۔ یہ لشکر جو یزید کی طرف سے مقرر ہو کر آیا تھا۔ بعیت یزید کا اقرار اس طرح کروانا تھا۔ کہ ہم یزید کے غلام ہیں وہ چاہے تو ہم کو فروخت کر دے اور چاہے تو آزاد کر دے۔ اس سے انکار کرنے والے فوراً قتل کر دیئے جاتے تھے۔ مدینہ شریف میں ایسا اودھم مچا کر یہی لشکر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کو مکہ شریف میں جا پہنچا۔ اور کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کی۔ عمارت کو پتھروں کی ضربات سے چور چور کر دیا۔ اور حرم محترم کا غلاف جلا دیا۔ اور ہر قباحت کو روا سمجھا گیا۔

مسلمانوں میں سے اکثر مسلمان اسی وہم میں آج تک مبتلا ہیں کہ یزید مسلمان تھا۔ کلمہ گو تھا مگر گنہ گار تھا۔ اس کو گنہ گار کہنا جائز ہے مگر کافر کہنا جائز نہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کے نزدیک اسلام اور کفر کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں۔ ایسے قابلِ رحم ایمان والوں سے دست بستہ عرض ہے۔ کہ پہلے اپنے دلوں میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق پیدا کریں۔ پھر اسلام سے کچھ حاصل کریں ؎

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم — عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بدم

اور پھر ان مسلمانوں کے ایمان کی کیفیت کا خدا حافظ! جو یہ کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ نعوذ باللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خود خروج کیا اور جہاد کر گئے۔ حالانکہ یزید خلیفہ وقت تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے لوگوں کے حق میں اسلام کی طرف سے دعائے خیر ہی ہے ؎

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی — نہ ہو تو مردِ مسلماں کا فر و زندیق
اسی طلسمِ کہن میں اسیر ہے آدم — بغل میں اس کی ہیں اب تک بتانِ عہدِ عتیق

یزید کی حکومت کل پونے چار سال رہی۔ جس کے پہلے ڈیڑھ برس تک تو کربلا کے واقعہ کے سامان ہوتے رہے اور آخری سوا دو برس میں حرمین الشریفین کی بربادی عمل میں لائی گئی آخر ایک رات شراب کثرت سے پی گیا۔ اور معاویہ کا یہ انوکھا لال مکان کی چھت پر سے ٹہلتے ٹہلتے گر پڑا۔ اور سر پارہ پارہ ہو گیا۔ بھیجا باہر نکل آیا۔ اور یہ مردودِ ازلی اور بدبخت ابدی جہنم واصل ہو گیا ؎

انسان بے بنیان کی ہے زندگی اک آن کی — آئی قضائے بخت کی تو الوداع ہے جان کی
مثلِ نمودِ شام ہے یا صبح کا ہنگام ہے — اک شعبدے کا دام ہے جو زندگانی نام ہے

شب نے مٹایا شام کو دن نے سحر کی جان لی　　ناگاہ ٹوٹا شعبدہ موت آگئی انسان کی!
ہستی ندی کی دھار ہے جو مائلِ رفتار ہے　　ہے یہ زمانہ عیش کا جو دو گھڑی کا یار ہے

۳۔ معاویہ ابنِ یزید

یزید کے بعد اس کا دیندار بیٹا معاویہ تختِ خلافت پر بٹھایا گیا۔ مگر چند دن بعد وہ اہلِ بیت کے درد و غم میں بلبلاتا ہوا تخت سے دھاڑیں مارتا ہوا سبکدوش ہو گیا۔

امیر معاویہ نے جس سلطنت کو بے جا طور پر حاصل کیا تھا۔ ان کی اولاد کو بجا طور پر وہ راس نہ آئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ دربارِ یزید میں دمشق میں بہ حالتِ اسیری فرمائے تھے۔ وہ پورے ہو گئے۔ کہ جس سلطنت کے لئے تو نے یہ ظلم کئے ہیں۔ اس پر تیری اولاد تھوکے گی بھی نہیں!

۴۔ مروان بن الحکم

مروان بن الحکم اسی وقت کی انتظار میں اب تک جیتا پھرتا تھا۔ معاویہ بن یزید کے مرتے ہی اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ مگر ۶۵ھ ہجری میں تیسری رمضان المبارک کو اس کی عورت ام خالد بنت یزید بن معاویہ نے اس کا گلا گھونٹ کر اس کو مار ڈالا۔ اور بعد میں شور مچا دیا۔ کہ ہائے میرا زوج مرگیا ؎

بالِ بازاں را سوئے سلطاں برد　　بالِ زاغاں را بگورستاں برد

ترجمہ:۔ شہباز کے پر بادشاہوں کے سر پر تاج بن کر جھومتے ہیں۔ اور کووں کے پر مٹی میں مل جاتے ہیں۔

۵۔ عبدالملک بن مروان

اپنے باپ مروان کی جگہ عبدالملک ماہِ رمضان ۶۵ھ ہجری میں بادشاہ مقرر ہوا۔ اس نے ساڑھے تیرہ برس حکومت کی بادشاہ ہونے سے پہلے بڑا دیندار تھا۔ اور بادشاہ ہوتے ہی بدل کر کچھ اور ہو گیا۔ اس کے منہ سے سخت نفرت انگیز بدبو آیا کرتی تھی۔ اس کے بادشاہ ہونے کے کچھ ماہ بعد ۶۶ھ ہجری میں مختار ثقفی نے کوفہ کی جیل سے نکلتے ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون کا انتقام لینے کے لئے خروج کیا۔ اور اس کے ساتھ بہت سے لوگ شامل ہو گئے۔ وہ کوفہ پر غالب آیا۔ اور اس نے قتل قاتلینِ سید الشہداء سے ماہ ذی الحج میں انتقام لیا۔ اور ان کے گھروں کو نقض نقض کر کے ان اشقیاء کو بے دردی سے قتل و غارت کر دیا۔ اس کے بعد ماہِ محرم میں مختار نے ابراہیم بن اشتر نخعی کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے موصل میں عبیداللہ

ابنِ زیاد کے قتل کے لئے بھیجا۔ زبردست مقابلہ اور جنگ کے بعد ابراہیم غالب آیا۔ اور اس نے عبیداللہ کا سر کاٹ کر باقی سروں کے ہمراہ مختار کے پاس روانہ کیا۔ انتقام امام ہمام مختار کی صورت میں قدرت نے لے لیا۔ مختار کی نیت اب بادشاہی حاصل کرنے کی ہو گئی۔ حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا جس نے مہلب بن ابی صفیرہ کو خراسان سے اپنی مدد کے لئے طلب کیا۔ ان دونوں نے کوفہ کا محاصرہ کر کے مختار سے جنگ کی اور مختار کافی جنگ کے بعد مقتول ہوا۔

حضرت مصعبؓ نے بیک وقت دو بیویوں سے نکاح کیا تھا۔ ایک بی بی سکینہ بنت سیدالشہدا حضرت امام حسین السلام سے اور دوسرا بی بی عائشہ بنت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کو اہلِ عراق نے عبدالملک سے خفیہ سازش کر کے ۷۱ھ ہجری میں ایک جنگ کے دوران میں شہید کر دیا۔ اور اس وقت سے عراق بھی عبدالملک کے زیرِ حکمرانی آگیا۔ ۷۲ھ ہجری میں عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے مکہ معظمہ میں روانہ کیا۔ اس جنگ میں عبداللہ ابنِ زبیر حجاج کے ہاتھوں بڑی بے دردی سے شہید ہوئے۔ اور آپ کی شہادت کے بعد حجاج بھی عبدالملک کی حکمرانی میں شامل ہو گیا۔ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو اخیر حجاج مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ نے نو سال خلافت کی تھی۔ اور کثیرالعبادت تھے۔

۷۹ھ ہجری میں ماہِ شوال میں عبدالملک بن مروان نے ساٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ سخت بخیل تھا۔ اور اسی بخل کے باعث لوگ اس کو رشح الحجر بھی کہا کرتے تھے۔

۶۔ ولید بن عبدالملک

عبدالعزیز بن مروان اس کا حقیقی بھائی تھا۔ جو اس سے ایک سال پہلے مرا تھا۔ عبدالملک کے بعد اس کا بیٹا ولید تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں ہی محمد بن قاسم نے بلادِ ہند علاقۂ سندھ کراچی وغیرہ کو فتح کیا۔ ولید نے ۸۶ھ ہجری میں اپنے چچا کے بیٹے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو واسطے مدینہ مقرر کر کے روانہ کیا۔ جو مدینہ میں جا کر اپنے دادا مروان کے مکان میں فروکش ہوئے انہوں نے مدینہ کے دس فقیہہ جمع کئے۔ جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:۔

عروہ بن زبیر بن العوام۔ عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن۔ ابوبکر بن سلمان۔ سلیمان بن یسار۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ سالم بن عبداللہ بن عمر

خطاب رضی اللہ عنہ۔ عبیداللہ بن عبداللہ ابن عمر خطاب رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور خارجہ بن یزید۔ ان سب فقہاء کو جمع کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی امر ہو۔ یا کسی بات کا فیصلہ ہو۔ میں تمہاری رائے کے بغیر نہ کیا کروں۔ اور کسی امر میں میری طرف سے تم کو زیادتی یا جور نظر آئے وہ بلا کم و کاست مجھ پر واضح کرنا۔ سب نے یہ رائے پسند کی۔

۹۱ھ ہجری میں ولید نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور گھر کو منہدم کر کے ایک بڑی مسجد تیار کی جاوے۔ اور ان بیوت کی قیمت بیت المال سے وضع کر دے۔ اس بات پر سب اہل مدینہ نے اتفاق کیا۔ اور معمار، مزدور وغیرہ مسجد تیار کرنے کے لئے ولید کے پاس حاضر ہو گئے۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اس امر سے علیحدہ ہو گئے کہ مجھ میں یہ جرأت و جسارت نہیں ہے۔ کہ پہلے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور گھر کو منہدم کروں اور پھر اس پر مسجد کی بنیاد رکھوں ؎

عمر بیست کہ آوازۂ منصور کہن شد   من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

ترجمہ:۔ منصور کی آواز کو زمانہ گزر گیا ہے۔ لوگ بھول گئے ہیں۔ میں نئے سرے سے اس آواز کا حامی ہوا ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اسی عشق کے جذبہ کی بنا پر جو ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ اور آپ نے ان کی مسجد و گھر کو منہدم کرنے کی حمایت نہ کی۔ ولید بن عبدالملک نے ان کو معزول کر دیا۔ اور مدینہ کی حکومت سے علیحدہ کر دیا۔ ۹۵ھ ہجری کو حضرت امام زین العابدین نے اٹھاون ۵۸ برس کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی۔ اور حجاج بن یوسف ثقفی نے جس نے عراق میں بیس برس تک حکومت کی تھی۔ چورانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کی آواز بہت پست تھی۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ مگر کلام میں فصاحت تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی اپنے ہاتھوں سے قتل کئے۔ جن میں سے اکثر بیگناہ اور اکثر عابد و زاہد تھے۔ اور ان مقتولین میں بیشتر عاشقان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

۷۔ سلیمان بن عبدالملک

ولید ۹۶ھ ہجری میں فوت ہوا۔ اور اس کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک شہر رملہ سے دمشق میں آیا

اور بادشاہ ہوا۔ اس نے حکام سابقہ کے جور و ستم کو اپنے پسندیدہ خصائل سے محو کر دیا۔ اور اپنے چچا کے بیٹے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو اپنا وزیر اور مشیر مقرر کیا۔ اس کا ہم جلیس ایک صالح نامی شخص تھا۔ جو بڑا کینہ پرور تھا۔ اس نے ذاتی عناد کی بنا پر محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ کو سندھ سے اس وقت پابجولاں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب ان کی فتوحات کا ستارہ اوج ترقی پر تھا۔ اور آبادی کا بیشتر حصہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس حکمنامہ میں ان کے قتل کا حکم بھی تھا۔ مگر سلیمان بن عبدالملک کی مہر موجود ہونے سے انکار حکم اولی الامر نہ ہو سکا۔ اور محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو پابجولاں حاضر کر دیا۔ اور قتل کر دیئے گئے۔ بنو امیہ کا دورِ حکومت نہایت گھناونے پن کا منظر پیش کرتا ہے۔ سلیمان بن عبدالملک نے دو برس آٹھ ماہ حکومت کی۔ اور ماہ صفر ۹۹ ہجری میں وفات پائی۔

۸۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے خلیفہ مقرر کر لیا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ بنو امیہ کے سابقہ بادشاہ اور ان کے ماتحت حکام کی امیر معاویہ کے وقت سے یہ بدعادت تھی۔ کہ منبر پر چڑھ کر بالخصوص جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توہین کیا کرتے تھے۔ اور ان کے حق میں سب و شتم اور ناروا کلمات کہا کرتے تھے۔ باوجودیکہ امیر معاویہ سے حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایسا نہ کرنے کا وعدہ لیا تھا۔ مگر باقی وعدوں کی طرح اس وعدہ کو بھی اسی طریقہ سے سرانجام دیا گیا۔ اور وفا کرنے کی زحمت نہ اٹھائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی عاص بن عبد مناف، کو جب خلیفہ مقرر کیا گیا۔ تو انہوں نے روزِ جمعہ بالائے منبر خطبہ پڑھا۔ اور آخر میں یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۔ کہ اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے۔ ساتھ انصاف کے اور احسان کے اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کے اور منع کرتا ہے بے حیائی برے کام اور ظلم و ستم سے اور اللہ نصیحت کرتا ہے۔ تاکہ تم اللہ کو یاد کرو۔ آپ نے یہ خطبہ پڑھ کر فرمایا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کون تھے۔ ہمارے رشتہ دار تھے۔ ذوی القربیٰ تھے۔ ان کے حق میں کلماتِ ناروا کہنے زیبا نہیں۔ آپ نے اپنے نائب افسروں کے نام پروانے جاری کئے کہ

آئندہ اس رسم بد سے باز آویں۔ اس طرح اس دن سے یہ رسم بد موقوف ہوئی۔ جو امیر معاویہ اور ان کے متاخرین نے اس لئے دنیوی مصلحت کے پیش نظر جاری رکھی تھی۔ کہ اس طریقہ سے ہاشمیوں کی وقعت کو کم کر کے اپنی وقعت بڑھائیں۔ اور اسی دن سے خطبہ کے اخیر میں یہ آیات قرآنی مستقل طور پر پڑھی جانے لگیں:

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی والدہ ام عاصم بنت عمر بن الخطاب ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ کاش میں اپنے ہمنام بیٹے کی خلافت کا زمانہ دیکھ سکتا جس کا چہرہ داغدار ہے۔ بچپن میں گھوڑے کو کھونٹے سے باندھتے ہوئے گھوڑے کی دولتی لگنے سے آپ کے چہرہ پر زخم ہو گیا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اشارہ اسی طرف تھا۔ عبد العزیز آپ کے والد اسی دن سے سمجھتے تھے۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی لڑکے کے متعلق فرمایا ہے۔ اور یہ لڑکا بڑا صاحب اقبال ہوگا۔ یہ انتہا درجہ کے متقی تھے اور بدرجہ غایت پرہیزگار تھے۔ خلاف آئین اسلام کسی امر کو برداشت نہ کرتے تھے۔

بنو امیہ کی ذہنیت اس قدر گھناؤنی ہو چکی تھی۔ کہ انہوں نے خیال کیا۔ کہ اگر عمر بن عبد العزیز مدت تک زندہ رہا تو ہمارے ہاتھ سے سلطنت بالکل نکل جائے گی۔ یہ جس کو قابل دیکھے گا۔ اسی کو اپنا جانشین بنائے گا۔ اس لئے شربت میں زہر دلوا کر اس کو شہید کر دیا۔

کیمیائے زہر مارا این شقی بر خلاف کیمیائے متقی

برے آدمیوں کو نیک آدمی نہیں بھاتے۔ جس طرح نیکوں کو بد برے لگتے ہیں۔

اس طرح یہ عادل و بے نظیر خلیفہ چالیس برس اور چند ماہ کی عمر میں دو برس پانچ ماہ حکومت کر کے دنیا سے چل بسا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ بہت نیک سیرت تھے اور سادات کا انتہائی ادب بجا لاتے تھے۔ اسی لئے بنو امیہ ان سے ناخوش تھے۔

۹۔ یزید بن عبد الملک

یزید کی ماں عاتکہ بنت یزید بن معاویہ بن ابو سفیان تھی۔ یزید بن مہلب نے اس کے زمانہ میں خروج کیا۔ اور اس کے بھائی مسلمہ کے ہاتھوں معہ کنبہ کے ہلاک ہوا۔ یزید بن عبد الملک کی حکومت بوجہ کرم و شجاعت مشہور رہی ہے۔ دس فقہائے مدینہ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کے زمانہ میں امور سلطنت میں اصلاح و مشورہ دیتے رہے ہیں۔ ۱۰۵ھ ہجری میں اس نے چار برس حکومت

کرکے چالیس برس کی عمر میں وفات پائی۔

۱۰۔ ہشام بن عبدالملک

اس کے بعد ہشام بن عبدالملک بنو امیہ کا بادشاہ ہوا۔ اس کے زمانہ میں زید بن علی (امام زین العابدینؓ) بن حسینؓ بن علی کرم اللہ وجہہ نے اہلِ کوفہ پر خروج کیا۔ اور بیعت کی دعوت دی۔ اکثر لوگوں نے بیعت کر لی۔ یوسف بن عمرو ثقفی والئے کوفہ تھا۔ اس نے لشکر جمع کرکے جنگ کی۔ اتفاقاً ایک تیر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی پیشانیٔ نورانی پر زور سے پیوست ہو گیا۔ ہر چند وہ تیر کھینچنے کی کوشش کی گئی مگر وہ نہ نکلا۔ دولتخانہ میں آکر پھر اس تیر کو نکالنے کی جدوجہد کی گئی۔ مگر اسی حال میں طائرِ روح جسم عنصری سے آزاد ہو گیا۔ یوسف والئے کوفہ نے خبر پہنچتے ہی لاش مبارک منگوا کر سرِ تنِ اطہر سے جدا کرکے ہشام بن عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ اور جسدِ اطہر کو دار پہ لٹکا دیا۔ اور تاحیات ہشام وہ جسم عالیمقام سُولی کے اوپر ہی لٹکا رہا۔ جب ہشام مرگیا۔ تو ولید گیارہویں بادشاہ نے اس لاش کو جلوا دیا۔ عبدالرحمٰن والئے اندلس اسی ہشام کا بیٹا تھا۔

۱۱۔ ولید بن یزید بن عبدالملک

۱۲۵ھ ہجری میں ولید بن یزید بن عبدالملک بادشاہ ہوا۔ یہ انتہا درجہ کا عیاش اور فاسق وفاجر تھا۔ ہر وقت عورتوں سے عشق بازی اور ہوس رانی میں مشغول رہتا یہ کثرت شراب پیتا اور ہمیشہ مخمور رہتا۔ حتیٰ کہ عورتوں سے لواطت بھی کرتا تھا۔ ایک دفعہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے کرتے اسے جزدان میں لپیٹ کر دیوار سے لٹکا دیا۔ اور نشہ میں بدمست ہو کر تیروں سے نشانہ کرتا رہا کہ کیسا رسول اور کیسا قرآن یہ سب بادشاہت کا ڈھونگ تھا اور رسالت محض فریب! نعوذ باللہ من ذالک!

ایسی وجوہات سے اس کو اس کے حقیقی بیٹے یزید نے ہی قتل کروا دیا۔ جس کا واقعہ حسب ذیل ہے کہ عبدالملک بن محمد بن حجاج اس وقت حاکم دمشق تھا۔ جو وبا کے خوف سے کسی گاؤں میں تبدیلیٔ ہوا کے لئے نقل مکان کر گیا تھا۔ دمشق کو خالی دیکھ کر یزید نے خوف وخطر معہ لشکر کے داخل ہو گیا۔ رعیت کو ساتھ ملا لیا اور دو سو سوار بھیج کر عبدالملک کو گرفتار کرا لیا۔ اور امان کا وعدہ دیا۔ بعد ازاں اپنے باپ ولید بن یزید بن عبدالملک کو گرفتار کرنے کے لئے اپنا لشکر بھیجا۔ ولید دارالسلطنت میں نہ تھا۔ علاقہ عمان کی طرف گیا ہوا تھا۔ اور معمولی سا

لشکر تھا۔ اور نہ ہی اسے اپنے بیٹے کے ارادوں کی خبر تھی۔ کہ یکدم گھیرے میں آگیا۔ ولید اپنے ہمراہیوں کو لے کر مقابلہ کو نکلا اور بہت دادِ شجاعت دی مگر اس کے سب ہمراہی بھاگ گئے۔ اور تنہا ہی رہ گیا۔ آخر ایک مکان میں چھپ کر دروازہ بند کر لیا۔ لوگوں نے محاصرہ کر کے اسے اندر جا کر مار ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر باہر لے آئے۔ اور اس کے بیٹے یزید کے پاس بھیج دیا۔ وہ سجدۂ شکر بجا لایا۔ بڑا خوش ہوا۔ اور اپنے باپ کے سر کو نیزے پر چڑھا کر دمشق میں تشہیر کرایا۔ صرف سوا سال بادشاہت کے بعد ولید چالیس سال کی عمر میں مار ڈالا گیا۔ سماع و غنا، لہو و لعب اور شراب و خمر میں ہی منہمک رہتا تھا۔

۱۲۔ یزید بن ولید

یزید بن ولید بارہواں خلیفہ تھا۔ صرف پانچ ماہ حکومت کی۔ اور تیس سال کی عمر میں فوت ہوا۔

۱۳۔ ابراہیم بن ولید

اس کے بعد اس کے بھائی ابراہیم بن ولید نے صرف چار ماہ حکومت کی۔ اور وہ بھی اس رنگ میں کہ کبھی تخت اور کبھی تختہ نصیب میں ہوتا تھا۔ بالآخر روپوش ہو گیا۔ اور سلیمان بن ہشام نے بیت المال پر تسلّط پا کر خوب قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ اور دولت اپنے ہمراہیوں اور سپاہ پر تقسیم کر کے دمشق سے باہر نکلا +

۱۴۔ مروان بن محمد

حتیٰ کہ ۱۲۷ھ ہجری میں مروان بن محمد نے امورِ سلطنت کو سنبھالا اور ابراہیم بن ولید جو روپوش تھا۔ اس کو طلب کیا۔ اور سلیمان بن ہشام کو بھی امان کا وعدہ دے کر بلوایا۔ دونوں نے جان کی امان پائی اور مروان سے بیعت کی یہ بنو امیہ کا چودھواں خلیفہ تھا۔ اور آخری ٹمٹماتا ہوا دیا تھا۔ اہل حمص اور اہل غوطہ نے سرکشی اختیار کی۔ کچھ عرصہ کے بعد اہل فلسطین بھی منحرف ہو گئے۔ یہ دیکھ کر سلیمان بن ہشام بن عبدالملک نے بھی بغاوت اختیار کی۔ مگر اس کو مقابلہ پر شکست ہوئی۔ تیس ہزار آدمی مقتول اور باقی مفرور ہو گئے۔ ۱۲۹ھ ہجری میں بنو عباس نے خراسان میں لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ ابراہیم بن ولید نے ساتھ دیا۔ اور ۱۳۲ھ ہجری میں ابوالعباس نے کہ جس کا نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے۔ اور اس کو سفاح بھی کہتے ہیں۔ اس نے مروان کا تعاقب کیا۔ جو حمص سے بھاگ کر دمشق میں اور دمشق سے فلسطین میں گیا۔ مروان بن محمد کے سارے ساتھی بھاگ گئے اور خود اس کی آنکھ میں نیزہ لگا۔ اور اسی صدمہ سے وہ مر گیا۔ اور باشندگانِ کوفہ سے ایک انار فروش

یہاں رہتا تھا۔ جس نے اس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے دو نو بیٹے حبشہ کی طرف بھاگ گئے۔ وہاں عبداللہ جو بڑا تھا قتل ہوا۔ اور چھوٹا عبیداللہ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملا۔ مروان کی بیٹیاں اور عورتیں صالح عبداللہ ابن عباس کے رُوبرُو حاضر کی گئیں۔ اور اس کے حکم سے حران کو بھیجی گئیں۔ مروان نے پانچ برس ساڑھے نو ماہ حکومت کی اور مرتے وقت اس کی عمر باسٹھ برس کی تھی۔

سلیمان بن ہشام جو گرفتار کیا جا چکا تھا۔ ابوالعباس نے اس کو رہائی کا حکم دیا۔ مگر سدیف شاعر نے چند ایسے شعر پڑھے کہ جس میں بنو امیہ کی بے دینی اور مظالم کا ذکر تھا۔ ان کو سن کر سلیمان کو مار دینے پر ہی ترجیح دی گئی۔ بنو امیہ کے نوے آدمی کھانا کھانے کے لئے سفاح ابوالعباس کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت شبل بن عبداللہ جو بنو ہاشم کا غلام تھا۔ عبداللہ جو سفاح کا چچا تھا۔ اس کے پاس حاضر ہوا۔ اور چند ابیات اس درد سے پڑھے کہ جو مظالم بنو امیہ نے کئے تھے سب کو یاد آگئے۔ اور ان سب کو مار دینے میں ہی مصلحت دکھائی دی۔ عبداللہ نے حکم دیا کہ ان سب کو مار ڈالو۔ اور بنو امیہ کی قبریں اکھاڑ پھینکو۔ چنانچہ اس حکم پر معاویہ بن ابوسفیان بن حرب اور یزید بن معاویہ۔ عبدالملک بن مروان اور ہشام بن عبدالملک وغیرہ کی قبریں اکھاڑ کر پھینک دیں۔ اور اجسام کو سولی پر لٹکانے کے لیے جلا دیا گیا۔ اولادِ بنو امیہ میں سے جس کو پایا قتل کر دیا گیا۔ غرضیکہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ جو اندلس کی طرف بھاگ گئے وہ بچ گئے۔ یا جو بالکل نادان کم سن بچے تھے ان کو کچھ نہ کہا گیا۔ اسی طرح سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس نے بنو امیہ کی ایک جماعت کو بصرہ میں قتل کر دیا۔ اور لاشیں چوراہے میں پھنکوا دیں۔ جن کو کتوں نے پھاڑ ڈالا۔ بنو امیہ جو بقیۃ السیف رہ گئے پہاڑوں میں جا چھپے۔

یہ ہے اس بادشاہت کا انجام جس کی بنیاد نفس پرستی بوالہوسی اور خود غرضی پر قائم ہوئی تھی۔ اور جس نے ذہنیت عامہ کو بھی اپنا رنگ چڑھانے کی پوری کوشش کی ہے

من کی دنیا! من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا! تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن!

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

بنو امیّہ کی ضلالت کے ان کی رعایا پر اثرات

عمومی رعایا ہمیشہ غیر شعوری طور پر بادشاہ کے اخلاق سے متأثر ہو کر اپنے اخلاق میں تغیر و تبدل پیدا کر لیا کرتی ہے۔ اور اسی رنگ میں غیر ارادی طور پر ہی رنگی جاتی ہے۔ بنو امیہ چونکہ بنو ہاشم کو اپنا مدِ مقابل سمجھ کر ان کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کے مقدس وجود کے ساتھ ہی ان کی مقدس عظمت و شرف جو دلوں میں جذبِ ایمان ہونے کے باعث مسلمانوں میں موجود تھی اس کو بھی اپنے اثر سے زائل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ تاکہ وہی عزت عبد مناف کی نسل میں ہونے کے باعث بجنسہٖ ان کو نصیب ہو سکے۔ مگر یہ ان کی خود فریبی تھی۔ کیونکہ ؎

ہر اک کے واسطے ہے ترقی بہ قدرِ حال — اسفل کو فکرِ منصبِ اعلیٰ نہ چاہیئے
ہر کوہ پر نہ ہو گی تجلی مثالِ طور — ہر ماہ کے لئے بدر بننا نہ چاہیئے

بہ وقتِ قید و بندِ اہلِ بیت اطہار جب شام میں دربارِ یزید میں لائے گئے۔ تو ان اسیرانِ معصومین میں حضرت زینب رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی کتاب داستانِ کربلا میں تحریر کیا ہے۔ کہ ایک حبشی غلام جو دمشق کا رہنے والا تھا۔ کسی کام کے لئے دربارِ یزید میں آیا۔ تو اس وقت یہ معصومین اسیرانِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین دربار میں تھے۔ اس نے مستورات پر نگاہ ڈالی۔ جو قریباً بے پردگی کی حالت میں تھیں۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ (اور بعض اور روایات کے مطابق فاطمہ کبریٰ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسینؓ کی بیٹی بیوہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ) پر نگاہ پڑی تو اس نے یزید سے کہا۔ کہ یہ لڑکی مجھے زوجیت میں دے دے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہ نے اس کو ڈانٹ دیا۔ تو یزید نے کہا۔ کہ ہم کو کون روک سکتا ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ تم میں اتنی جرأت کہاں کہ تم اس کام پر اختیار رکھ سکو۔ تو یزید نے کہا کہ میں ابھی ایسا کرونگا۔ اور خود اپنے لئے کر دونگا۔ تو اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہ نے اسے اس طرح گھور دیا۔ کہ اس کو دوبارہ کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی اور حبشی غلام اور یزید اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۱؎

۱؎ سادات حسنیؓ و حسینیؓ کی بیٹیوں سے بغیر اسی نسل کے بیٹوں کے ہر کسی کا نکاح ناجائز ہے۔ باقی صفحہ ۱۶۶ پر

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اموی لوگوں کی ذہنیت اور ان کے زیر اثر علاقہ جات کے باشندگان کی ایمانی حالت کس قدر گر چکی تھی۔ کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانہ کی عزت و توقیر کا پتہ تک نہ تھا۔ کہ ان کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر اور ادب ملحوظ رکھو۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:- اَوَّلُ مَنْ اَشْفَعُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَهْلُ بَيْتِيْ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ اِلٰى قُرَيْشٍ ثُمَّ الْاَنْصَارُ ثُمَّ مَنْ اٰمَنَ بِيْ فَاتَّبَعَنِيْ مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ ثُمَّ سَائِرِ الْعَرَبِ ثُمَّ الْاَعَاجِمِ وَمَنْ اَشْفَعُ لَهٗ اَوَّلًا اَفْضَلُ۔ ترجمہ: پہلے پہل جن کے لئے میں شفاعت کروں گا۔ وہ میرے اہل بیت ہیں۔ پھر ان کی شفاعت کرونگا جو ان کے قریب ہیں پھر ان کی جو ان کے بعد قربت والے ہیں درجہ بدرجہ قریش تک۔ پھر ان کی سفارش کروں گا۔ جو انصار ہیں۔ پھر ان کی جو اہل یمن میں سے مجھ پر ایمان لائے۔ اور میری اتباع کی پھر باقی اہل عرب والوں کی اور پھر عجم والوں کی سفارش کروں گا۔ اور جن کی میں پہلے سفارش کرونگا۔ وہ افضل ہیں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوا۔ کہ عترت نبویہ اہل بیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ عرب عجم میں ان کے برابر کوئی نہیں ہے۔

ترمذی میں ہے کہ حجتہ الوداع میں ناقہ قصوا پر سوار ہو کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے خطبہ میں فرمایا۔ کہ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلَ بَيْتِيْ۔ اے تمام لوگو!

بقیہ ص۱۶۵ حاشیہ:- خواہ وہ قریشی، صدیقی، فاروقی اور عثمانی نسب سے ہی کیوں نہ ہوں اور عباسی جعفری وغیرہ نسب ہی کیوں نہ رکھتے ہوں۔ ہم مفصلاً اس لئے بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ کہ ہماری کتاب کا یہ مقصد و مضمون نہیں۔ شائقین کو لازم ہے۔ کہ وہ مفتی اہل سنت حضرت پیر محمود شاہ صاحب سنی حنفی محدث ہزاروی قادری چشتی، نقشبندی، سجادہ نشین خانقاہ محمود آباد کی تصنیف لطیف مقامع السنیہ لقمع الاشقیاء کا مطالعہ کریں جس میں انہوں نے شرفاء کی لڑکیوں کے عقد نکاح کا شرعی حل کیا ہے اور فتویٰ نکاح سادات پر مکمل طور پر علمی داد تحقیقات کی ہے بڑی ایمان افروز کتاب ہے ملنے کا پتہ: مہتمم جمعیت اہلسنت اکبری دواخانہ کوہاٹ صوبہ سرحد

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کہ اگر تم نے ان سے علاقۂ تعلقات مضبوط رکھا۔ تو ہرگز کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب۔ دقرآن، اور دوم میری اولاد میری اہل بیت۔

اور تفاشراب میں اس عبادت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے۔ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْهِمَا پس نگاہ رکھو۔ کہ تم ان سے میرے بعد کیسے پیش آتے ہو۔

حضرت ابابکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ اَهْلِ بَیْتِهٖ صحیح بخاری۔ اہل بیت کے ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ اور پاس کرو۔ پھر فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهِ لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ اَصِلَ مِنْ قَرَابَتِیْ۔ خدا کی قسم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت مجھے حسن سلوک کرنے کے لئے بہ نسبت اپنی قرابت کے زیادہ عزیز اور محبوب ہے۔

سبحان اللہ کسی عاشق اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب کہا ہے۔

یَا اَهْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّکُمْ فَرْضٌ مِنَ اللّٰهِ فِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ

ترجمہ: اے اہل بیت رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم! بہ موجب آیت موّدۃ و فرمان نبوت ہم پر آپ لوگوں کی محبت فرض ہے اور قرآن کریم میں یہ فرضیت نازل ہے۔

یَکْفِیْ لِعَظِیْمِ الْقَدْرِ اَنَّکُمْ مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَاصَلٰوۃَ لَهٗ

ترجمہ: آپ کی عظمت اور قدر و منزلت اس سے ہی کافی ثابت ہے۔ کہ جو شخص آپ پر درود نہ پڑھے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔

فَلَا نَعْدِلُ بِاَهْلِ الْبَیْتِ خَلْقًا فَاَهْلُ الْبَیْتِ هُمْ اَهْلُ السِّیَادَۃ

ترجمہ: اہل بیت نبیؐ کا کسی کو ہمسر نہ کرو۔ کہ وہ سب کے سردار ہیں۔

فَبُغْضُهُمْ مِنَ الْاِنْسَانِ خُسْرٌ حَقِیْقِیٌّ وَحُبُّهُمْ عِبَادَۃ

ترجمہ: ان کا بغض خسارہ ہے۔ اور ان کی محبت خدا کی عبادت ہے۔

بِاٰلِ مُحَمَّدٍ عُرِفَ الثَّوَابُ وَفِیْ اَبْیَاتِهِمْ نَزَلَ الْکِتٰبُ

ترجمہ: آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی تو دنیائے اسلام میں کارہائے ثواب کی معرفت حاصل کی ہے۔ اور ان کے گھروں میں ہی کتاب اللہ کا نزول ہوا۔ جس میں تمام امور کی تفصیل و بیان ہے۔

وَهُمْ حُجَجُ الْاِلٰهِ عَلَی الْبَرَایَا بِهِمْ وَبِجَدِّهِمْ لَا یُسْتَرَابُ

ترجمہ:۔ اور زمین پر وہ اللہ کی دلیلیں اور آیات ہیں۔ ان کے جدائی سے ہمسری کا قریب امکان نہیں۔

تمہیداً یہ چند اوراق لکھنے کے بعد ہم اصلی نفسِ مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ جل شانہٗ بحقِ محمدؐ و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اہلِ بیتِ اطہار و صحابۂ کبار ہماری تمام دینی و دنیاوی مشکلات کو حل کرے اور سارے کام آسان کرے آمین ثم آمین۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری
میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

حادثہ کربلا

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا!

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

اقبال

از خامہ سید امیر جیلانی شاہ امیر

چک نمبر ۵ ار فتح بہاولپور

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

جس خاک کے ضمیر میں ہو آتشِ چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاکِ ارجمند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ اصحابہ التابعین وعلیٰ آلہ المطہرین وعلیٰ ائمۃ الطاہرین
رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اے مالکِ کون ومکاں! شاہنشہ پروردگار　　اے ربِّ پاکِ ہر زماں! اے خالقِ لیل ونہار
اے رازقِ خورد وکلاں! مختارِ عالم! کردگار　　تیرے ہی ذکرِ خیر سے ہے مطمئن ہر دلِ فگار
صدقہ شاہ الانبیاء معدنِ جود وسخا
میرے دل کی بیکلی کو دُور کر دے اے خدا

ہے واسطہ کُل انبیاء واولیاء کا شاہِ دیں　　اور واسطہ تیری رسالت کا اے ختمُ المرسلین
ہو گئی تیری نظر سے حشر تک تکمیلِ دیں　　تیری ذاتِ پاک پر وارد ہے قرآنِ مبیں
سب فرشتے اور خدائے پاک پڑھتا ہے درود
میرے آقا! تو ہے محبوبِ حق ربّ الودود

اے خبر تو بہرِ صدیقِ ابی بکرِ کریم　　بہرِ فاروق عمرؓ آں پیکرِ عدلِ عمیم
بہرِ عثمانِ غنیؓ وارثِ قلبِ صمیم　　بہرِ حیدرؑ فاتحِ آں قلعۂ خیبرِ عظیم
یا نبیؐ! اپنے وصیٔ مرتضیٰ کے واسطے
حیدرِ کرار علی المرتضیٰ کے واسطے

کر منور قلب کہ تو دیکھے عرفاں کا جمال　　یا الٰہی عشق میں مخمور کر بہرِ بلالؓ!
جن کی فطرت تھی منور نورِ نبوی سے کمال　　صحبتِ مرسلؐ سے تھا جنکی یہ محبّت کا حال
جب رسولِ پاک کو ہوتی تھی کچھ آزردگی
ان کی آوازِ اذاں کھو دیتی تھی افسردگی

حضرتِ خواجہ اویسِ قرنیؒ منظورِ حق　　بادیہ پیمائے صحرائے محبّتِ حق طرف
تھی شہادت ان کی اک پیشین گوئیٔ ماسبق　　قاتلانِ خواجہ تھے بر راہِ جذبِ غیرتِ حق

لے　حضورِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلسِ صحابہ میں ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میرا ایک دوست قرن میں رہتا ہے۔ جو دنیا میں نہیں الجھتا۔ مگر راہِ حق پر جہاد ضرور کرتا ہے۔ قیامت کے دن ستر ہزار فرشتے

تھی شہادت راہِ حق پر اس شہیدِ پاک کی
تھی یہ اک تسکین گوئی صاحبِ لولاک کی

جب نبرد حق و باطل میں پریشاں ہو گئے — تن بہ تقدیر اور جب سارے مسلماں ہو گئے
بچہ علی اسد اللہ الغالب پہ قرباں ہو گئے — پاسباں حزبِ مخالف کے کچھ انساں ہو گئے

لاشۂ قرنی کے ملنے کی تفسیرِ حق کی خوب ہے
کون سا تھا خوب واں اور کونسا ناخوب ہے

شہادت حضرت امام حسن علیہ السلام

مشکلیں آساں کر دے بہرِ حسنِ مجتبیٰ — کشتۂ الماس طاغوتوں نے جنکو کر دیا
ہر اسوبہ وجعدہ بنت اشعث کا بُرا — در پئے آزاد ہو کر زہر جعدہ دے کر سدا

آخرش نورِ نبی کی ختم کر دی زندگی
کیا زبوں تر فعل تھا یہ باعثِ شرمندگی

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا الماس سے جگر حسن ؑ — واسطہ اس سینۂ بے کینہ کا اے ذوالمنن
اے علی ؑ کے لال اے جگرِ نبی شاہِ زمن — تیرے غم میں چشم تر ہو اور رہے تیری لگن

سمِ قاتل دینے والا تو تجھے معلوم تھا
انتقامی جوش بحرِ کرم میں معدوم تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱ ـ اس کے ہمشکل ہونگے کیونکہ اس کی دعا ہے ـ کہ جس طرح دنیا میں اسے چھپائے رکھا ہے آخرت میں بھی چھپائے رکھ ـ نیز رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد مسلمان مسلمان آپس میں لڑینگے ـ ایک گروہ حق پہ ہوگا جو اللہ اور رسول کے لیے لڑیگا ـ اور دوسرا گروہ ناحق پر ہوگا ـ جو اپنے نفس کے لیے لڑیگا ـ میرا وہ دوست اس جہاد میں شریک ہوگا اور ناحق لڑنے والے گروہ کے ہاتھوں سے شہید ہوگا ـ جنگِ صفین کی ایک جھڑپ میں اہد قتال وجدال لاشے سنبھالے گئے ـ تو شہدائے علی کرم اللہ وجہہ میں حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی لاش دیکھی گئی جو جسم کے گھنے دراز بالوں سے شناخت میں آئی ـ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد کرائی گئی ـ تو عمرو بن العاص نے کہا کہ تمہاری طرف سے نہ لڑتے تو نہ مارے جاتے تو حق پر ہم ہیں ، اور تم نہیں ـ
حیلہ جوئی سے کوئی سچا نہیں ہو سکتا ـ کیونکہ اب یہ حقیقت کھل چکی تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی راستی پر ہیں ـ

جب شہادت پاگئے اس طرح سے حضرت حسنؑ نیز تر تھے ہوگئے حزبِ مخالف کے چلن
سلطنت کی آرزو تھی اور حکومت کی لگن تھا یہ پرآشوب وقت آیا زمانہ پُر فتن

کر رہا بدراہ تھا اب نفس امارہ اسے
پاس پیغمبر کا یا اللہ کا ڈر تھا کسے

یہ گروہ سارا تھا دشمن ہاشمی سادات کا یہ تھے دشمن نفس کے اور وہ مطیع جذبات کا
اتقا ان میں تھا اور پابند وہ شہوات کا فتنہ گر باعث ہوا بے داد اور آفات کا

کوئی مسمومؑ اور کوئی مظلومؑ ہو کر رہ گیا
کوئی غربتؑ میں ہی اپنے دل پہ صدمہ سہ گیا

۱؎ حضرت امام حسنؑ ۲؎ حضرت امام حسینؑ ۳؎ حضرت زین العابدینؑ

یا الٰہی کرم کر ان پارساؤں کے لئے راہِ حق میں لڑنے والے بینواؤں کیلئے
حق شناسوں اور خدا کے آشناؤں کیلئے مومنوں کے اِن حقیقی راہنماؤں کیلئے

جو کہ خوش حالی میں تیرا شکر کرتے تھے ادا
غربت و افلاس میں رہتے تھے راضی برضا

بعد حضرت حسنؑ کے تھے معاویہ اب بادشاہ بہ ہمہ کل اختیار و اقتدار و عزوجاہ
تھی حکومت حامیٔ دین اور شرع کی ناصیہ مثلِ سابق اس حکومت کا تھا آئین راشدہ

حضرت معاویہ نے اسلام کا رکھا شعار
اتباعِ شرع پر تھا آپ کا دار و مدار

بعد حضرت معاویہ کے وقت ایسا آگیا ہوتے ہیں آغاز یاں سے حادثاتِ کربلا
نیک بندے ہوئے آفات میں سب مبتلا اہلِ بیت اطہار کو بڑھ چڑھ کے کچھ حصہ ملا

وہ تھا گر آغاز یہ آغاز کا انجام ہے
سب مصائب اور حوادث کا یہاں اتمام ہے

حضرت معاویہ کی ذہنی طبیعت تھی علیل وہ امورِ سلطنت کا کام کرتے تھے قلیل
جانشینِ سلطنت کی سوچتے تھے کچھ سبیل پیش کی اک دن مغیرہؓ نے یہ ان کو دلیل

باپ کے ورثہ کا بیٹے کو رہا کرتا ہے خیال
بیٹا قابل ہو تو بیٹا کام کو ہے وہ سنبھال!

۱؎ مغیرہ اس وقت کوفہ کا گورنر تھا اور زمانے کے تقاضوں کو سمجھتا تھا

بادشاہ نے لی صلاح اور اکثریت نے دی صلاح مشورہ مرا ئیسا تھا اور یہ دل کو لگتی تھی صلاح

خاندانِ اُمیہ کے حق میں اچھی تھی صلاح رائے عامہ کی نہ اب محتاج سمجھی تھی صلاح
بعد حضرت معاویہ کے ہو خلیفہ اب یزید
نامبر اس خیر الامت کا بنے گا اک پلید
یہ مغیرہ ابنِ شعبہ حاکمِ کوفہ ہی تھا یہ کہا معاویہ نے کوفہ میں تو ڈر ہی ہے کیا
اور دے گا زیاد ہی بصرہ میں سب فتنے مٹا پر حجازی طرف سے کانٹا ہے دل میں کھٹکتا
ایک ہیں ابن زبیرؓ اور ایک ہیں ابن عمرؓ
اک حسین ابنِ علیؓ اور ایک ابنِ بو بکرؓ
زاہد و عابد ہیں سارے اور ہیں سب با شعور بے تخلش! اس بات پر نہ متفق ہوں گے ضرور
تو مغیرہ نے کہا "یہ بات سچی ہے۔ حضور دوسرے راضی بھی ہوں پر یہ نکالیں گے قصور
آپ خود سمجھائیں تو امید ہے سمجھیں گے یہ
اور یزیدی بیعت لانے پر نہ پھر الجھیں گے یہ
پاس بلوایا معاویہ نے پھر اک ایک کو اور تنہائی میں یوں سمجھایا پھر ہر ایک کو
نیک باپوں کے ہو بیٹے اور خود بھی نیک ہو کیا حرج ہے مان لو گر میرے بیٹے ایک کو
آرزو میری ہے تمہارا خلیفہ ہو یزید
لو! بڑھاؤ ہاتھ اب کیا دیر ہے اس میں مزید
جانتے تھے بر یزیدی بادشاہت کے چلن لگ رہا تھا آج نورانی خلافت کو گہن
رند مشرب تھا یزید اور منزل ایسی تھی کٹھن ہو رہا تھا نقد ایماں کفر کے بدلے رہن
اس نفر میں کوئی اسلامی خدمت تھی نہاں
یا قیادت کے صحیح ہونے کا تھا کوئی گماں
تھے وہ حیراں کہ صحابی جو ہے عالی مرتبہ بیعتِ فاسق یہ منواتا ہے کیا ہے فلسفہ
دل میں پیدا ہو رہا تھا وسوسے پر وسوسہ اور پڑتی جا رہی تھی عداوت دل میں اب گرہ
جامۂ جمہوریت اب ہو رہا ہے تار تار!
اور بادشاہ وراثت ہو رہا ہے آشکار
ہو رہا ہے جس خلیفہ کے لئے یہ انتخاب نہیں پڑھتا ہے نماز اور خوب پیتا ہے شراب
کچھ زنا سے بھی نہیں کرتا ہے ایسا اجتناب اور متجاوز حدود اللہ سے بھی بے حساب

جانتے سب کچھ ہیں حضرت معاویہ عالیجناب
بیعت اسکی لے رہے ہیں ۔ کس لیے حضرت مآب

معاملہ تو صاف تھا پر صاف کچھ نہ کہہ سکے نہ ہی وہ کچھ کہہ سکے نہ کہنے سے ہی رہ سکے
ہوشمند انسان تھے اس بات کو نہ سہہ سکے سوچ کر حالاتِ ملکی اتنا ہی بس کہہ سکے

سوچنے کا وقت ہم کو تو ذرا سا دیجئے
باقی لوگوں کی رضامندی کی بیعت لیجئے

معاویہ نے عام لوگوں کو بلا کر بیعت لی اور مدینہ سے دمشق و شام کی پھر راہ لی
راضی ہرگز نہ ہوئے تھے یہ اکابر چار ہی معاویہ نے کی نہ ان چاروں نے کچھ پرواہ کی

معاویہ تو مطمئن ہو کر مدینہ سے پھرے
بادلِ افسردہ یہ چاروں مدینہ میں رہے

شرعی ممنوعات کو جائز سمجھتا تھا یزید سب حرام افعال کا تھا مرتکب ہوتا یزید
ڈر خدا کا نہ رسول اللہ کا رکھتا تھا یزید تھا سبھی کچھ پر معاویہ کا بیٹا تھا یزید

معاویہ اس وقت تھے سارے عرب کے بادشاہ
وہ اگر تھے بادشاہ تو یہ تھا پسر بادشاہ

عائشہ صدیقہؓ ام المومنین با خدا عقد کا پیغام اس نادی نے ان کو تھا دیا
جس کا صدیقہؓ نے شکوہ معاویہ سے تھا کیا آج وہ کشتیٔ امت کا ہے بنتا ناخدا

جس کو ناموسِ نبیؐ کا بھی نہ تھا کچھ احترام
رخصت اے ایمان! اے اسلام تجھ پہ ہو سلام

معاویہ کی صحت گرتی جا رہی تھی دن بدن فکر تھی اک یہ گھلائے جا رہی تھی خاندان
میں حکومت کے لئے لازم تدبر عقل و فن بیٹا نالائق ہے اور اچھے نہیں اسکے چلن

سلطنت جو ہو چکی تھی خانداں میں استوار
اس کی نا اہلی سے اس کا مٹ ہی نہ جائے وقار

اپنے مستقبل کا رکھتے اہلِ دانش ہیں خیال خاندانی عظمت و وقعت کو رکھتے ہیں بحال
اقتدارِ سلطنت میں تا نہ آئے کچھ زوال جس طرح سے بن سکے لیتے ہیں ہر دفعہ کو سنبھال

موت کے بحران میں تھے معاویہ حیران تھے

چند گھڑیوں کے ہی اب دنیا میں یہ مہمان تھے

پاس بلوا کر کیا بیٹے پہ اظہارِ خیال بہت شفقت سے لگے کہنے کہ میرے نونہال
میرے نور العین اے لختِ جگر اے میرے لال اے یزید راحتِ جاں بعد میرے انتقال
سلطنت تیری بنی ہے اور تو اس کا بنا
ہے دعا میری کہ تم دونوں میں اللہ دے بنا

حاکمِ اعلیٰ رہا ہوں شام میں میں بیس سال بعد اس کے کی عرب بھر میں حکومت بیس سال
دیکھ بتلاتا ہوں جو حائل کیا پائیں سال گر سمجھ جاؤ گے تو آئے گا ہرگز نہ زوال
زر و گوہر اور دولت سے خزانے ہیں بھرے
قدر و قیمت سے کہیں بڑھ کر ہیں میرے مشورے

نورِ چشمی راہ سب تیرے لئے ہموار ہیں جان تک تجھ پہ فدا کرنے کو سب تیار ہیں
کام ہیں دو چار جو آتے نظر دشوار ہیں سارے خطۂ عرب میں تیرے دشمن چار ہیں
دل کے کانوں سے سنو تم کو سمجھاتا ہوں میں
راہ پر آجاؤ تو اچھا ہے بتلاتا ہوں میں !

عبدِ رحمٰن حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے ہیں جو خلوص ہمت کے نہیں مالک نہیں دو پیش رو
تکتے رہتے ہیں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کو اس طرح کے آدمی سے کوئی خطرہ ہی نہ ہو
اپنی ہمت پر بھروسہ جو کوئی رکھتا نہیں !
ڈر ہے وہ ڈرتا ہے اپر اس سے کوئی ڈرتا نہیں

اک مجاہد ہیں نرے عبداللہ بن حضرت عمرؓ منہمک زہد و عبادت میں ہیں رہتے بیشتر
عمر ان کی ڈھل چکی ہے ان سے کیا خوف و خطر یہ بھی ممکن ہے کہ ہو جائیں موافق زود تر
ہاتھ میں جب تک نہ جنبش کھائے تیغِ آبدار
محض ذکر و فکر سے حاصل کہاں ہو اقتدار

تیسرا دشمن بڑا عبداللہ ہے اک بے خطا ہاشمی عوام کا پوتا بہادر ہے بڑا
شیر جیسا ہے شجاع اور ہے جرّی میدان کا ہے وہ مرجعِ خلائق بھی بڑا ہے انتہا
لومڑی کی طرح چل جاتا ہے چالیں بھی بڑی
اس کا سر کرنا ہے تیرے واسطے منزل کڑی

لہ عبداللہ ابن زبیر

گر موافق ہو رہے تم چھیڑنا نہ پھر اُسے ہر طرف بھی گر رہے پھر بھی نہ کہنا کچھ اُسے
سامنے تو ہوگا تو ٹکڑے اڑا دیگا ترے ہاں کسی ڈھب سے اگر پنجہ میں آجائے ترے

ٹکڑے کر دینا کہ وہ اک دشمن لاریب ہے
بوٹیاں کتوں سے بھی نچواؤ تو کیا عیب ہے

کرتے نفرت ہیں ترے کردار سے حضرت حسینؓ تیری بیعت سے بھی بیزار ہیں حضرت حسینؓ
سارے پہنائے عرب میں ایک ہیں حضرت حسینؓ ہیں شریف النفس سید نیک ہیں حضرت حسینؓ

ہیں عراقی رہ چکے حضرت علیؓ کے زیر حکم!
ہو گی کوشش اہوں وہ انکے بیٹے کے بھی زیر حکم

رنگ بدلتے ہیں عراقی ایک گرگٹ کی طرح گندے ہیں ایمان ان کے کوڑے کرکٹ کیطرح
ایک بھبکی سے ہی سو جاتے ہیں مرگھٹ کی طرح ہار کر جلدی ہی بہ جاتے ہیں تلچھٹ کی طرح

شیوہ بیدردی سے بھی انکا بے وفائی ہی رہا
عمر بھر معمول ان کا کج ادائی ہی رہا!

بالمقابل گر کھڑا کر دیں انہیں مل کر جہول میل کچھ دل میں نہ لانا اور نہ ہونا ملول
ایسے متلون مزاجوں پہ حکومت ہے فضول کھیل خود ہی ختم ہو جائے گا ہو کر سرپٹول

دخل تم ہرگز نہ دینا، جو کریں کر لیں حسینؓ!
نسل کی رو سے بھی تیرے بھائی ہیں حضرت حسینؓ

اور شامی لوگ اکثر بیشتر ہیں نمک خوار ملک سے باہر کبھی جاتے ہیں تو ہوتے ہیں خوار
پھر بھی رہتے ہیں مطیع طاعت کو رکھتے ہیں شعار اس لئے تم چشم پوشی کرتے رہنا زینہار

جو وفاداری کرے اس پر کرم باری کرو!
جان جو قرباں کرے تم اس پہ زرباری کرو

پیروی کرنا کتاب اللہ کے احکام کی اور رعایت ہو عمل میں شرع اسلام کی
کیں نصائح کچھ معاویہ نے ان اقسام کی وہ مگر پختہ تھا اور کوشش یہ ان کی خام تھی

ایک پتھر پہ نہیں اگتا ہے نخل بارور
باغباں محنت پہ رہ جاتا ہے بس رو پیٹ کر

وقتِ آخر ہی جو سمجھایا یہ کیا سمجھانا تھا! یہ ترانۂ ہدایت کس لئے اب گانا تھا؟

دین پر بے دین بے ایمان کو کیا لانا تھا کیا تھا بیٹا اب تک بھی اس کو پہچانا نہ تھا
جونک پتھر پر لگانے بیٹھے تھے اب معاویہ
موتی اک سؤر کے منہ میں دیتے تھے اب معاویہ

ہو چکے تھے معاویہ ضعف و نقاہت سے نڈھال پڑھ رہے کلمہ تھے آخر کر گئے تھے انتقال
تخت پر بیٹھا خوشی سے اب یزید بد خصال ساٹھ ہجری کا تھا سن اور عمر تھی پونتیس سال
موت کا اور جانشیں کا سارے چرچا ہو گیا
نیک بندوں کے دلوں پر صدمہ دوہرا ہو گیا

تھا مدینہ میں ولید اس وقت اعلیٰ حکمران نیک بندہ تھا رہا کرتا تھا یہ با عزو شان!
نائب اس کا تھا وہاں مروان پکا بے ایمان رہتے نالاں اس کے ہاتھوں تھے سبھی خورد و کلاں
عہدِ عثمانی سے یہ سر پہ تھا چڑھتا آ رہا
فتنہ اس کا اب زیادہ ہی تھا بڑھتا جا رہا

خاندانِ امیہ میں یہ بڑا بد ذات تھا سخت دشمن تھا یہ سارے ہاشمی سادات کا
اب تک باعث یہی مروان تھا آفات کا کہ دخیل ہر وقت تھا سرکاری ملفوظات کا
شام سے آئی خبر، کہ معاویہ ہیں مر گئے
اپنے بیٹے کو خلیفہ آپ ہی ہیں کر گئے

حکم حاکم کو ملا ہے بیعت اس کی سب سے لو نرم ہو کر سخت ہو کر جس طرح جس ڈھب سے لو
بیعتِ اکراہ ہو یا جس کسی کرتب سے لو خاص کر حضرت حسینؑ اور ان کے ہم مشرب سے لو
تھا یہ جند مروان، حضرت کو بلانا چاہیئے
گر نہ مانیں بیعت تو پھر سر اڑانا چاہیئے!

تھا مدینہ میں جہاں پر آستانۂ امام ایلچی حاکم کا پہنچا لے کے بیعت کا پیام
جب پھرا واپس وہاں سے وہ یہ آداب و سلام آدمی لے کر مسلح کر کے پورا انتظام
اب سوئے قصرِ امارت جاتے ہیں حضرت حسینؑ
ساتھیوں سے راہ میں فرماتے ہیں حضرت حسینؑ

بیعت کے بارے میں پہنچا ہے جو یہ حکم یزید اسلئے ہی مجھ کو بلواتا ہے اب حاکم ولید
ہے یہ ممکن ہو وہاں مروان سا دشمن پلید تالی کی آواز جب دوں دیر نہ کرنا مزید

لے کے تلواریں معاً آجانا باہر گھات سے
ہے خدا حافظ بچا لیگا وہ سب آفات سے

اتفاقاً تھا اکیلا ہی ولید باشعور　　یہ کہا حضرت سے عالیجاہ! میں ہوں بےقصور
حکم مجھ کو ہے ملا چاروں سے بیعت لوں ضرور　　سن کے اتنی بات فرمانے لگے اعلیٰ حضور
آپ پہلے باقی تینوں سے تو اس کی بیعت لو
اور مجھے دو چار دن کچھ سوچنے کا وقت دو!

صلح جو تھا صلح کل تھا یہ ولید حکمراں　　کر دیئے رخصت امام پاک باصد عزّ و شاں
پیچ و بل کھاتا رہا مروان یہ سن کر وہاں　　حاکم اعلیٰ نے ڈانٹا، بند کی اس کی زباں
ایلچی کو پھر بھی مروان آپ جھجھ لاتا رہا
اپنی بس میں آپ ہی یہ سانپ بل کھاتا رہا

سب مدینہ بھر میں یہ احوال لوگوں نے سُنے!　　چپکے سے عبداللہ بن زبیرؓ غائب ہو گئے
گھر بہ گھر دشمن تھے ان کو ڈھونڈتے پھرتے رہے　　آ گئے مکہ میں یہ ان سب کو دھتا دے گئے
یاں موافق تھی فضا سامان تھا سارا تیار
اور امام پاکؑ کی کرنے لگے سب انتظار

معاویہ کی مرگ سُن کر کوفیوں کا تھا خیال　　اِن کے بیٹے پہ خلافت کو نہ رہنے دیں بحال
دن بدن خط لکھ رہے تھے کرکے اظہارِ خیال　　ہم سبھی ہیں بیعتِ فاسق سے متنفر کمال
تھے کبھی لکھتے کہ میوے آپ کو محبوب ہیں
آم خرمے پک چکے ہیں دل کو جو مرغوب ہیں

واسطے دیتے تھے وہ کر کر کے زاری اور قنوت　　کہتے تھے کہ آپ ہمت کے دھنی ہیں اور سپوت
وقت نازک ہے نہیں بہتر یہ حضرت کا سکوت　　تن رہی تھی جال ایسے ساری قوم عنکبوت
پھنس جائے جال کا کوئی سُنہرا دیکھ کر
لہرائے یا کسی کے دل میں لہرا دیکھ کر

اس تذبذب میں یہاں رہ سکتے کیا عالی جناب　　اس طرف کہتا تھا مروان لائیے بیعت شتاب!
بھیجتا قاصد کو متواتر تھا یہ خانہ خراب　　تنگ کرتا اور لوگوں کو بھی تھا وہ بے حساب
جن پہ شک ہوتی تھی اس کو حبِّ اہلبیت کی

ان کو ہر دم تھا ستاتا یہ تھی اس کی دل لگی

حیلہ جوئی مکر سازی سے کبھی جلاد نے
گاہ قہر و ستم ڈھا کر اس ستم ایجاد نے
گھر کئی برباد کر ڈالے تھے بے بنیاد نے
تھا اسی غم میں وطن چھوڑا کسی ناشاد نے

ہوتی ہے ہجرت مدینہ سے حسینِ پاک کی
مظہرِ الوادِ شانِ صاحبِ لولاک کی

حضرت امام حسین علیہ السلام

رات تھی خاموش اور تاریک جب حضرت حسینؑ
وادیِ یثرب سے آخر چل پڑے حضرت حسینؑ
ابنِ عباس ابنِ عمر اور ابنِ رفعت اے حسینؑ
منتیں کرتے تھے سمجھاتے تھے نہ مانے حسینؑ

سب قبیلہ ساتھ لے کر چل پڑے تھے اک طرف
صغریٰ بیمار کو نہ ساتھ لائے اس طرف

تھیں سفر پہ جانے میں درپیش کچھ مجبوریاں
گھر پہ رہنے سے امامِ پاک تھے معذوریاں
کرتے عمالِ یزیدی تھے بہت کچھ سختیاں
شادمانی ہو چکی تھی اب شروع تھا امتحاں

چل پڑے حضرت سفر تھا یہ اگرچہ ناگوار
اور تڑپتی رہ گئی صغریٰ بچاری بے قرار

یا خدا بے واسطہ مہجور اور ناشاد کا
گھر سے بے گھر جو ہوا اس سیدِ آزاد کا
واسطہ اس صغریٰ بیمار کی فریاد کا
ایسے صابر باپ کی معصوم سی اولاد کا

صغریٰ کی تنہائی بھی اک گریۂ جانسوز تھی
شدتِ تپ اور بھی اس پر الم اندوز تھی!

ایک ننھی جان پر تپ کی بیقراری دیکھئے
تپ کی شدت دیکھئے اور آہ و زاری دیکھئے
یہ تنہائی دیکھئے اور سوگواری دیکھئے
صابرہ بیٹی کی خاموش اشکباری دیکھئے

والدۂ حضرت عباس تھیں امّ البنین
مطمئن ہوتا تھا ان کے آنے سے قلبِ حزیں

بھائی بہنوں کی جدائی تھی بہت دل پر گراں
پھوپھی یا اماں و ابا بھی تھے کب موجودیاں
پاس تھا گر کوئی تو بس ایک ہی دادی اماں
یہ ہی تھا مجموعہ ساری شفقتوں کا بیگماں

یا الٰہی واسطے ان پاک دل حضرات کے
ہم کو تو محفوظ رکھ دنیا کی سب آفات سے

آئے روضۂ رسول اللہ پہ شاہِ دیں حسینؓ الوداع کہنے کو آئے ناناسے غمگیں حسینؓ
رو رہے تھے دے رہے تھے دل کو یوں تسکیں حسینؓ باقی رونے والوں کو کرتے تھے خود تلقین حسینؓ
چل پڑے آخر وہاں سے با دلِ اندوہگیں!
شعبِ بو طالب میں مکّہ میں ہوئے مسکن گزیں

احتیاطاً عاملِ اعلیٰ مدینہ کا، ولید لکھ چکا تھا سب مفصل کیفیت سوئے یزید
تو جواباً فوراً آیا اس کو پیغامِ پلید بھیجتا ہوں اک کمک اس کی مدد کو میں مزید
تم ابھی مروان کو سالار کرکے بھیج دو
باغیوں کے بالمقابل فوج کافی ساتھ دو

مروان کی مکّہ پر چڑھائی

مکہ پہ چڑھ آیا تھا مروان اب اردل نسب شہر کو محصور کر کے سے لئے گھیرے ہیں سب
چوتھے دن عبداللہ بن زبیر ہو کر پُرغضب صاعقہ بن کر گرے دشمن پہ یا رنج و تعب
ہار کھائی دشمنوں نے فوج بھی ان کی کٹی
اور سپہ سالار کی بھی جان مشکل سے بچی!

اس لڑائی میں نہیں شامل ہوئے حضرت حسینؓ ان جھمیلوں سے علیحدہ ہی رہے حضرت حسینؓ
رُبع مسکوں میں تھے اب متلاشیِ عزلت حسینؓ اور زیرِ آسماں تھے چاہتے خلوت حسینؓ
پھر عراقی آمد و شد کے سلاسل بڑھ گئے
فتحِ مکّہ کی وجہ سے تھے زیادہ چڑھ گئے

روزمرہ بھیجے اتنے خطوط اتنے وفود کر گئے تھے پار وہ ساری ہی گنتی کی حدود
نفسِ مضموں ایک ہی "بس کیجئے جلدی ورُود" چومتے حضرت کے ہاتھ اور پڑھتے رو رو کر درُود
چلئے حضرت آپ جلدی اب خدا کے واسطے
مصطفیٰ کے واسطے اور مرتضیٰ کے واسطے

چومتے تھے پاؤں بھی جوشِ عقیدت میں کبھی ہاتھ آنکھوں سے لگاتے محبت میں کبھی
جھوم جاتے بات پر رنگِ یگانگت میں کبھی کہتے تھے وجدان میں سبحان یا حضرت کبھی
انتہا سے بڑھ کے جھکتی تھی جہاں کوئی کماں

پوری قوت سے وہ لے لیتی ہے پھر اپنا نشاں

معتبر لوگوں کا آیا ایک وفد آخری معتبر لوگوں کے ہی وہ خط بھی لایا ساتھ ہی
ایسی منت اور سماجت کچھ لجاجت سے جو کی کہ امام پاک نے جانے کی نیت ڈھار لی!

مکہ بھر میں آپ کے جانے کا چرچا ہو گیا
ہر طرف سے روکنے کا ہی تقاضا ہو گیا

تھا امام پاک کو ان کا نہ ذاتی تجربہ اسلئے دل میں نہ اٹھا ان سے کوئی دغدغہ
مقتدائے وقت تھے تھا پیشوائی مرتبہ اسلئے بے دین کا جب ہوتے دیکھا دبدبہ

ہو گئے تیار حق کی پیشوائی کے لئے
اور باطل سے نئے جنگ آزمائی کیلئے

احتیاطاً ان سے فرمانے لگے حضرت امامؑ بھیجتا مسلم کو ہوں اپنی جگہ قائم مقام
ہوگا تمہاری طرف سے جب مکمل انتظام مجھ کو لکھ دینا تو میں آجاؤں گا یا انصرام

تھامنا گرتے ہوؤں کو ہے جوانمردی بڑی
ٹوٹے دل کو حوصلہ دینا ہے پامردی بڑی

شعب بی طالب میں ہی مسکن گزیں تھے اب جناب حضرتِ مسلمؓ کو اپنے پاس بلوایا شتاب
گوہر افشاں یوں ہوئے اور یہ کیا ان سے خطاب کوفہ والوں کے وفود اور خط ملے ہیں بےحساب

واسطے دیتے پیمبر کے ہیں کہتے ہیں سبھی
شافعِ روزِ جزا کے واسطے آئیں ابھی

کوفہ جانے کی تیاری کر کے جاؤ اس طرف میں ہوں رہتا اس طرف تم جاؤ پہلے اس طرف
حال سب معلوم کر کے مجھ کو لکھو اس طرف کوفیوں کا جان و دل سے رابطہ ہے کسطرف

گر تسلی نہ ہو تو آجاؤ واپس راہ پر
کوفی اپنی راہ پر اور ہم ہوں اپنی راہ پر

چل پڑے سن کر یہ فرماں حضرتِ مسلم جناب راستہ میں اک ہرن کو ذبح کرتا تھا قصاب
جب کھلی دیکھی کھلے راہ پر ہی یہ خونیں کتاب تو امام پاک کی خدمت میں لوٹ آئے شتاب

عرض کی آقا! مرے دل کو نہیں آتا سکوں
کوفہ جانے میں نظر آتے نہیں اچھے شگوں

پیشوائے وقت نے سن کر دیا اتنا جواب میں ہی خود جانا ہوں واں گر ہے شگون ایسا خراب
بیعتِ فاسق سے کوئی کر رہے ہیں اجتناب ان کی یہ آوازِ حق گر نہ سنیں تو ہو عتاب
بیعتِ فاسق کو لازم کرنے کا سارا قصور
روزِ محشر مجھ پہ تھوپینگے پیمبر کے حضور

حضرت مسلم پہ اک دھشر سا طاری ہوگیا عرض کی اے میرے آقا جانیسے انکار کیا
یہ تو عرضِ حال تھی یاں بحث اور تکرار کیا سارا سامانِ سفر پہلے سے ہی تیار تھا
تھا کٹھن رستہ اگرچہ تھے پڑے رنج و محن
پہنچے وہ سرحداتِ کوفہ میں بالآخر اکدن

چھوٹے بیٹے ساتھ تھے حضرت کے اس پردیس میں خیر مقدم سے تھے یہ معصوم خوش اس دیس میں
ہو کے خوش احوال سب مسلم نے لکھے دیس میں عام بیعت کا بھی تھا کچھ ذکر اس سندیس میں
آئے مکہ میں یہ سب حالات جب پیشِ جناب
تو ہوئے مشغول تیاری میں پھر حضرت مآب

کیا نظر آتا ہے وہ خونیں شفق میں سے ہلال عیدِ قربانی میں قربانی کی حکمت ہے کمال!
خونِ شہداء سے لکھا جاتا ہے قوموں کا مآل بے حمیت کے لئے رگ رگ دجاں کر گسوں پر ہیں حلال
ہے یہی عرفانِ حق دیں کا یہی ادراک ہے
راہِ حق میں مرنے والوں کا لہو بھی پاک ہے

ماہ ذوالحج کے شروع میں ہو گئے تیار تھے حاکمِ مکہ و عبداللہ مگر تھے روکتے
تھے اماں نامہ کے وعدے لکھ کے بھی دکھلا رہے پر حسینِ پاک ان سے یہ ہی فرمانے لگے
ایک دُنبہ ذبح ہو یاں ہے یہ فرمانِ نبیؐ
اس کے خوں سے خانۂ کعبہ کی ہو بے حرمتی

ڈر کے جاتا ہوں کہیں میں ہی وہ دنبہ نہ ہوں باعثِ بے حرمتیٔ خانۂ کعبہ نہ ہوں!
خواب میں مجھ سے نبی صلعم نے فرمایا ہے یوں خاص مقصد کے لئے تیاریاں سے میں چلوں
نہ بتانا چاہتا ہوں نہ بتاؤں گا وہ خواب
اس جگہ ہی جاؤں گا دکھلائی جو مجھ کو بہ خواب

تنگ تھے کوئی بدلتے وقت پر اک آن میں دھوکے دے جاتے تھے سب حیدر کو بھی میدان میں

خصلتوں میں فرق نہ تھا ان میں اور شیطان میں ۔ ہر کوئی تھا کہہ رہا تھا جن قادر امکاں میں
پُورا ہی کرتا ہے حضرت نے جو اپنی بات کو
ساتھ نہ لے جائیں پھر بچوں کو مستورات کو
پہنچا مسلمؑ کا جو خط تو ہو گئے بالکل تیار ۔ اور اپنا ایلچی بصرہ میں بھیجا زینہار
حضرتِ مسلمؑ نے یہ مضموں لکھا تھا آشکار ۔ آدمی بیعت ہوئے ابتک ہیں اٹھارہ ہزار
چل پڑے حضرت بمعہ اہل و عیال و اقربا
کی وفا نا آشناؤں سے بھی امیدِ وفا
تھا سفر گرمی کا گرمی بھی عرب کی ہے مشہور ۔ ساری پتھریلی زمیں آبادیاں تھیں دُور دُور
تیز چلنا وہ ہوا کا تپش کا ایسا شعور ۔ آگ اگلتی تھی زمیں ہو جس طرح کوئی تنور
اس لئے ہی رات کو کرتے ہمیشہ تھے سفر
اور دن ذوقِ عبادت میں وہ کرتے تھے بسر
ہر طرف تھے اُموی جاسُوس یاں پھیلے ہوئے ۔ لحظہ لحظہ کی خبر ہر وقت تھے یہ بھیجتے
نقل و حرکت سے امامِ پاک کی آگاہ تھے ۔ سب مکمل کیفیت دربار میں دیتے رہے
حضرتِ مسلمؑ کی خبریں جس گھڑی پہنچیں وہاں
پیٹتا رانوں کو اٹھا وہ یزیدِ بے ایماں
جھومتا تھا نشہ میں پی لی تھی کثرت سے شراب ۔ اینٹھتا پھرتا محلوں میں تھا یہ خانہ خراب
حسن کی رنگین محفل میں تھا مستِ مئے ناب ۔ قمریوں میں فراغ یہ اپنا دکھاتا تھا شباب
کہ یکایک خبرِ وحشت ناک سے گھبرا گیا
چھوڑ کر رقص و سرود اب تھا یہ باہر آگیا
ایک تھا سرجون نامی معاویہ کے وقت کا ۔ ان کے کاموں میں رہا کرتا دخیل ہر وقت تھا
ایلچی پہنچا تو یہ دربار میں اس وقت تھا ۔ مشورہ دینا ضروری فرض سمجھا وقت کا
با ادب بولا رہیگی سلطنت تیری آباد
تیرا دست راست ہو اس وقت گر ابن زیاد
گو ہے ماں اس کی کنیز کہ باپ ہے ابن زیاد ۔ سخت فطرت تھا جو لوہے اور پتھر سے بھی زیاد
سخت گیری کا نہ تو باپ سے اس کو یاد ۔ حیلہ جوئی ماں سے پائی ورثہ میں ہے مستزاد

ہیں یہی دو فن ہمیشہ لازمۂ سلطنت
اس کو کوفہ کی حکومت آج ہو گرمِ رحمت

کوفیوں کو راہ لگا لینا کوئی مشکل نہیں ان کو دہشت سے ڈرا لینا کوئی مشکل نہیں
ایک بزدل کو پھرا لینا کوئی مشکل نہیں رت کی دیوار ڈھا لینا کوئی مشکل نہیں

بلبلے پانی کے ہیں اک پھونک سے جائینگے
ساتھ مسلم کا نہ دیں گے ہٹ کے وہ رہ جائینگے

ایک دھمکی سے ہی سینے کوفیوں کے ہونگے شق ہاشمیوں کی محبت کا جو پڑھتے ہیں سبق
گر دکھائیں گے بھی وہ کچھ زندگانی کی رمق تو الٹ دے گا عبید اللہ کوفہ کا طبق!

ہے علاج انکا فقط دنیا میں آج ابنِ زیاد
سخت گیر ابنِ زیاد اور بدنہاد ابنِ زیاد

گرگِ کہنہ کی فقیں تدبیریں نہ یہ خالی گئیں ساری باتیں اس مدبر کی بہاں پالی گئیں
سانچۂ بغض و حسد میں پھر یہ سب ڈھالی گئیں اک شرابی سے نشہ میں ساری منوا لی گئیں

بصرہ و کوفہ کا حاکم بن گیا ابنِ زیاد
ہے کوڑتا پھاندتا یہاں سے چلا ابنِ زیاد

ابنِ زیاد کا تقرر اور اس کی شقاوتِ قلبی

اک بگولے کی طرح بصرہ میں آپہنچا شتاب اس کی اک آواز پہ بول اٹھے سب حاضر جناب
اور حسینؑ ایلچی پر بھی ہوا نازل عتاب یوں مخاطب کرکے لوگوں کو کیا اس نے خطاب

باغیوں کے سر اڑایا کرتی ہے تلوار یوں
جس طرح اس ایلچی پہ چل گئی تلوار یوں

اہلِ بصرہ کے دلوں پہ ایک ہیبت چھا گئی گلشنِ امید پہ ان کے خزاں سی چھا گئی
ان کے چہروں پر بھی گو نہ مردنی سی چھا گئی اور عبید اللہ کو حالت نظر یہ آ گئی

مُردے بصرہ کے اب اٹھینگے قیامت کو کبھی
یہ پیامِ اجل کوفہ کو سنانا ہے ابھی!

پہنچا جب نزدیک کوفہ کے تو یہ تھا وقتِ شام منہ پہ اس کے نقاب اور بھیس بولا تھا نام

منتظر کوفی تھے کہ ہیں آرہے حضرت امام آئے استقبال کو کرتے تھے آداب و سلام
مرحبا ابنِ رسول اللہ سے کرتے تھے خطاب
اب تلک سمجھے نہ تھے یہ کیا بلا ہے درنقاب

ایسے ہی ڈھب سے گیا وہ پھر سوئے دارالاماں دیکھ پایا کوفیوں کو ہیں وہ کیسے شادماں
پھر بہ خاموشی ہی چہرے سے نقاب الٹی وہاں اور کچھ پھنکار کر افعی نے یوں کھولی زباں
دیکھ لو ابنِ علیؑ ہوں یا ہوں میں ابنِ زیاد
بے لحاظ و بے مروت ہوں نہیں کیا تم کو یاد

ہو گیا باغی خلیفۂ وقت سے ابنِ علیؑ دیکھ پایا ہوں بغاوت میں ہو تم بھی ساتھ ہی
تم کو سمجھاتا ہوں مانے گا نہ جو میری کہی ٹکڑے ٹکڑے اس کے کر دونگا نہ چھوڑونگا کبھی
کہتا ہوں تم سے نہ مُسلم کو چھپا رکھے کوئی
اس کو میرے پاس لے آؤ تو ہے یہ بہتری

ہو گئی جب یہ خبر سارے شہر میں مشتہر تو نمازی بھی جماعت سے ہوئے سب منتشر
ان ہزاروں میں رہا اک بھی نہ واں موجود پھر اور تکمیلِ جماعت تک رہے نہ منتظر
ان کے عقل و ہوش میں باقی تو اذان نہ رہا
ایک ہی گھڑکی سے باقی جاں رہی نہ تن رہا

ہو گیا معلوم کہ ابنِ زیاد ہے آ گیا آتے ہی بصرہ سے کوفہ پہ تھا اب وہ چھا گیا
کالے بادل کی طرح گھنگور میں یہ سا گیا اس طرح گرجا گیا ہر دل کو یوں دہلا دیا
اس سیاہ دل کی سب پہ ہی غالب سیاہی آ گئی
سمجھے دفا مسلم سے کی گر تو تباہی آ گئی!

اب بے کس و تنہا تھے مسلم جو کبھی مہمان تھے مہمان تھے ان میزبانوں کے جو بے ایمان تھے
اب جان کر بھی ہو رہے مسلم سے بے پہچان تھے یہ دوزخی مردود کم ظرف کم عیار انسان تھے
یہ سب گھروں میں جا چھپے انکو اکیلا چھوڑ کر
اور خود رسول اللہ سے اللہ سے منہ موڑ کر

اس پتھروں کے ڈھیر میں تھی ایک ہیرے میں چمک پاسِ وفاداری بھی تھا ایمان کی اس میں جھلک
اور حُبِّ اہلبیت کی اس گل سے آتی تھی مہک تھی ہانی بن عروہ کے دل میں آب و تاب اور تھی دمک

اس نور پر اس کفر کی سیاہی نہ غالب آسکی
اس منبعِ ایمان کو دُنیاء کفر نہ ڈھا سکی

لے آئے اپنے گھر میں وہ مہمانِ عالیشان کو ایسی فضا میں ڈال کر خطرے میں اپنی جان کو
کیا جان کی پرواہ انہیں رکھتے ہیں جو ایمان کو پہچانتے انسان ہی دنیا میں ہیں انسان کو

اک نور کی پہچان چمگادڑ نہیں کرتی کبھی
وہ دیکھ کر سورج کو ہو جاتی ہے اندھی اور بھی

ہانی نے کر دی تھی مشہور اپنی علالت کی خبر سازش تھی ابنِ زیاد جب آئیگا سن کر یہ خبر
مُسلم چھپے تھے گھات میں تلوار ماریں بیخبر اُڑ جائے تا عبیدؔ کا جھٹکے سے ہی جلتا سا سر

تھی پشت ابنِ زیاد کی تھے جس طرف یہ گھات میں
مُسلم کو کرتے تھے اشارے ہانی ہر ہر بات میں

یہ وقت یوہی ٹل گیا مسلم نہ نکلے گھات سے واپس عبید اللہ پھرا محفوظ سب آفات سے
اور دل سے اس کے مٹ گئے ہانی پہ جو شبہات تھے مسلم سے ہانی نے کہا افسوس سے ہیہات سے

کیا رحم آیا آپ کو اس نطفۂ شیطان پر
یا ڈر کے مارے کر سکے نہ حملہ بے ایمان پر

آئی عجب قابو میں یہ اک جملۂ آفات تھی ایسے کمینہ پر یہ ناجائز ہی مراعات کی
منہ اس کا تھا میری طرف کیسی عجب یہ گھات تھی اک وار سے ہی ختم کر دیتے تو کیا ہی بات تھی

احسان سنئے پر کیا اس کا نتیجہ دیکھ لیں
اس کی طرف سے جو ملے گا اس کا بدلہ دیکھ لیں

پہلے تو خاموشی سے ہی سنتے رہے تھے یہ کلام ہانی سے گویا یوں ہوئے پھر بعد میں خیرالانام
سب کچھ ہے نظروں میں مرے اور جانتا بھی ہوں انجام پر ہر ارادے پر ہوا غالب محمدؐ کا پیام

وار کرنا چھپ کے دشمن پر جواں مردی نہیں
اہلِ ایماں اس طرح سے کرتے نامردی نہیں

ہانی نے گھر میں سیدِ معصوم کو ایسے رکھا جوہر کو جیسے جوہری نے پاس رکھا ہو چھپا
ہر طرف واں ڈھونڈتے پھرتے تھے ان کو اشقیاء مسلم کے متعلق مگر کچھ نہ پتہ ان کو چلا

کہ نام معقل سے عبید اللہ کا تھا اک غلام

کام گو مشکل تھا پر اس نے کیا اسکو تمام

ایک مسجد تھی کہ معقل نے گزارا دن جہاں وان نمازِ باخشوع میں دیکھے اک بوڑھے میاں
جو تضرع اور زاری سے تھے مصروف فغاں عوسجہ الاسدی کے بیٹے تھے یہ مسلم یہاں

خوب ہی سمجھا یہ معقل اب نکل آئیگا کام
لازماً یہ ہے غلامِ سیدِ خیر الانام

ہاشمی پرتو ہے اس کے جذبۂ ایمان پر کس قدر خوفِ خدا غالب ہے اس انسان پر
سوچتے ہی مسکراہٹ آئی اس شیطان پر "یہ کرے گا مہربانی بالکل اک مہمان پر"

کچھ ادب سے سرک کر یہ پاس جا بیٹھا وہاں
اور تکلم کیلئے پھر اس نے یوں کھولی زباں

عالیجاہ! میں ہوں غریب الوطن اک شامی غلام یہ سنا ہے آرہے ہیں اس طرف حضرت امامؑ
لینے کوفہ میں ہیں بیعت مسلمِ قائم مقام میں بھی اہلِ بیت کے گھر کا ہوں اک ادنیٰ غلام

تین صد ہیں درہم میرے پاس نذرانہ ہے یہ
اور میری جان بھی اک نذرِ جانانہ ہے یہ

مجھ کو ان تک آپ پہنچا دیں تو یہ احسان ہو مال تو کیا چیز ہے یہ جان بھی قربان ہو
جان تو کیا چیز ہے گر ایسی ہی سو جان ہو اہلِ بیتِ اطہار پر ایمان بھی قربان ہو

ہائے اب تو ہو گیا ہوں بہت ہی میں بیقرار
باتیں کر کر کے وہ ایسی رو رہا تھا زار زار

اوّل اس تقریر سے دل کو ہوا تھا رابطہ بعد میں جاسوس ہونے کا ہوا کچھ شائبہ
اس لئے پھر اس سے بولے مسلم ابنِ عوسجہ میں تو اک درویش ہوں مسلم سے کیا ہے واسطہ

مجھ کو یہ کیا معلوم ہے کہ کس طرف معصوم ہے
کوفہ سے باہر ہے کہیں یا وہ کہیں مکتوم ہے

معقل بڑا عیّار تھا مکار تھا ہشیار تھا آنسوؤں کی لڑیاں دیں غم کا یہ اظہار تھا
گویا کہ اہلِ بیت کا یہ اک بڑا غمخوار تھا لے آیا ان کو راہ پہ ایسا یہ کچھ طرّار تھا

شیروں کو کوئیں میں گرائیگی یہ اک دن لومڑی
لو! ساتھ لیکر راہبر کو راہ پہ یہ چل پڑی

کچھ ایسی ہی ترکیب سے ہانی کے گھر آیا یہاں اور نقد نذرانہ دیا، کی بیعت بھی پھر بےگماں

پر طائرِ ایمان سے خالی تھا دل کا آشیاں بیٹھا ہی سب خبریں یہاں کی دے رہا تھا بے ایماں

اک دن محمد ابنِ اشعث ایک ساتھی کو لئے

ہانی کو ابنِ زیاد کے دربار میں تھے لے گئے

ہانی سے پوچھا حاکمِ ظالم نے مسلم کا پتہ ہانی نے اس سے یہ کہا مجھ سے ہے مسلم لاپتہ

اس نے بہ سختی سے کہا کچھ دو پتہ کچھ دو پتہ ہانی نے پھر انکار سے اس کو کہا کہ کیا پتہ

معقل وہاں موجود تھا معقل ہی سارا تھا پتہ

جو نقد زر اس نے دیا تھا خوب تر ہی تھا پتہ

سب کچھ دکھانے اور جتانے پر بھی یاں انکار تھا ہانی کے اس انکار پہ واں بڑھ رہا اصرار تھا

اس نے جو مارا ناک پر اک بید جو خمدار تھا ہانی کا بانسہ اڑ گیا خوں بہ رہا جو دھار تھا

پھیلی خبر یہ شہر میں ہانیؓ شہادت پا گئے

ہانی کے سب غمخوار واں ہو کر اکٹھے آ گئے

مسلمؑ کے کانوں میں خبر پہنچی تو وہ با عزم و شاں شمشیر لے کر آ گئے تھے جس جگہ ہانی وہاں

آواز پہ نَصْرٌ مِنَ اللّٰہِ کی ہزاروں نوجواں آ گئے اور کر لیا محصور تھا، والاماں!

یہ دیکھ کر عبید نے دروازے سب لگوا دیئے

رؤسائے کوفہ سے کہا جو پاس تھے اس کے کھڑے

تم منتشر مجمع کرو جیسے طریقہ سے کرو اس وقت خوش مجھ کو کرو دامان دولت سے بھرو

گر منتشر مجمع نہ ہو، تو فکر تم اپنی کرو تلوار یہ موجود ہے تم میرے ہاتھوں سے مرو

اس بھیڑیئے کے خوف سے بھیڑیں جو ممیانے لگیں

فوجیں وہ ان بھیڑوں کی ہی تھیں سب چلی جانے لگیں

یہ رنگ دیکھا حضرتِ مسلمؑ نے اور لی اپنی راہ اک رحمدل عورت تھی طوعہ جس نے دی ان کو پناہ

کہ کان میں آئی ندا جس گھر میں مسلمؑ نے پناہ تو ساتھ ہی مسلمؑ کے اس کو بھی کریں گے ہم تباہ

سن کر یہ آواز آ گیا باہر تھا شیر کچھار سے

اور گرج کر حملہ کیا ٹکرا گیا یہ ہزار سے

تھک کے پکا چور ہو کر پاؤں پھسلا گر پڑا پھٹ چکے کپڑے تھے سارے جن میں یہ ملبوس تھا

خون کی دھاروں سے چہرا سب کا سب رنگا گیا پیاس سے اور یاس سے دل اس کا تھا گھبرا رہا!

حال تھا یہ، موذیوں نے پکڑ کر بازو کسے
اور پھر قصر امارت میں اُسے تھے لے گئے

کوفیوں کا دیکھ کر ہوتا وہاں پر اژدہام ہانیؓ و مسلمؓ کو پھر وہ لے گئے بالائے بام
یہ کہا مسلمؓ سے ہے کوئی وصیت یا پیام تو عبید اللہ سے مسلمؓ ہوئے یوں ہم کلام
کہ فلاں بندے کا میں نے قرض کرنا ہے ادا
زرہ میری اس کو دے دو قرض ہو جائے ادا

اور کہا دل تڑپتا ہے دیکھوں فرزندان کو فطرتاً اولاد سے ہوتا ہے عشق انسان کو
دیکھنے سے ہو سکوں دل کو تو راحت جان کو لیک ترس آنا نہ تھا عبید بے ایمان کو
کرنا تو کیا تھا دیا مسلمؓ کو چھت سے ہی گرا
اور ہانیؓ کا بھی سر دھڑ سے جدا اس نے کیا

اے گروہ کوفیاں ہائے گوسفندان رذیل اے شقیبانِ ازل اے کورچشمانِ ذلیل
تم سے افسردہ و آزردہ تھے مسلم بن عقیل تھے تمہاری بے وفائی طوطا چشمی کے قتیل
کس قدر تھے پست فطرت اور ذلیل ہمت تھے تم
کس قدر باطل سے دبنے والے بزدل ہمت تھے تم

ہانیٔ مظلوم نے امداد کی مظلوم کی اس کے بدلہ میں شہادت ازل سے مقسوم تھی
اور بھی کی جس نے ہمدردی نہ تھا معصوم کی ایک آفت سر پہ ہی آئی ہوئی مفہوم تھی
یہ سر راہ لاشہ کو آویزہ عبرت کیا (یہ حضرت مسلم کا لاشہ دیکھ کر لوگ عبرت راستہ پر لٹکوا دیا سیکھیں)
خلق پر یہ اک ظہورِ پستی فطرت کیا

تھی شقاوت اس شقی میں اور پتھر کا جگر رحم سے انصاف سے ایمان سے تھا بے خبر
بچگانِ شاہِ مسلم کو لیا تھا قید کر حکم سخت ایذا دیا اور لی نہ پھر انکی خبر
اپنی فطرت کی دکھائی پستی اس مردود نے
اس عبید ابن زیاد اخبث نے نامسعود نے

بچوں کی رہائی

جیل کا افسر تھا کا اک اہلِ صفا قاصی شریح حبِ اہلِ بیت سے تھا نفس امارہ مطیع

اس نے بچوں کو نکالا حوصلہ کرکے وسیع　　　تھی اندھیری رات جب اس نے کیا کارِ رفیع
قادسیہ کی سڑک پہ تھا جا رہا اک قافلہ
سوئے یثرب ہو رہا تھا قافلہ یہ نا قلہ
اس سڑک پر چھوڑ کر بچوں سے یہ کہنے لگا　　　سامنے وہ گرد سی اڑتی نظر آتی ہے کیا
گھنٹیاں اونٹوں کی بجتی ہیں یہ آتی ہے صدا　　　بھاگو! دوڑو! جا ملو بچو ہے اس میں دیر کیا
کرتے ہیں اہلِ وفا احسان یوں مظلوم پہ
ڈھاتے ہیں اہلِ جفا لیکن ستم معصوم پہ
چھ برس تھا اک کا سن اور دوسرے کا آٹھ سال　　　سیم تن یہ قید کی سختی سے بھی تو تھے نڈھال
صبح صادق سے قبل تاریکیٔ شب تھی بحال　　　یہ تھا حال اور اس کا آخر ہونا تھا یہ ہی مآل
ننھے بچے راستہ کو اپنے کھو کر رہ گئے
خون کے آنسو مقدر پر وہ رو کر رہ گئے
خاورِ خورشید نے روشن کیا جب سب جہاں　　　بر لبِ دریا نظر آیا انہیں شجر کلاں
کھوکھ میں اس کی اتر کر ہو کے نظروں سے نہاں　　　فیصلہ باہم کیا بیٹھے رہو چھپ کر یہاں
سوئیگی جب ہو کے فارغ خلقت اپنے کام سے
اپنی منزل کی طرف چل دینگے ہم آرام سے
ناگہاں واں ایک عورت پانی لینے آ گئی　　　اس شجر کے بالمقابل وہ سوئے دریا گئی
نیچے اتری گھاٹ سے پانی کے نزدیک آ گئی　　　جب جھکی پانی پہ وہ تو دیکھ کر تھرا گئی
تا ہنوز اس نے نہ پانی سے بھرا تھا جام کو
اس شجر کے عکس میں آئے نظر گل فام دو
جب نظر اوپر اٹھائی اس نے دیکھے مہر و ماہ　　　کانپتے تھے خوف سے اس حال پر پسرانِ شاہ
پیار سے کہنے لگی مسلم کے بچو! آہ! آہ!!!　　　چاند کے ٹکڑو! آ جاؤ! میں تم کو دوں پناہ
پہلے میری جان لے گا جو تمہیں آزار دے
گھر میں اپنے ان کو لے آئی چھپا کر پیار سے
تھی یہ حارث کی کنیز اس نے بی بی سے کہا　　　تیرے گھر مہمان ایسے لائی ہوں میں بر ملا
در پئے آزار جن کے ہو رہے ہیں اشقیا　　　کھانا پینا کچھ میسر کب مصیبت میں ہوا

ان کو کچھ کھانے کو دے پینے کو دے آرام دے
روزِ محشر ساقیٔ کوثر سے تو انعام لے

کر رہا تھا یہ منادی آج سرکاری نفر — شہر کے ہر کوچہ کوچہ گھر بہ گھر اور در بہ در
جیل سے دو چور بھاگے ہیں جو لائے پکڑ کر — اس کو سرکاری خزانہ سے ملیگا سیم و زر
چور ہیں مسلمؑ کے بچے کہہ رہا تھا یہ پلید
شام میں بھجوائے جائیں گے تو خوش ہوگا یزید

یہ چھپے بیٹھے تھے ڈر سے جاؤں میں ان پر نثار — کھول کر کس سے کہیں پردیس میں یہ حالِ زار
کپڑے میلے ہو رہے ہیں منہ پہ ہے گرد و غبار — پھر بھی کیسا نور ہے چہرے کا ہے کیسا نکھار
دیکھنا بی بی یہ کیا ہیں بھولی بھالی صورتیں
ہیں رسول اللہ کے گھر کی یہ پیاری پیاری مورتیں

زوجہ حارث کی شریف اور پاک طینت تھی بڑی — بچوں کی صورت پہ وہ صدقے گئی قرباں ہوئی
ان کو نہلایا دھلایا اور پکایا خوان بھی — سب بجا لائی وہ خدمت اور شفقت ملنے کی
اک علیحدہ کوٹھڑی میں ان کا بستر کر دیا
اور سب آرام کا سامان میسّر کر دیا

اپنے بچوں کے لئے مسلم کی روح بے چین تھی — اور والد کے لئے بچوں کی روح بے چین تھی
قتل کرنے کو اگر حارث کی روح بے چین تھی — تو بچانے کے لئے بیوی کی روح بے چین تھی
بس انہی بے چینیوں کا ہو گیا شاید اثر
شکلِ مسلم چھوٹے بچے کو وہاں آئی نظر

پوچھا ابراہیم نے عالی قدر جناب! — آپ کس جا ہیں سدھارے کرتے ہیں دشمن خراب
دی تسلی آپ نے اور یہ دیا اس کو جواب — مجھ کو سرکارِ رسالت سے ہوا ہے یہ خطاب
آج بچوں کو بھی لے آ مسلمِ خستہ جگر
قابلِ صد قدر ہیں تیرے شہادت کے گہر

اک پریشاں حال کا یہ اک پریشاں خواب تھا — باہیں بھائی کے گلے میں ڈال کر رونے لگا
بھائی سمجھاتا تھا پر یہ سہم کر روتا رہا — آخرش حارث نے سب باتوں کو انکی سن لیا
ڈھونڈھتا پھرتا رہا تھا انکو صبح و شام سے

پاس کے کمرے میں اب لیٹا تھا یہ آرام سے

چھپ رہے تھے جس جگہ مسلم کے دلبند و جگر　　پہنچا اس کمرے میں بدخو اور یہ لاکر کہ کر
کون ہو تم ہو گیا تمہارا یاں کیسے گذر　　ہم ہیں فرزندانِ مسلم بولے دونو سہم کر

بے وطن بے یار ہیں بیکس ہیں اور مظلوم ہیں
تیرے گھر والوں کو یہ حالات سب معلوم ہیں

یہ کہا حارث نے ہاں تم کو بھی کچھ معلوم ہے　　کہ عبیداللہ کے انعام کی کیا دھوم ہے
کیا خبر تھی یہ کسی کو کہ مرا مقسوم ہے　　ڈھونڈھتا تھا جس کو باہر گھر میں ہی مکتوم ہے

لعل ہو مسلم کے تم لونگا عوض میں میں بھی لعل
پیش کر دونگا تمہارے سر نہ ہوگی لیت و لعل

کہہ کے اتنا ایک ہی رسی میں دونو کو کسا　　اور خود آرام سے بستر پہ جاکر سو گیا
صبح دم جاگا تو ان دونو کو باہر لے گیا　　تیز کی تلوار اک ان دونو بچوں کو دکھا

یہ کہا کاٹونگا اب دونو کے ہی حلقوم کو
ختم کر دونگا میں نسلِ مسلمِ مظلوم کو

سختی بے جا سے یہ معصوم پریشاں ہوئے　　ننھے کرتے چھٹ گئے تہ تار گریباں ہوئے
آہ کیسے بے خطاؤں کے خطاوار ہوئے　　کل تھے یہ مہماں ہوئے اور آج یہ حیراں ہوئے

پہرے نیلے کر دیئے تھے تھپڑوں کی مار سے
اس کی گستاخی پہ دل اس سے ہوتے بیزار تھے

دیکھ کر ایسی درشتی اور سختی بار بار　　نیک دل بیوی و لونڈی ہوگئیں بے اختیار
تھا یہ بے ایمان اس گھر میں وہ تھیں ایماندار　　بس چمٹ کر رہ گئیں بچوں سے وہ بیتاب وار

چھینتا ان دونوں سے ان دونو کو حارث رہا
کوشش ناکام میں دوزخ کا وہ وارث رہا

اپنی کوشش میں رہا جب اس طرح ناکامیاب　　لے کے پھر تلوار آیا اس طرف خانہ خراب
قتل بیوی کو کیا اور خادمہ کو بھی شتاب　　تاکہ جلدی سے وہ مسلمؑ کے بچوں کا قصاب

اس قدر انعام کے لالچ میں اندھا ہو گیا
اپنے گھر کو پہلے ہی برباد اس نے کر لیا

قتل سے فارغ ہوا دونوں کے جب وہ نابکار
دونوں بچوں سے کہا اب اٹھ کے ہو جاؤ تیار
تا گلا کاٹے تمہارا میری تیغ آبدار
تو بڑے نے یہ کہا حاضر ہوں میں اے ستمگار
بڑھ کے چھوٹے نے کہا تو قتل کر پہلے مجھے
تو بڑا بولا نہیں! پہلے مجھے !! پہلے مجھے !!!

دیکھ کر شوقِ شہادت وہ بڑا حیران تھا
رحم کیوں آتا اُسے وہ پکا بے ایمان تھا
کچھ عبیداللہ کے انعام کا بھی دھیان تھا
عزت و توقیر کا آتا نظر سامان تھا
یہ کہا اچھا! برابر ہی کھڑے ہو جاؤ تم
اور اکٹھے ہی مرے ہاتھوں شہادت پاؤ تم

اک جگہ پر ہی کھڑے تھے دونو بھائی گل عذار
اک کی اک آغوش میں نسرین بدن سرو و چنار
نرگسی آنکھوں سے تکتے رہ گئے وہ اشکبار
کر دیا حارث نے ان پر ایک ہی بھرپور وار
دونو لاشے تڑپ لوٹے خون میں لتھڑے ہوئے
پھول پامال ہوں باغ رسالت کے کٹے

لاشے حارث نے اٹھا کر لے کے معصوموں کے سر
رکھ دیئے پیش عبید ان دونو مظلوموں کے سر
جا ہوا وہ بجاہ اور حشمت کے مجنونوں کے سر
جس طرح حاصل کئے تھے اس نے محروموں کے سر
کھول کر اس نے کہی روداد سب بیداد کی
اپنے انعاموں کی خاطر اس نے پھر فریاد کی

بولا حاکم یہ غضب کیا تو نے ظالم کر دیا
زندہ لانا تھا انہیں کیوں قتل تو نے کر دیا
کہ خلیفہ کے حضور ان کو تھا زندہ بھیجنا
یہ ہی بس انعام ہے کہ دوں تجھے اسکی سزا
جاؤ جلادو اُتارو اس جگہ ہی اسکا سر
جس جگہ پر کاٹ کر لایا ہے یہ بچوں کے سر

حکم سے کافر کے اس کافر کو کافر لے گئے
سوئے دریا شہر کی سرحد سے باہر لے گئے
خود جو قاہر تھا اسے اب اور قاہر لے گئے
قتل اس کو کر دیا اور کاٹ کر سر لے گئے
رنگ لایا خون ان معصوم بچوں کا کیا
دیں سے تو محروم تھا دنیا سے بھی خالی گیا

حال تھا یہ اور کوفہ والوں کا تھا یہ چلن — بزدلی میں بھیڑئیے بد تر تھی یہ قوم فتن
بھیڑیئے بن کر کبھی لاتے تھے ماتھے پر شکن — بے اصولانہ تھی ان کی زندگی پُر مکر و فن
چھا گیا ذہنیتوں پر اس طرح ابن زیاد
رہتی تھی اس کی رعونت اور تکبر ان کو یاد

جس جگہ کوفہ کی ہے آباد ساری سرزمیں — اک زمانہ میں تھی غیر آباد یہ ساری زمیں
تھی یہ تجویز عمر فاروق امیر المؤمنین — حملہ آور اس طرف سے تا نہ ہو دشمن کہیں
چاہیئے اک چھاؤنی اپنی حفاظت کے لئے
کوفہ اس سرحد پہ کافی تھا کفایت کے لئے

حکم تھا کہ چھپروں سے ہی سجائے جائیں گھر — اور بلندی میں نہ اک منزل سے اونچے جائیں گھر
اک جسامت اک وضع کے ہی بنائے جائیں گھر — حاکم و محکوم اک جیسا ہی یاں پر پائیں گھر
اس جگہ کی عورتوں سے شادیاں بھی کم کریں
طاعت و زہد و عبادت نفس پر لازم کریں

سعد بن وقاصؓ نے جب فتح ایران کی — ساتھ لائے چوکھٹیں کسریٰ کے دیوان کی
تھی رہائش کوفہ میں اس حاکم ذی شان کی — چوکھٹ اک ان میں سے اپنے گھر میں بھی نزلان کی
اونچی چوکھٹ لگنے سے چھت اور اوپر چڑھ گئی
زیب و زینت اس طرح سے اس مکاں کی بڑھ گئی

یہ خبر جا پہنچی پیش حضرت فاروق عمرؓ — آگ سے جلوا دیا حضرت نے اسکو زود تر
یوں مٹایا کرتے تھے نفسانیت کو راہ پر — بھول جاتا تھا جو ہے آتے تھے اسکو راہ پر
ہے ہلاکت آفریں انسان کی نفسانیت
اور حیات افروز ہے ایمان کی حقانیت

حضرت فاروق عمرؓ میں تھا فراست کا کمال — اس معالج میں تھا روحانی حذاقت کا کمال
تھا قلندر میں سکندر کی امارت کا کمال — مانتے ہیں غیر بھی اس کی خلافت کا کمال
رابطہ دائمی کا رہتا تھا رعایا سے سدا
اک مسلسل سلسلہ میں منسلک باضابطہ

انگلیاں رکھتا تھا یہ نباض سب کی نبض پہ — اور رکھتا تھا توجہ ہر روحانی قبض پر

رات دن رہتا تھا وہ پابند اپنے فرض پر وہ نظر رکھتا نہ تھا نفسانیت کی غرض پر

اس کے زرّیں عہد میں اسلام نے پایا کمال

بعد میں آہستہ آہستہ پھر سے آیا زوال!

عہدِ عثمانیؓ میں شرانگیز تھیں کچھ ہستیاں سہہ نہ سکتے تھے جہادِ نفس کی جو سختیاں

نرمیٔ عثمان غنیؓ سے ان میں آئی مستیاں اور طبائع عام میں پھر آگئی تھیں پستیاں

خاندانِ امیہ کے چند اشخاص نابکار

اہلِ ایماں ہو رہے تھے دن بدن جن کا شکار

حضرت عثمانؓ رکھتے تھے قرابت کا خیال اقربا نہ رکھ سکے ان کے مراتب کا خیال

ہر طرح رکھنے لگے اپنی رعایت کا خیال لازماً آئے خلافت میں وراثت کے خیال

مٹ چکا تھا عام لوگوں کے دلوں سے اب سکوں

اُموی لوگوں میں پھیلا یا وشاہت کا جنوں

بد ظنی پھیلی یہ ساری کارسازی دیکھ کر اُموی حکام کی خانہ نوازی دیکھ کر

ان کی اُلٹی سی زقندوں کی یہ بازی دیکھ کر اپنے ہی گھر ساری خیرات کو راضی دیکھ کر

معتبر اصحاب نے حضرت علیؓ سے یہ کہا

ہم کو آتی ہے نظر اب اس خلافت میں خطا

حضرت عثمان تک لائے انہیں حضرت علیؓ لا محالے دین و دنیا کامل و اکمل ولی

مونس و غمخوار سب کے کرتے تھے سب کی بھلی آشکارا کر دکھایا سب خفی و سب جلی

راعی کو سمجھا دیا باتوں میں جو کچھ خوب تھا

اور رعایا کو ہٹایا اس سے جو ناخوب تھا

ؔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مقتدر صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔ اور اس وقت مسلمانوں کی تمام شکایات ان تک پہنچی تھیں ان تینوں حضرات نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سمجھایا۔ اور بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ان تینوں کے ساتھ سمجھانے میں شامل تھیں۔ کہ آپ اپنے بلے دین بھائی عبداللہ بن سعد بن سرح کو مصر کی گورنری سے معزول فرما دیجئے۔ باقی آئندہ

نطفۂ شیطان بے ایمان اک مروان تھا موجبِ فتنہ رہا اب تک یہی انسان تھا
یہ قریبی تھا عزیز اک حضرتِ عثمان کا اس سے آزردہ تھا دل ہر ایک مسلمان کا
حضرتِ عثمانؓ سے تھے سب کے مروان کو :
باغیوں نے لے لیا عثمانؓ پاک انسان کو

ہونا تھا اب پھر خلافت کیلئے اک انتخاب منتخب گو تھے علی اسد اللہ الغالبؓ جناب
اب خلافت تھی مصیبت، تھی فضا ایسی خراب اس لئے حضرت علیؓ دیتے تھے منفی سا جواب
حیدرِ صفدر خلافت سے تھے کتراتے بہت
اور تھے دنیا کے جھنجالوں سے کنیاتے بہت

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا مسندِ خلافت پر تقرر

خدمتِ اقدس میں آئے اکثر اصحابِ کرام کی گذارش سب نے حیدرؓ سے یہ با صد احترام
آپ کے بن ہو نہیں سکتا ہے اچھا انتظام اب خلافت کے فرائض آپ پر ہیں التزام
سعد بن وقاصؓ و طلحہؓ تھے وہاں اور تھے سعیدؓ
سعد بن زیدؓ ابن اشترؓ اور صحابہ کچھ مزید

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶ :- کہ وہ اکثر خلافِ اسلام حرکتیں کرتا ہے ۔ اور جو اس کو بیت المال سے پندرہ ہزار درہم دیا ہے ۔ واپس لے لیجئے ۔ نیز مروان کو بھی برخاست کر دیجئے ۔ کہ تمام فتنوں کی جڑھ وہی ہے ۔ اسی طرح کی چند چند خامیاں جو بالعموم لوگوں کے پیشِ نظر موجبِ فتنہ و فساد تھیں ۔ پیشِ نظر کر کے سمجھایا کہ مسلمانوں کی تسلی تب ہی ہو سکتی ہے ۔ اگر ان شکایات کا مداوا ہی کیا جائے ۔ مگر افسوس کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ تہیہ کیا بھی تو مروان نے ان میں سے کوئی بات بھی پوری نہ ہونے دی ۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ تہیہ کیا بھی ۔ تو مروان نے ان میں سے کوئی بات بھی پوری نہ ہونے دی ۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہا ۔ کہ خلافت آپ کی ہے ۔ نہ کہ علیؓ ، طلحہؓ و زبیرؓ کی ۔ آپ ان پر اپنا رعب رکھیں اور اپنے وقار میں فرق نہ آنے دیں ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بڑھاپا ۔ طبیعت کی انتہائی نرمی اور عوام کے جذبات سے غفلت کیشی خود ان کے حق میں بری ثابت ہوئی ۔ کہ حضور کی شہادت کے اسباب یہیں سے پیدا ہوئے ۔

آٹھواں دن حضرت عثمانؓ کی شہادت کو ہوا ہاتھ سب نے مرتضیٰ کے ہاتھ میں اپنا دیا
بعد ان کے بیعت کا یہ سلسلہ جاری رہا اُموی افراد کو لیکن تعرض ہی رہا

شام میں پہنچا معاویہ کے پاس انکا گروہ
تا خلافت کیلئے اک بار ان کو دیں وہ ٹوہ

مفسدوں نے معاویہ کو آن کر چمکا دیا بالمقابل مرتضیٰ کے بہت سا بھڑکا دیا
کرتہ خون آلودِ عثمانؓ تھا جو ان کو لا دیا گویا جلتی آگ پر تھا تیل کا چھینٹا دیا

انتقامِ خونِ عثمانؓ کا بہانہ ساز کر
جنگ پہ اُکسا رہے تھے سب کو ہم آواز کر

ہر جمعہ کو کرتہ لوگوں کو یہ دکھلاتے رہے ہاشمیوں کے مخالف آگ بھڑکاتے رہے
لعنتیں حضرت علیؓ پر بھی وہ برساتے رہے اور خلافت چھین لینے کو بھی اکساتے رہے

یوں بیٹھے دل کے پھپھولے پھوڑتے تھے معاویہ
ساتھ اپنے ہر کسی کو جوڑتے تھے معاویہ

بدظنی لاحق ہو جب انسان سے انسان کو بھول جاتا ہے وہ پھر قرآن کے عرفان کو
زنگ کینہ کا ہی کھا جاتا ہے یوں ایمان کو اس لئے کینہ نہیں لازم ہے مسلمان کو

دل مسلمان کا سدا رہنا ہے آئینہ سا صاف
بات دل کی دوسرے کے منہ پہ کہہ دیتا ہے صاف

معاویہ نے بالمشافہ بات کوئی بھی نہ کی دل کی دل میں ہی رکھی نہ بجھ سکی دل کی لگی
انتقامِ خون میں آدھی خلافت مل گئی اور اس آدھی سے پھر ساری ہی اپنائی گئی

امیہ آفاق کی آلودگی میں گم ہوئے
محرمِ اسرارِ حق ان میں بہت ہی کم ہوئے

یہ خلافت آمریت میں ہی اب مدغم ہوئی پیرویٔ نفس ہی پیشِ نظر ہر دم ہوئی
دینِ حق کے طالبوں کو چاہ اس کی کم ہوئی تزکیۂ نفس کو بیعت نئی لازم ہوئی

سلسلہ روحانی بیعت کا علیحدہ ہوگیا
اب ہیں پیرانِ عظام اس سلسلہ کے پیشوا

آج تک جتنے سلاسل ہیں طریقت کے تمام منتہی حضرت علیؓ اسد اللہ ہیں سب کے امام

تزکیۂ نفس کی جتنی ہیں تدبیریں یہ کام یا جیسے حاصل ہوئے قربِ الٰہی کے مقام
ہے وسیلہ سب کا مولائے علیؑ کی پاک ذات
ہے محبت اس گھرانہ کی ذریعہ نجات

معاویہ امراضِ روحانی پہ حاوی نہ ہوئے یا مکمل طب روحانی میں تھے نہ ہو سکے
اک غلط نسخہ کی جو تجویز تھے وہ کر گئے اس کے استعمال سے اکثر مسلماں مر گئے
موت آئی اکثروں کو اپنے دین ایمان کی
یہ یزید کی خلافت
ان کے باعث باقیوں کو موت آئی جان کی

ایسے کچھ ماحول تھے اور اس طرح کے حال تھے حاکم و محکوم کے بدلے ہوئے سے خیال تھے
بچنا مشکل تھا فریبِ نفس کے جنجال تھے نفس الجھاتا تھا ان کو مختلف اشکال سے
ماسوی اللہ کی محبت جان میں تھی رچ گئی
بالمقابل دین کے دنیا ہی دل میں بچ گئی

کوفہ اپنے حال میں پیچھے نہ تھا باقی رہا عیش و عشرت میں ہر اک سے کوئی سبقت لے گیا
بے ایمانی میں تھا شامی مورکھوں سے بھی سوا تھا اصول اس کا کہ بے ایمانی نیرا آسرا
ناز و نعمت میں پلے کوفی نہت بزدل ہوئے
سختیاں دیکھی نہ تھیں سختی سے بے بیدل ہوئے

چھاؤنی کے اک طرف بہتا تھا دریائے فرات خوب پھیلتے تھے یہاں پھل پھول میوہ سبزیات
دن اگر یاں عید تھا تو رات تھی یاں شب برات تھوڑے عرصہ میں ہی بدلی یاں کی ساری کائنات
ظاہری عیش و تنعم کا تاثر تھا یہاں
نفس کش جو تھا کبھی وہ نفس پرور تھا یہاں

جس جگہ کا طبقۂ امرا ہے ہوتا بدمعاش تو بدل لیتے ہیں غربا بھی وہاں اپنی معاش
یہ زمانہ ساز ایسی رکھتے ہیں طرزِ معاش تیشۂ حیلہ گری سے سب کو لیتے ہیں تراش
اس طرح کے کرگسوں میں بلبلوں کا کام کیا
اور ذلوں میں بیچے شریفوں کا بھلا انجام کیا

بیعتِ فاسق نہ لانے کا بہانہ تھا فقط اک زباں سے ہی یہ گاتے کا ترانہ تھا فقط
کوزے عیر یود سینہ کا خزانہ تھا فقط اک عبیداللہ ابنِ زیاد ان میں برا نہ تھا فقط

تھا جذامِ کفران سب کے دلوں میں چھا گیا
تھا طبیبانِ روحانی کا یہاں چارہ ہی گیا

قتلِ مسلم کی خبر پہنچی جو آ کر شام میں تو یہ اطلاع آئی واپس حکم خونِ آشام میں
دیں گے ہم رے کی حکومت عمر کو انعام میں گر حسین ابنِ علیؑ کو وہ پھنسا لے دام میں
صید ہو گا ہاشمی اس ہاشمی صیاد کا
دام ہم رنگِ زمیں پھیلا جو ہے بنیاد کا

ایسی ہی پالیسیوں سے ہوتے تھے یہ کامیاب کہ پھنسا لیتے تھے دکھلا کر یہ دنیا کا سراب
بھائیوں کے ہاتھوں کرتے بھائیوں کو تھے خراب ان کا جادو بے ایمانوں پر تھا چلتا بے حساب
امیہ کے خاندان میں حیلہ سازی تھی بہت
فتنہ سازوں کے لئے ذرہ نوازی تھی بہت

عرصۂ دس سال تک رے کی حکومت کا خیال آیا جب دل میں تو ایماں کو دیا دل سے نکال
ایک بے ایمان کو ایمان پہ رہنا محال ہو گیا سالار ساری فوج کا تھا بد شگال
اس نے بھیجا حرؓ کو سرتاجِ امامت کیلئے
کربلا تک تا کہ لے آئے حراست میں لیئے

اس طرف سرکار کوفہ کی طرف تھے آ رہے ایک تھے شاعر فرزدق جو انہیں راہ پہ ملے
عرض کی آقا مرے کوفہ میں ہیں کیوں جا رہے اعتبار ان کی زباں کا کیا جو ہوں دل سے برے
دشمنوں کے ساتھ ہیں وہ کافر زندیق ہیں
ہیں منافق ان کے ایماں محض نا تحقیق ہیں

اس سفر میں آپ کے پیش نظر کچھ بات تھی راہ پہ اکثر ملے احباب، ملاقات کی!
اور سمجھانے کی انہوں نے اگر کچھ بات کی آپ نے پرواہ نہ مانی کوئی انکی بات کی
سترہؔ دن کا سفر کر کے کیا اک دن مقام
ثعلبہ میں آن پہنچے حضرتِ عالی مقام

خواب دیکھا رات کو کہ سیدِ خیر البشر کہہ رہے ہیں اے مرے پیارے مرے لختِ جگر
آ ملو گے مجھ سے تم اب بہت جلد اور زود تر آبدیدہ ہو رہے تھے خواب سے اب جاگ کر
کہہ رہے تھے ساتھیوں سے تم نہ اب آگے بڑھو

مجھ کو تنہا چھوڑ دو، میرے لئے نہ تم مرو،

بکر اسدی یاں ملے بتلایا سارا واقعہ حضرت مسلمؑ کا دردانگیز سارا سانحہ
اور بچوں کا وہ سارا واقعہ ہائلہ اور جو آپ پیش آنے والا تھا سب حادثہ

اور بھی حالات جتنے کچھ اسے معلوم تھے
کہہ سنائے کھول کر سب حضرتِ معصوم سے

یہ بتایا اب نہیں بنتے ہیں کوئی آپ کے نہ خدا کے نہ رسول اللہ کے نہ باپ کے
ساتھ وہ دشمن کا دینگے بن کے دشمن آپکے بیشمار انکی ہیں فوجیں بیٹھی راہ پہ آپ کے

ان کی فوجیں ہیں کثیر اور آپکے ساتھی قلیل
مشورہ بہتر یہی ہے، اور رائے یہ جمیل

اب یہاں تک آچکے آگے نہ جانا چاہیئے آپ کو واپس یہاں سے لوٹ جانا چاہیئے
اور اپنی جان کو یوں نہ گنوانا چاہیئے بدترین دشمن سے ماتھا نہ لگانا چاہیئے

فوج کو راہ پہ لئے بیٹھا ہے عمرو سعد بھی
تن چکی جالا مکمل طور پہ ہے مکڑی

شاید ایسی بات کو کچھ مان ہی لیتے حضور حضرتِ مسلمؑ مگر مارے گئے تھے بے قصور
ساتھ ان کے بھائی بھی موجود تھے یاں بالضرور اس صلاح میں لا نما کہا انہوں نے یہ تصور

انتقامِ خونِ مسلمؑ جب تلک لیں گے نہ ہم
اک قدم نہ اسطرف سے اسطرف سرکینگے ہم

سن لئے تھے اب تلک جو ہو چکے تھے واقعات سامنے آئینہ بن کر آرہے تھے حادثات
اس اندھیری رات کی غمگین سی تھی کائنات رونے دھونے میں بسر کی قافلہ نے ساری رات

صبح کو پھر اس جگہ سے چل پڑا لشکر تمام
ایک منزل تھی شراف اس پہ کیا آکر قیام

قافلے سارے نے آکر اس جگہ پانی پیا اپنے مشکیزے بھرے اور برتنوں میں بھی لیا
خوب آسودہ ہوئے اور کوچ پھر یاں سے کیا ذی حسم میں پہنچے جب، تھا دامنِ کوہ آگیا

اس جگہ ٹھہرے کئی دن خیمے ڈیرے ڈال کر
کہ ہلال ان کو محرم کا یہاں آیا نظر

منزلیں طے کر چکا قمرِ امامت ماہ بہ ماہ
ہو چکا تھا گھر سے نکلے ایک سال اور ایک ماہ
آدمی دو سو ہوئے شامل تھے ان میں راہ بہ راہ
اور اٹھارہ تھے نفوسِ قدسیہ عفت پناہ
کربلا کا دشت روزِ ازل سے متسم تھا
جو کئی اصناف سے حضرت کو بھی معلوم تھا

ایک شیشے میں یہاں کی خاک حضرت جبرئیل
لائے تھے پیشِ حضورِ مرسلِ ربِّ جلیل
پیار کم کیجے نواسوں سے یہ کی پھر قال و قیل
زہر دینگے ایک کو اور ایک پیاسا ہو قتیل
شرف بخشیگا لہو اک کا کبھی اس خاک کو
نینوا کے دشت کو اور کربلائے پاک کو

رنجِ حوّا کی جدائی کا یہاں آدمؑ نے سہا
اس جگہ گرداب میں چکرایا بیڑا نوحؑ کا
کی تھی ابراہیمؑ پر نمرود نے آتش بپا
اس لئے ہی کربلا تھا نام اسکا پڑ گیا
امتحان و ابتلا میں جو رہے ثابت قدم
پھر خدا کی بارگاہ سے ہو گئے اس پہ کرم

دیکھئے وہ سامنے لشکر ہے اک آتا نظر
پیش آہنگ پیش رَو سالار ہے لشکر کا حُرّ
ٹھہرا تھوڑی دور آکر ہے وہ سب لشکر ادھر
اب چلا آتا ہے حُرّ تنہا ہی لشکر چھوڑ کر
اس کو آتا دیکھ کر اس کی طرف حضرت حسینؑ
چل پڑے ہیں اور اب حُرّ سے ملے حضرت حسینؑ

چند باتیں کر کے حضرت سے ہے حُرّ واپس ہوا
حضرت اپنے ساتھیوں سے اور وہ اپنوں سے ملا
کیا نیر دونوں نے باہم مشورہ کیسا کیا!
وہ قرائن سے تو کچھ حضرت کا ہم آہنگ تھا
حکمِ حاکم کے تحت لیکن بڑا مجبور ہے
صورتِ حالات سے دل میں بڑا رنجور ہے

حُرّ کو دکھلائے وہ خط جن سے وہ تھا ناآشنا
اس کو ان حالات کا بالکل پتہ تک ہی نہ تھا
کیونکہ وہ تھا ان دنوں کوفہ سے غیر حاضر رہا
کوفیوں کے اس تغیّر پر وہ اب حیران تھا
اس کو ہمدردی امامِ پاک سے تھی ہو گئی
اس کے دل کی کائنات اس درد میں ہی کھو گئی

حضرتِ عباسؑ نے آذاں کہی وقتِ نماز
ہو گئے سب بارگاہِ حق میں مصروفِ نیاز

کس قدر رقت ہے اور ہے کس قدر سوز و گداز   مل گئے گیا حق سے ہیں یہ حق کے بندے حق نواز
آکے ان میں حرؓ بھی مع لشکر کے شامل ہوگیا
کی نمازِ ظہر سب نے اس طرح مل کر ادا

جب ہوئے فارغ دعا سے بیتِ گردوں نواز   لایا خلوت میں انہیں حرؓ، عرض کی پھر ایک بار
میں مقرر ہو چکا اس کام پہ ہوں ریخبار   اس جگہ پر آپ کو رہنے نہ دوں، عالی تبار
حکم ہے لے جاؤں اس جا جس جگہ سایہ نہ ہو
نہ ترائی ہو نہ سبزہ ہو جہاں دریا نہ ہو

آپ کے حالات سب، جاسوس ہیں بتلا رہے   ہر گھڑی بر پل کی باتیں ہیں سبھی سلجھا رہے
سخت تر احکام حاکم مجھ کو ہیں بھجوا رہے   اس لئے ہم دشت و میداں چھانتے ہیں آرہے
لشکری میرے تھکے ماندے ہیں بکھرا چور ہیں
پانی نہ ملنے سے پیاسے ہیں بڑے مجبور ہیں

سن کے حضرت نے کہا اکبرؓ سے پانی لے چلیں   حضرت عباسؓ سے فرمایا! لاؤ چھاگلیں
یہ کہا قاسمؓ سے مشکیزے سے ان کو پانی دیں   ہے ثواب اس میں بڑا اللہ سے اسکا اجر لیں
انہوں گھوڑوں کو پلایا پھر دیا پانی انہیں
ساقیٔ کوثر نے کثرت سے دیا پانی انہیں

امام پاکؓ کا کربلا میں ورودِ مسعود

دوسرا دن تھا محرم کا کہ پھر گھوڑے کسے   اور خیموں کو اکھاڑا، بوجھ اونٹوں پہ لدے
سبزہ و شاداب میدانوں سے تھے اب چل پڑے   کہ یکایک ایک پتھریلی زمیں پر آ گئے
یاں امام پاکؓ کا کچھ اس طرح گھوڑا اڑکا
کہ چلاتے تھے مگر وہ جم گیا چلتا نہ تھا

حضرت زینبؓ کے کانوں میں یہ اک آئی ندا   غیب کی آواز تھی سن لی انہوں نے سب ندا
جس جگہ مرضی ہو اس کی آدمی جائے چلا   پر فرشتہ موت کا پیچھا نہیں ہے چھوڑتا
موت تو آنی ہے اک دن اور ہر دو رانی ہے یہ
بھاگنے اور دوڑنے کی کیوں پریشانی ہے یہ

یہ کہا بھائی سے زینبؑ نے بہ صد رنج و ملال — بھاری ہے اس جگہ دل پر ہے دہشت کمال
ایسی پتھریلی زمیں سے لیجئے گھوڑے نکال — دور ہے دریا کیا پانی کا بھی کچھ ہے خیال
اس جگہ کے سنگریزے بھی ڈراتے ہیں مجھے
اور ذرے خاک کے آنکھیں دکھاتے ہیں مجھے

اس جگہ کا نام بتلایا کسی نے ماریہ — ایک دن آباد تھا اک شہر واں پر نینوا
بولتے تھے لوگ اب کہہ کر اسے کرب و بلا — نام سنتے ہی امام پاکؑ نے نعرہ کیا
ذا سفک دماء کرب و بلا اللہ اکبر واہ
لایا خیمہ اپنا یہاں پہ کھینچ کر کیا بے خطا

اس جگہ ہونگے شہید ہم ہم کو پانی نہ ملے — بچے بھی تڑپیں پیاس سے تیروں سے چھد جائیں گلے
گھوڑے چڑھا کر لاش پہ پامال پھر دشمن کرے — اور پھر وہ مستورات پہ بھی ظلم بے غایت کرے
لے آئی ہم کو اس جگہ اپنی قضا ہے گھیر کر
ہٹ کے لے آئی یہاں چاروں طرف سے پھیر کر

پوچھا علی اکبرؑ نے کہ ابا جی کیا ہے ماجرا — فرماتے ہیں کیا آپ یہ انجام ہے ایسا برا
فرمایا حضرتؑ نے ان کو کہہ نہ تم برا — صفین کی جب جنگ تھی میں اس طرف تھا جا رہا
دادا تمہارے ساتھ تھے گھوڑے سے اترے تھے یہاں (یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ)
بھائی حسنؑ کے زانوؤں پر رکھکے سر لیٹے یہاں

اپنے قدموں کی طرف تھے مجھ کو بٹھلائے ہوئے — بعد تھوڑی دیر کے جاگے وہ گھبرائے ہوئے
اپنی آنکھوں میں تھے حضرت آنسو بھر لائے ہوئے — پوچھا حسنؑ نے آپ کیا دل پہ ہیں غم کھائے ہوئے
بولے یہ حضرت خون کا دریا ہے اک آیا نظر
اور حسینؑ اس میں ہے بہتا جا رہا میرا پسر

ہے اسی صحرا میں وہ دریائے خونیں موجزن — میں نے دیکھا ہے حسینؑ اس خون میں ہے غوطہ زن
مارتا ہے ہاتھ پاؤں پر نکلنا ہے کٹھن — اس کی فریادوں کو سنتا ہی نہیں کوئی سخن
اتفاقاً پڑ گئی مجھ پر وہاں اس کی نظر
اور مجھ کو بھی نظر آئے جو تھے خوف و خطر

خون کی طوفانی لہروں نے لپیٹا تھا اسے — ہر طرف سے پوری طرح سے سمیٹا تھا اسے

خونیں منظر سے لگی اک چوٹ سی دل پر مرے — آرہی تھیں اس کی فریادیں یہ کانوں تک مرے
مجھ کو ابا جی بچائیں میرا بازو پکڑ کر
کہہ رہا ہوں میں حسین اب صبر کر تو صبر کر

محترم والد علیؓ کا خواب تھے بتلا رہے — اکبر اپنے بیٹے سے باتیں یہ تھے فرما رہے
اور اب تصدیق میں حالات تھے سمجھا رہے — یہ جگہ وہ ہی جگہ ہے آپ تھے جتلا رہے
ہے یہی گرداب خونیں ہے یہی کرب و بلا
اب علیؓ کے خواب کی تصدیق کا وقت آگیا

ہو کے پانی سے بھی ارزاں یاں بہے گا وہ لہو — پاک تر ہر چیز سے دارین میں ہے جو لہو
وہ لہو کہ جو فرشتوں کی امانت ہے لہو — آبروئے امت مرحوم جو ہے وہ لہو
جس کی سرخی ہو قیامت تک شفق پہ آشکار
جس کے غم میں آج تک ہوتی ہیں آنکھیں اشکبار

اے قلم کچھ ہوش کر اور فرط غم سے اب سنبھل — چل حسینؓ بارگاہ میں با ادب تو سر کے بل
کربلا میں آئے ہیں سرکار واں اب تو بھی چل — ہیں ترائی اور سبزہ زار سے آگے نکل
ہے تعاقب میں وہ حر ابن ریاحی دور دور
ہے تو دشمن نیک طبع ہے نہیں اس میں غرور

حر کا جذبۂ ہمدردی

رات کی تنہائی خاموشی و تاریکی ہے اب — چھوڑ کر لشکر کو آیا ہے یہ تنہائی طلب
کہہ رہا ہے یا حضور اس وقت میں آیا ہوں تب — میرے لشکر کے سپاہی سو رہے ہیں رات سب
کیا خبر ہے اب کسی کو آپ کا غم خوار ہوں
گر خبر ہو جائے تو پھر میں ذلیل و خوار ہوں

ہر طرف سے گھیر کر میں آ گیا لے خوش خصال — سبزہ و شاداب میدانوں سے لایا ہوں نکال
اپنی نادانی پہ آتا ہے مجھے اب انفعال — میری گستاخی کہیں لائے نہ مجھ پہ کچھ وبال
گو خلاف حکم ہے کرنی رعایت آپ سے
پر حقیقت ہے کہ ہے مجھ کو عقیدت آپ سے

شب کی تاریکی میں ہی لازم ہے یاں سے جائیے بچنا بہتر ہے نہ زد میں دشمنوں کی آئیے
چپکے چپکے آپ یاں سے کوچ ہی فرمائیے اور سب خطرات کی حد پار ہی کر جائیے
میں نہیں ہرگز مزاحم آپ یاں سے جائیں گر
ہیں وگرنہ درپئے آزار سارے فتنہ گر

حُر کی جرأت سے خوش تو ہو گئے حضرت امام لیک اس سے یہ کہا کہ بھائی مسلم تشنہ کام
اور اس کے دونوں بچے بیگناہ تھے خوش خرام ایسے معصوموں کی جانوں کا ہے لینا انتقام
اس کا کرنا ہے ہمیں کچھ انصرام و اہتمام
پھر کریں گے اور کچھ کر کے یہ پہلے انتظام

تیسرا دن تھا محرم کا کہ خیمے ڈال کر اپنے اہلِ بیت کو اک جا کیا سنبھال کر
اور گرد اصحاب کے خیمے لگے تھے سربسر کر دیا محفوظ سب کو ایک خندق کھود کر
بالمقابل فوج لے کر عمرو بھی تھا آ چکا
ایلچی بھیجا کہ اس نے پوچھا مقصد آپ کا

میرا مقصد کچھ خلافت یا د شاہت سے نہیں! کوفیوں نے مجھ کو بلوایا ہے خود کہہ کر ہمیں
میرے پاس ان کے ہیں خط گر تم کو آ جائے یقیں ورنہ میں تو ہو چکا تھا بالکل اب عزلت گزیں
میرے یاں آنے میں آیا ہے نظر کیا قصور
یہ خطا ہے کہ بلانے پر ہوں آیا بالضرور

اب تلک تو عمرو متجاوز رہا تھا جنگ سے ایلچی بھیجا ابنِ زیاد تک اس ڈھنگ سے
کہ جواب ابنِ علی دیتے ہیں کچھ اس رنگ سے وہ چلے جائیں تو کیا لینا ہے ہم نے جنگ سے
وہ نہیں کوفہ میں آئے بادشاہی کے لئے
کیوں لڑیں ہم ایک سید کی تباہی کے لئے

لیکن ابنِ زیاد تھا وہ سنگدل اور کینہ جو کہ بدی پہ اور بھی تیز ہو گئی تھی اس کی خو
اپنی ہٹ دھرمی میں یہ خنزیر ہی تھا ہو بہو ضد میں آ کر اس نے یہ لکھا کہ عمرو سعد تو
چاہتا ہے خیریت تو اُس سے میری بیعت لے
کب کہا تھا تجھ کو تو کر اس طرح کے فیصلے

بالمقابل اور فوجیں بھیج دیں عبید نے ظلمتِ کفر آ رہی تھی نور کو اب گھیرنے

دستے کچھ تو شیث بن ربعی کے زیرِ تحت تھے کچھ حصین ابن نمیر اور شمر کے ماتحت تھے
شمر ذی الجوشن نے عمرو سعد سے آکر کہا
حکم ہے حاکم کا مجھ کو پانی پر پہرہ لگا
ساتویں شب تھی محرم کی یہاں آئے ہوئے جبکہ دریا پر یزیدی فوج کے پہرے لگے
بہت دشمن آچکے تھے اور بہت تھے آرہے دو سوا دو سَو یہ مشکل اس طرف گنتی میں تھے
پانی اس سے ماقبل خیموں میں جو موجود تھا
آٹھویں صبح تک سارا ہی وہ مفقود تھا
آٹھویں شب تھی جمعرات اور چاندنی تھی رات کی کہ امام پاک نے عمرو سے پھر کچھ بات کی!
شمر کو آزردگی تھی ان کی ملاقات کی! تو خبر دی اس نے ابنِ زیاد کو ہر بات کی
حکم آیا، تم معاً ابنِ علیؓ سے بیعت لو
یا سپہ سالار کردو آج سے تم شمر کو
تھی زمین کو نہیں کچھ عمرو کی اور کچھ جائداد اور ملنی تھی حکومت رے کی اس پر مستزاد
پاسداری حق کی کرتا ہے تو یہ سارے مفاد ہاتھ سے جائیں گے یونہی چھین لے ابنِ زیاد
تھا اگر کچا، تو عمرو اور پکا ہو گیا
دین و ایمان کے عوض دُنیا کا سودا ہو گیا
یوں ہی کھا جاتی ہے لیں حرص و طمع ایمان کو ٹھاٹھ دنیا کی ڈبو دیتا ہے یوں انسان کو
یوں فریبِ نفس پھسلاتا ہے بے ایمان کو دین پر کرتا مقدم ہے وہ مال اور جان کو
نقد دنیا کا منافع آخرت ساری اُدھار
کس طرح سے دیتا عمرو نقد کے بدلے اُدھار
یوں بہا کر لے گیا اس کو یہ دنیا کا سراب کہ امام پاک کو اس نے دیا پھر یہ جواب
کرتا ابنِ زیاد ہے اس طرح جو مجھ پہ عتاب آپ کے بدلے نہ ہونگا اس طرح سے میں خراب
بہتری بھی اور آپ کی اس بات میں ہے عافیت
آپ سے بیعت میں لوں بس ہے اسی میں خیریت
نویں صبح تک رہی جاری یہ بحثِ ناتمام کوفیوں سے کہہ رہے تھے حضرتِ والا مقام
مجھ کو تو تھی کیا غرض شاہی سے میرا کیا تھا کام اس قدر تم نے مگر خط کیوں لکھے تھے میرے نام

لکھتے تھے تو دیا یزیدی رائے شاملِ حال تھی
اس طرف میرے بلانے کی نرالی چال تھی

کیا بلایا تھا مجھے تم نے اسی ارمان پر	کہ کرو دل کھول کر تم سختیاں مہمان پر
کیا یہی حق ہے کسی انسان کا انسان پر	رینگتی جوں بھی نہیں کیوں اب تمہارے کان پر
کیا فلاں ابنِ فلاں کے دیکھ لو یہ خط نہیں
یا فلاں ابنِ فلاں کے دیکھ لو دستخط نہیں

کیا فلاں بندوں پہ تھے نہ مشتمل اکثر وفود	دشمنوں میں آج آتے ہیں نظر جن کے وجود
مجھ کو بُلا کر یہاں لائے جو پڑھ پڑھ کر درود	ان پہ سکتہ کیوں ہے طاری کیوں ہوا ان کو جمود
تب زباں چلتی تھی گو دل سے تھے یہ گونگے ہوئے
آج چپ ہیں کیا زبانوں سے بھی یہ گونگے ہوئے

لیک یہ فطرت کے گندے تھے بڑے مکار تھے	لومڑی کی طرح بزدل بھی تھے اور عیار تھے
اعتبار ان کا نہ تھا یہ ازل کے غدار تھے	زندگی میں ان سے خوش کب حیدرِ کرار تھے
کوئی رے کی چاہ میں تھا، کوئی منصب پر فدا
آتشِ دوزخ کے کندے تھے یہ سارے بے وفا

بولا عمرِ سعد یہ سب بحث لا محدود ہے	آپ کی تقریر گو سب شاہد و مشہود ہے
پہ حکومت رے کی بھی اک وعدۂ موعود ہے	آخرت تو دور ہے اور یہ ابھی موجود ہے
آپ سے کرنے رعایت کے یہی معنی ہوئے
میری عزت اور سب گھربار لایعنی ہوئے

آپ کی ان تمام باتوں میں نہیں ہے مصلحت	مصلحت ہے تو یزیدی بیعت میں ہے مصلحت
گر سمجھ میں آپ کے آتی نہیں ہے مصلحت	جنگ کرنا آپ سے اسوقت کی ہے مصلحت
آخری یہ بات ہے کہتا ہوں میں ایمان سے
ہاتھ میں یا ہاتھ دیں یا ہاتھ دھوئیں جان سے

وہ امامِ وقت، وہ ابنِ علیؑ سردارِ دین	ہو گیا خاموش سنتے ہی یہ تقریرِ لعین!
پھر متانت سے کہا، یہ بادلِ اندوہ گیں	فاسق و فاجر کی بیعت میں کروں، ممکن نہیں
شام ہے اب ہو چکی مہلت ہمیں اک شب کی دو

کل صبح تک ملتوی کر دو اگر اس جنگ کو

رات کو ذکر و عبادت کر کے مانگیں گے دعا یا خدا وند ہے تجھ سے اک ہماری التجا
اپنی اور بچوں کی جانیں ہوں تری رہ پہ فدا ہو نہ ان قربانیوں میں ہم سے کچھ چون و چرا

حضرت اسمٰعیلؑ کا فدیہ نہیں بیٹا جانیں اگر
تو فدا کر دیں گے ان جانوں کو بےخوف و خطر

رات عاشورہ کی ہے ذکر و عبادت کی ہے رات عاشقانِ دینِ حق کے واسطے ہے شب برات
ہے ہزاروں سال سے بہتر فقط یہ ایک رات شمعِ سوزاں کی طرح گو زندگی ہے ایک رات

ہم کریں گے معرفت کی منزلیں اس شب میں طے
تم کو دنیا ہو مبارک اور مبارک تم کو نے

رائے یہ معقول تھی کہ شام تھی اب ہو چکی اور عمر و سعد کے دل کو بھی کچھ اچھی لگی
شمر کے دل پر مگر رائے یہ گذری شاق تھی لیکن اس بزدل کے دل کو اس لئے سہا گئی

رات بھر روئیں گے جاگیں گے یہ پیاسے بھی رہیں
مضمحل ہو کر نہ لڑنے کی بڑی ہمت کریں

ہر فریق اب اپنے خیموں کو تھا واپس ہو چکا دشمنوں کی اس شقاوت پر فلک تھا رو چکا
دین سے محروم بندوں کا مقدر سو چکا نورِ ایماں کو ہر اک دشمن تھا اپنے کھو چکا

رات بھر باجے بجے ہوتا رہا رقص و سرود
حرکتیں کرتے تھے دل آزار کو رب جسود

سر بسجدہ بارگاہِ حق میں تھے حضرت امامؑ ذاتِ قدسی سے گویا ہو رہے تھے ہمکلام
حاضرِ دربار ہے اے ذاتِ باری یہ غلام بے رضا تیری نہیں اب تک ہوا ہے کوئی کام

ان مصائب میں الٰہی میرے دل کو صبر دے
ساتھ میرے جو ہیں شامل ان کو اسکا اجر دے

تھا یہی دن جب کہ عرشِ پاک تھا قائم ہوا اور قلم سے تو نے تقدیریں لکھائیں اے خدا
کن کہا اور نیکیوں کی کیفیت تھی رُونما تو نے بخشی تھی اسی دن چاند سورج کو ضیا

خشک سالی سے ہوئی حالت جو دنیا کی تزار
ہو گئی رحمت سے اس دن پہلی بارانِ بہار

سب سے پہلا ہے یہی دنیا کی آرائش کا دن
ہے یہی دن حضرتِ آدمؑ کی پیدائش کا دن
اور یہی دن لغزشوں پر ان کی فہمائش کا دن
اور یہی حضرت خلیل اللہ کی پیدائش کا دن
نوحؑ کی کشتی اسی دن ہو گئی طوفاں سے پار
اور سلیماں کو ملے کھوئے ہوئے ملک و دیار

تھا اسی دن حوت سے یونسؑ کو چھٹکارا ملا
اور نبی ایوبؑ سے تھی ٹل گئی ساری بلا
اور لیا عیسیٰؑ کو زندہ آسمانوں پر اٹھا
حضرتِ داؤدؑ پہ توبہ کا دروازہ کھلا
تھا جب اسرائیلیوں پر تنگ عرصۂ حیات
پنجۂ فرعون سے اس دن ملی ان کو نجات

گریۂ پیہم سے تھی یعقوبؑ سے کھوئی نظر
جب نہاں تھا ہو چکا نظروں سے یوسفؑ سا پسر
روزِ عاشورہ ملے خوش ہو کے وہ باہم دگر
آتشِ سوزاں ہوئی گلزار ابراہیمؑ پہ
روزِ عاشورہ جمعہ کے دن قیامت ہو بپا
عین اسی دن یہ قیامت ہونے والی تھی بپا

تھی نظر میں آ رہی اک اک مصیبت سامنے
ننھے بچوں کی یتیمی اور غربت سامنے
اور مستورات کی غیرت حمیت سامنے
دشمنوں کی سب کدورت اور عداوت سامنے
حق پرستوں سے رہی باطل پرستوں کی خلش
حق و باطل کی رہی دنیا میں دائم کشمکش

کربلا کے دشت تک ساتھی جو تھے سب ہمرکاب
اولِ شب ان کو سمجھاتے رہے حضرت مآب
وہ مصائب ہوں گے یاں ہو جائے زہرہ آب آب
قہرِ ظلم و ستم ڈھائیں گے شقی سب بے حساب
اک اکیلے مجھ سے ہی ان کی عداوت ہے سبھی
اپنے اپنے گھر کو جائیں آپ سب حضرات ہی

جب امام پاکؑ نے دیدی اجازت عام کو
اپنے شوریدہ سروں کو اور طبائع خام کو
حسبِ ایماں ہر کسی نے جانچ کر انجام کو
آنے والے دکھ کو دیکھا اور سب آلام کو
خامشی سے چل پڑا اور آن پہنچا گھر کوئی
اور وفورِ عشق میں واں سے ہلا نہ پر کوئی

اپنے اہلِ بیت سے ہر اک سے حضرت نے کہا
ہوگا اس میدان میں ہنگامۂ محشر بپا

سہنے ہوں گے بے حد بے انتہا کرب و بلا کرنا ہوگا انتہائی ذلتوں کا سامنا
آپ جائیں تو مرے افکار کم ہو جائیں گے
آپکے سہنے سے زیادہ اور غم ہو جائیں گے
اُنکے خیمہ میں یہ بی بی شہر بانو سے کہا عصمتیں قربان تجھ پہ پیکر مہر و وفا
بعد میرے ہو مرے ناموس کا حافظ خدا ہے ہماری عزتوں کا دشمنوں کو پاس کیا
کرکے منت کہتا ہوں ہمشیرۂ زینب سے بھی
چنگلِ دشمن سے بچ کر آپ بس جائیں چلی
مجھ کو موجودہ حکومت کا یہ باغی ہیں ٹھان کے ہیں حقیقت میں یہ دشمن صرف میری جان کے
حق جو ہوتے ہیں کسی انسان پہ انسان کے آپ سب سے کہہ رہا ہوں میں انہیں پہچان کے
آنے دو مجھ پہ مصیبت اور مجھی پہ ابتلا
میری وجہ سے نہ ہو جاؤ تم اس میں مبتلا
نصف شب تک تو امام وقت سمجھاتے رہے اور ضروری جو وصایا نفیس وہ فرماتے رہے
داد کی باتوں سے سبکے دل بہ مانے رہے ہر طرح سے ان کو جانے پر ہی اکساتے رہے
پختہ طبعوں پر ہوا اس کا مگر یہ ہی اثر
ساتھ رہنے رنج سہنے پر ہوئے وہ پختہ تر
عرض کی سب نے کہ اے محبوبِ ربِّ کبریا آپ کے نانا کو حق سے شانِ کوثر ہے عطا
جن کو اپنے رب سے حکم صَلِّ وَانْحَرْ ہے ہوا خود خدا نے آپ کے دشمن کو ابتر ہے کہا
پھر تصدق آپ پہ کیونکر نہ جان ایمان ہوں
اور خدا کی راہ میں ہم بھی نہ کیوں قربان ہوں
چھوڑ کر آقا کو جائیں ہم ہماری کیا مجال کندۂ دوزخ ہے جسکے دل میں آئے یہ خیال
یہ نبی سے اور خدا سے ہو گی غداری کمال ہم کو حضرت جیتے دم تک آپکی فرقت محال
مرشدِ برحق سے بڑھ کر ساتھ ہے وہ کون سا
ہے نجات اس سے ہی اور باعث یہی فلاح کا
مشعلِ راہِ ہُدیٰ ہے مرشدِ کامل کا ساتھ ظلمتِ شب میں ہو جیسے اک مہِ کامل کا ساتھ
صدقِ ایمان اور اس پہ جذبۂ کامل کا ساتھ دعوائے حُبِّ نبیؐ کے ساتھ ہو حبِ ولی کا ساتھ

کیا حقیقت ہے پھر اس دنیائے فانی کی یہاں
کیوں نہ ہوں قربان راہِ حق میں مال و اولاد و جاں

پیر کا حق مرید پر

اس ستیزہ گاہ میں ان کو بھلا تھا خوف کیا
رشتۂ مضبوط سے پیوند تھا ان کا بندھا
جس نے سب اطراف سے دل کو تھا مستغنی کیا
تھی حسین ابن علیؓ کے فیض کی کیا انتہا
اسم اعظم کی سی اس کے اسم میں تاثیر تھی
بوئے عشاق اک تریاق تھا اکسیر تھی

خواجۂ کامل کا تھا یہ اک کمالِ خواجگی
اس کے محتاجوں کو دنیا کی نہ تھی محتاجگی
بخش دی اس نے مقاصد کو تھی وہ استادگی
کہ ہراساں کر نہ سکتی تھی کوئی افتادگی
اس کی نظر کرم سے تازہ جہاں کی تھی نمود
سطح بیں آنکھوں کو کر دی تھی عطا نظر شہود

بخش کر مردہ دلوں کو برق کا سا اضطراب
خاک کے ذروں کو دیدی مہر و ماہ کی آب و تاب
کر دیئے دور اس طرح نظروں سے انکی سب حجاب
ایک ہی پرتو میں تھے معکوس جلوے بیحساب
ہستیٔ موہوم کا باقی نہ تھا نقش وجود
کر دیا باطل توجہ سے طلسم ہست و بود

پیر ناقص ہے ڈبو دیتا سفینۂ حیات
پیر کامل کی توجہ سے ہی ملتی ہے نجات
پیر کامل بخشتا ہے زندگی محکم صفات
اس حیات جاوداں کو پھر نہیں آتی ممات
توڑ دیتا ہے توجہ سے طلسم رنگ و بو
دور کر دیتا ہے یہ باطل فسونِ ما و تو

کس طرح ہوں بہرہ ور وہ علم ہائے کشف سے
احمقانہ حیل و حجت کی پڑھیں جو الٹ پے
کوٹلوں کی دُود سے لاؤ حسن نہ ہونگے قمقمے
علم کو کچھ عشق کا ضامن لگانا چاہیئے
سب عمل بیکار ہے بیشک نہ عشق پیر ہو
مس سے کندن کیسے بے آمیزش اکسیر ہو

رہبران ناقصاں تمثیل میں مثلِ یزید
غرق رہتے ہیں سدا شہوات میں ہی ناسعید

نعرہ زن لذاتِ دنیا کے لئے ھَلْ مِن مَزِیْد پیشوایانِ رہ گم کردہ سے کیا نیک امید؟
رہ جہنم کی دکھا دیتے ہیں فاسق راہبر
بیعت ان کی چاہیئے جو خود ہوں ہیدیٰ راہ پر

جس طرح پیوند سے تبدیل ہو جاتی ہے نسل کیا بدل جاتی ہے اس سے صورت و معنیٰ میں اصل
مرشدِ کامل کا جب طالب سے ہو جاتا ہے وصل دور ہو جاتی ہے اس سے سب کثافت اور کسل
اک جھلک میں ہی بدل جاتی ہے اسکی ماہیّت
طالبِ صادق کو حاصل ہوتی ہے للّٰہیت

ہیں اسی للّٰہیّت میں ہی حقیقت کے مزے صحبتِ مرشد میں ملتے ہیں طریقت کے مزے
ہیں اسی میں معرفت کے اور شریعت کے مزے بے مزہ ہو جاتے ہیں اپنی طبیعت کے مزے
مرشدِ کامل سے حاصل ہوتی ہے ایسی بقا
بے حقیقت ہو کے رہ جاتا ہے یہ دارِ فنا

آئی پژمردہ دلوں کے خشک گلشن میں بہار جب توجہ دے رہے تھے حضرتِ عالی وقار
تو تصرف سے حضورِ پاک کے پروانہ وار ہو گئے شوقِ شہادت میں سبھی تھے مستوار
تھے انہی اشغال میں مصروف پو پھٹنے لگی
آسمانوں سے سیاہی رات کی چھٹنے لگی

کر رہے تھے تیز سب ہتھیار اور تیغ و تبر نیزوں بھالوں کی نکالیں نوکیں سب نے خوب تر
حضرت زینبؓ نے سب کچھ دیکھ کر باچشم تر یہ کہا سمجھی ہوں میں کیا آنے والا ہے قہر
کیا ستم توڑیں گے بے دلیوں پہ اب مل کر عدو
کیا بہے گا اے حسینؑ اس خاک پر تیرا لہو

بعد ماں کے باپ کا سایہ بھی سر پہ نہ رہا!! صدمہ بھائی حسنؑ کا دل پہ ہے چرکا دے گیا
دیکھتی ہوں اب یہ آنکھوں سے مرے اللہ کیا نہ رہے گا کوئی کیا دنیا میں اپنا آسرا
دل تھا ڈوبا جا رہا اس فکر سے غش کھا گئیں!
روتے روتے انکی آنکھیں بھی غشی اب پتھرا گئیں

دم بخود بیٹھی تھیں بی بی شہربانو بھی نزار اور کبریٰ فاطمہ بھی رو رہی تھیں زار زار
ہو رہے تھے سارے متنفس ہی بے حد اشکبار آگئے اس حال میں ہی وہ سبھوں کے غمگسار

دیکھ کر ان کو پریشاں خود پریشاں ہو گئے
دیکھ کر حیران ان کو اور حیراں ہو گئے

وقت کے مرشد تھے حضرت اور سب کے پیشوا پیکرِ صبر و تحمل اور راضی برضاء
عارفِ باللہ پورے سرگروہ اصفیا تھے نواسۂ نبی فرزندِ سرخیلِ اولیا

پُر مغز تقریر کر کے صبر کی تلقین کی،
ہر شکستہ دل کو حضرت نے بڑی تسکین دی

اسطرح سمجھا رہے تھے سب کو وہ دالئے راز ہے ہمارے خاندان کا صبر مابہ الامتیاز
وقت ہے یادِ الٰہی کا پڑھو جا کر نماز ہے قرآنِ پاک میں تاکید صبر حکم نماز

نور ہے قرآن، آنکھوں میں بسانا چاہیئے
ہر عمل اس کے مطابق ہی بنانا چاہیئے

علی اکبر کی اذاں سے گونج اٹھی سب فضا خیمۂ دشمن سے آئی قہقہہ کی اک صدا
مقتدی باقی ہوئے اور آپ ان کے مقتدا کی نماز فجر سب نے واں تیمم سے ادا

صبح غم شامِ غریباں سے بدلتی جائے گی
روشنی سورج کی جب میداں میں ڈھلتی جائیگی

یہ دکھاوے کی نہ تھی، نہ تھی ضرورت کی نماز کوفیوں جیسی نہ تھی بغض و کدورت کی نماز!
تھی صداقت کی شجاعت کی محبت کی نماز پڑھ کے سارے غازیوں نے شوق و الفت کی نماز

یہ کہا سرکار کیا ہے جنگ میں اب دیر یاں
ہو گئے ہم پر مقاماتِ شہادت ہیں عیاں

دیکھ لی ہم نے شہیدوں کی حیاتِ پائدار اور بہشتِ عنبریں کی دیکھ لی ہم نے بہار
زندگی دنیا کی ہے نا محکم و ناپائیدار اس حیاتِ جاوداں کے آگے اس کا کیا وقار

بیقراری حد سے گزری اب اجازت دیجئے
جا کے سرکارِ دو عالم کی زیارت کیجئے

یہ کہا سرکار نے جاؤ پہن آؤ زرہ خوب تیاری کرو اللہ کی تم پر ہو نگاہ
آج دشمن سے لڑیں گے خوب کر کے حوصلہ گو تباہ ہونے کو آئے ہیں کریں گے بھی تباہ

میں بھی جاتا ہوں، بدل آؤں ذرا پوشاک کو

الوداع کہہ آؤں اپنے اہلِ بیتِ پاک کو

آ گئے ہو کر مسلح یہ سبھی یارانِ غار دیکھ پائے تھے یہ خود آنکھوں سے جنت کی بہار
پہنے حضرت نے عبا عمامہ تھا می ذوالفقار ہو گئیں زینب بہت ہی بیقرار و اشکبار

عالمِ اسبابِ فانی کی جو کچھ تحقیر کی
کچھ تسلی کر ہی دی ہمشیرۂ دلگیر کی

حضرت عباسؓ نے تھاما پھریرا جنگ کا میسرہ آراستہ پسرانِ مسلم سے ہوا
میمنہ پہ تھے حبیبؓ ابنِ مظاہر باخدا آگے آگے جلوہ گر نورِ نبیؐ کا نور تھا

یہ کہا حوروں نے اے سردارِ جنت مرحبا
دی فرشتوں نے ندا صَلِّ علیٰ صَلِّ علیٰ

فوج دشمن کی تھی کل تعداد میں بائیس ہزار اسطرف تھا بچے بوڑھے گن کے تونے کا شمار
تین دن کے تھے پیاسے بھوک سے تھا حال زار اور بھی اس پر غضب وہ ڈھا رہے تھے نابکار

طعنے دے دے کر فسردہ کر رہے تھے رُوح کو
تھے کچوکے دے رہے انکے دلِ مجروح کو

مختصر سی پاک لوگوں کی تھی یہ فوجِ جمیل اللہ والوں کی ہمیشہ فوج ہوتی ہے قلیل
منجذب ہوتی ہے اس میں قوتِ ربِّ جلیل سُن رہے تھے غیب سے گویا وہ یہ بانگِ رحیل

پستیٔ فطرت سے ہوتے ہیں سدا اعمال پست
اہلِ دانش ایسی ہی پستی کو کہتے ہیں شکست

پستیٔ فطرت نظر آئی یہی شیطان میں اور پھر قابیل سے انسانِ نافرمان میں
بعد اس کے دنیا کے ہر ایک بے ایمان میں اور دیکھی کوفیوں میں آج اس میدان میں

کیا قلیل حق پہ غالب ہوگا یہ باطل کثیر
کیا ضمیرِ پاک کو روندیگی اک ناقص ضمیر

ہو گئی تھوڑے سے بندوں کو اگر حاصل شکست کیا حقیقت میں کہیں گے اس کو اہلِ دل شکست
دے سکا ہے آجتک حق کو کبھی باطل شکست جی چرا کر بھاگ جانا دینا ہے کامل شکست

فوجِ باطل سے دب کر بھاگنے والے نہ تھے
دیکھئے میدان میں آکر یہ کیسے ڈٹ گئے

کس طرح آتے ہیں دستہ بند سب باکرّ و فر　　دائیں بائیں آگے پیچھے کچھ ادھر اور کچھ ادھر
آگے آگے سب کے ہیں شاہِ شہیداں جلوہ گر　　اور سب قائم ہوئے جس جس جگہ تھا مستقر
اب حضورِ پاکؐ نے گھوڑا بڑھایا سامنے
اور سب فوجِ عدو کو یہ سُنایا سامنے

تم نے مجھ کو خود بلایا آپ اے قومِ دغا　　کر کے وعدے تم وفا کے ہوگئے سب بے وفا
اک ستم اس پہ عجوبہ اور بھی یہ کر دیا　　تیسرے دن سے ہے پانی بند ہم پر کر دیا
کیا یہاں میں خود ہی آیا ہوں بتاؤ تو سہی
کچھ تو بولو! مہر کیوں منہ پہ تمہارے لگ گئی

تم مسلماں ہو! بتاؤ یہ مسلمانی ہے کیا؟　　حکمرانو! اس میں شانِ حکمرانی ہے یہ کیا
میزبانو! آج میری میہمانی ہے یہ کیا　　بیعتِ فاسق کی اس پہ اور نادانی ہے کیا
کرنے آیا ہوں میں تم پر آخری حجت تمام
بعد اس کے جنگ ہوگا اور یہ صحبت تمام

رات دن ہر کام میں ہے پیش آتی پُلصراط　　دوزخ و جنت کا رستہ ہے دکھاتی پُلصراط
مومنوں کو اپنے رب سے ہے ملاتی پُلصراط　　بے ایمانوں کو ہے دوزخ میں گراتی پُلصراط
ہے مبارک جو پرکھتا ہے سدا ہر کام کو
فوقیت دیتا ہے جو آغاز پر انجام کو

عاقبت پہ دھیان رکھنا جس کا دائم کام ہے　　اس کا دنیا میں بھلا ہے وہ ہی خوش انجام ہے
عزت و ناموس اسی میں ہے اسی میں نام ہے　　شر سے بچنا خیر کرنا یہ ہی بس اسلام ہے
امتیازِ خیر و شر کرنا ہی اصلِ ایمان ہے
اس سے نا محرم جو ہے ناداں ہے بے ایمان ہے

کرتا ہے رُو حانیت کی نفسِ امارہ نفی!　　اس نفی سے دل کی کیفیت ہے ہوتی مُردنی
حق میں ان مردہ دلوں کے ہے یہ فرمانِ نبیؐ　　چلتے پھرتے مُردے ہیں دنیا کے اکثر آدمی
جیتی پھرتی میتیں اس طرح کے انسان ہیں
بے حس و بے روح بے درد اور بے ایمان ہیں

ایسے بے ایمان لوگوں کی ہے فطرت نا سعید　　راہبر ان کا ہے بنتا آپ شیطانِ مُرید

شکل و صورت میں ہوں گو انسان ہی شمر و یزید سافلین اسفل مگر ہوتے ہیں فطرت کے پلید
دور ہیں انسانیت سے بد ترین حیوان ہیں
رہتے یہ اپنی بہیمیت میں سرگردان ہیں

ہوتی آئی حق و باطل میں ہزاروں بار جنگ فیصلۂ آخری کر ہوتی ہے درکار جنگ
لیکن ایسا کم ہوا قبل اس سے تھا اظہار جنگ اور کم دیکھے جہاں میں ایسے ہیں کردار جنگ
دوست بن کر جس کو لائیں اسکے ہی دشمن بنیں
دشمنوں کے ساتھ مل جائیں پھر اس سے خود لڑیں

ہو رہے تھے ایسی باتوں پر ہی متعجب حسینؑ ان کی متلون مزاجی پر تھے متذبذب حسینؑ
کیا نہ کہتے تھے کہ یاں آئینگے کب یارب حسینؑ جسطرح تھے جب حسینؑ کیا وہ ہی نہ تھے اب حسینؑ
ایسی ہی باتیں جتانے کے لئے حضرت مآبؑ
سامنے تشریف لے آئے جنابِ مستطابؑ

یہ کہا حضرتؑ نے لوگو مجھ کو پہچانو ذرا پہن رکھی ہے بدن پر میں نے یہ کس کی عبا
کس کا عمامہ ہے سر پہ آج جو میں نے رکھا مجھ کو، ان چیزوں کو تم میں ہے کوئی پہچانتا
پاس میرے کسکی ہے یہ ذوالفقارِ آبدار
تم جو بیچ پر یا ہوں میں بلا دو کرکے آشکار

کیا کبھی ناحق یہ میں نے ہے کسی کی جان لی یا کبھی ناحق کسی پر دست اندازی ہے کی
فعل ناجائز پہ کی یا نفس کی ہے پیروی یا کسی ذی روح کو مجھ سے اذیت ہے ہوئی
ہوں نواسۂ نبی رحمتہ اللعالمین
اے مسلمانو! مجھے پہچانتے اب بھی نہیں

حرُ علیہ الرحمتہ کا اپنی فوج سے نکل کر آنا

صاعقہ بن کر گئی آواز جب یہ کان سے ہو گئے مردار کافر مر گئے ایمان سے
تھے یہ بیگانہ مصحف دشمن قرآن سے غرق تھے شہوات میں اور بد ترین حیوان تھے
پر حرارت کر گئی حرُ پاک کے دل پر اثر
وہ سعیدِ ازلی آیا آج بیدمی راہ پر

اس کا خیمہ تھا امامِ پاک کے خیمے کے پاس　　سن رہا تھا رات سے بچوں کو کہتے پیاس پیاس
پیاس سے خورد و کلاں سب ہو رہے تھے بے ہراس　　تھا طبیعت کا شریف حُر، فطرتاً تھا حق شناس

سن کے یہ تقریر اب بے باک تھا وہ ہو گیا
کفر کی آلودگی سے پاک تھا وہ ہو گیا

وہ صفوں کو چیر کر مانندِ تیر آیا یہاں　　اور عمر و سعد سے بولا کڑک کر وہ جواں!
آج دیکھا خواب میں شاہنشہِ شاہنشہاں　　حجلۂ فردوس مجھ کو دے رہے ہیں بیگماں

وہ اگر تھا خواب یہ اس خواب کی تعبیر ہے
یہ تو اب ہونی ہے حضرت شبیر ہے

لے ! تری فوجوں سے میں اب یہ چلا اب یہ چلا　　اور مصعب بھائی کو بھی ساتھ اپنے لے چلا
بلکہ اپنے بیٹے کو بھی لے چلا میں لے چلا　　اور غلامِ عروہ بھی اب ساتھ میرے یہ چلا

پیش قدمی میں پناہ عباس نے ان سب کو دی
ساری جمعیت حسینی بارگاہ میں آ گئی

پاؤں پہ بے اختیارانہ گرا وہ شاہ کے　　آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے اس حُر ذی جاہ کے
دھوئیں اٹھتے تھے فسردہ دل سے ٹھنڈی آہ کے　　عالی حضرت سب قصور اب بخشئے گمراہ کے

تپش ہے اور عطش ہے فوج عدو ہے وشنہ ہے
موجب ان سارے مصائب کا یہ حُر بدبخت ہے

میرے ان سارے گناہوں کا کفارہ ہے یہی　　اور میرے ساحلِ غم کا کنارہ ہے یہی
مجھ شکستہ دل کا حضرت اب سہارا ہے یہی　　اور میرے دل پہ حقیقت آشکارہ ہے یہی

اولیں دشمن کو دیجے اولیں اذنِ جہاد
تا کیا جاؤں محبانِ صفِ اول میں یاد

ہے شباہت تیری نورانی نظر ہے پاک بیں　　تیرا جھولا خود جھلایا کرتے جبریلِ امیں
ناز ہے تیری غلامی پر فرشتوں کے تئیں　　مطمئن ہوتا ہے تیری دید سے قلبِ حزیں

ہو نظر اب واسطہ رحمۃ للعالمین
دے اجازت جینے کی اب آرزو باقی نہیں

یا کریم ابن الکریم اب کر نظر دلداری مری　　بخش گستاخی و بے باکی و غداری مری

خستہ حالی دیکھ میری اور یہ زاری مری اذن مل جائے عیاں ہو اب وفاداری مری

ناکس و ناچیز ہوں میں تو شہنشاہِ زماں

بخش دے عفو و کرم سے اب مری گستاخیاں

اب خزاں دیدہ گلستاں میں مرے آئے بہار جگمگا اٹھیں ضیائے نور سے لیل و نہار

آرزو بن کر دعا لب پہ ہے آتی بار بار روزِ محشر تیرے دیوانوں میں ہو میرا شمار

جب کہ ہو بیدار خلقت صورِ اسرافیل سے

میری رسوائی نہ ہو اس دن کی قال و قیل سے

دیکھ کر یہ بے کلی بے کل ہوئے عالی تبار اس کو سینے سے لگا کر ہو گئے بے اختیار

تیر بھی گرنے لگے فوجِ عدو سے بے شمار اور عمرِ سعد بھی اب کہہ رہا تھا بار بار

حُر کی طرح سے اگر چلتے رہے کچھ اور بھی

ہل چلی سے فوج میں مچ جائیگی سب کھلبلی

وقت کی دیکھی نزاکت دی اجازت شاہ نے الوداع اس سے کہی خوش ہو کے حق آگاہ نے

ساتھ لے کر اپنے ساتھی بندۂ اللہ نے پے بہ پے حملے کئے اس جاں سے بے پروا نے

کوہ بن کر گر پڑا وہ ہر دلاور کا ہ پر

اور گھائل کر دیئے تھے بیشتر ان کے نفر

ڈھونڈھتا پھرتا رہا وہ شیر اس روباہ کو یعنی عمرِ سعد کو، سالار کو، روسیاہ کو

خیال تھا کہ قتل کر دے پہلے اس گمراہ کو اور کر دے منتشر اس ساری جولاں گاہ کو

دل پہ برچھی بڑھ کے ماری ایک ابنِ سعد نے

زخمِ جاں کاہ دیا مقبول کو مردود نے

زخم کھا کر گر پڑا گھوڑے سے جب وہ نونہار یا حسین ابن علیؓ کہہ کر پکارا زار زار

ہیں شہادت پا چکے تینوں ہی میرے جاں نثار آپ کی ہے منتظر اب یہ مری جانِ نزار

دیکھ لوں روئے مبارک مشکلیں آساں بنیں

آئیے آقا! غلاموں پر یہ اب احسان ہوں

جلد سے ہی حضرتِ عباسؑ کو لے کر حسینؑ اس شبیہ ناز کی آواز پہ پہنچے حسینؑ

باوفا کی اس وفا پہ ناز تھے کرتے حسینؑ کرتے تھے حق میں دعا اور اس پہ روتے تھے حسینؑ

آنکھ کھولی اور دیکھا حرؓ نے پھر سوئے حسینؑ
سر کو قدموں پہ رکھا پیش نظر روئے حسینؑ

آخری جھونکا دیا پھر اس کو آہِ سرد نے
ایک انگڑائی بھی لی اس مرتے مرتے مرد نے
موت کے آنسو نکالے اس کی چشم زرد نے
لو حیاتِ جاوداں پا لی یگانہ فرد نے

ناقصوں میں جب تلک تھا ناقص الایمان تھا
کاملوں میں آ کے وہ اِک مردِ کامل ہو گیا

غازیانِ زندہ دل ہیں جان دیتے اسطرح
کفر کے بدلہ میں ہیں ایمان لیتے اس طرح
ہیں کثافت سے لطافت چھان لیتے اسطرح
حق کی رہ میں حق کا ہیں احسان لیتے اسطرح

نیک و بد اعمال کا میزان ہو جب پلصراط
حبِ اہلِ بیت سے آسان ہو یہ پلصراط

چاروں کے لاشے اٹھا کر لائے خیمہ میں حضور
دشمنوں کی عقل میں اب آ چکا تھا کچھ فتور
وہ سمجھتے تھے اگر جنگ کا رہا یہ ہی شعور
کثرتِ افواج کا سب ٹوٹ جائیگا غرور

اِک سے گر اک ایک کا ہوتا رہے گا سامنا
بہت مشکل ہو رہے گا ہم کو ان کا تھامنا

لے کے اک فوج کثیر انھوں نے حملہ کر دیا
اس طرح اکثر مسلمانوں کو زخمی کر دیا
بولے حضرت وقت ہے یہ اب نمازِ ظہر کا
سن کے یہ الفاظ عمرو سعد تو خاموش تھا

فوجِ اعدا میں شقی تھا اِک حصین ابنِ نمیر
لغضِ اہلِ بیت سے تھی مر چکی اس کی ضمیر

یہ کہا مردود نے ہوگی نہیں تیری نماز!
مستجاب حق نہیں ہے ایک باغی کی نماز
بیعت و طاعت عبادت کا ہے اک سربستہ راز
منکرِ بیعت کو کیوں لاحق ہوئی فکرِ نماز

جابر دوزخ نے یہ منہ سے اپنے اگلی زہر تھی
اس سگِ اخبث کی یہ کہو اس کیا تھی قہر تھی

تھے حبیبؓ ابنِ مظاہر ایک بوڑھے جانثار
شہ کی خاکِ پا کو آنکھوں میں لگاتے سردار
سُن کے یہ گفتارِ ناہنجار ہو کر بیقرار
ماری اک تلوار اور نیزہ کیا سینہ سے پار

ناری وہ اک ضرب سے فی النار ہو کر رہ گیا

لاشہ اس کا اس جگہ پر خون ہو کر بہ گیا

بوڑھے غازی نے لیا جو تھام پھر صمصام کو — پوری شدت سے کیا پھر اس نے اپنے کام کو
ایک سو اور ساٹھ ان کفارِ بے ہنگام کو — سندِ دوزخ دے کے بھیجا سب کو نافرجام کو

ایک حملہ اور پھر اس زور سے اس نے کیا
چار سو کفار کو واصل جہنم سے کیا

بوڑھا تھا پیاسہ تھا اور زخموں سے وہ اب چور تھا — ایک کم سن بیٹے کا غم جو وطن میں دور تھا
گو یہ سب کچھ تھا مگر دل اس لئے مسرور تھا — سامنے حضرت کا دیتا چہرۂ پُر نور تھا

تیر اک آ کر لگا سینے میں مردِ دین کے
یا حسینؑ آؤ یہ کہہ کر گر پڑا وہ زین سے

اکبرؓ و عباسؓ کو لے کر امام متقی سا — پہنچے اس جا پر جہاں لاشہ پڑا تھا تڑپتا
مردِ غازی کے مطہر جسم کو لانے اٹھا — کی نماز خوف ہی مشکل سے انہوں نے ادا

دور سے اعدا بہت ہی تیر تھے برسا رہے
پاس آنے کی نہ ہمت تھی نہ تھے وہ آ رہے

ڈر یزیدوں کا نہیں رکھتے فدایانِ حسینؑ — کربلاؤں سے نہیں ڈرتے غلامانِ حسینؑ
ہیں شہنشاہوں سے بالا نہی سامانِ حسینؑ — تاجداروں سے ہیں برتر خاکسارانِ حسینؑ

تھے امامِ پاک پر یہ جان اور دل سے نثار
تھے یہ میداں کے دھنی سب کامران و کامگار

حضرت عبداللہ وہبؓ کلبی کی شہادت

وہب کلبی نام سے عبداللہ اک معروف تھے — راہ میں سسرال سے آتے ہوئے تھے آ ملے!
بارہ تیرہ دن ہی گزرے تھے ابھی شادی ہوئے — اک جواں بیوی و ماں بس دو نوانکے ساتھ تھے

کربلا کی داستاں ماں نے سُنی جب راہ پر
گھر کی راہ کو چھوڑ کے آئی تھی اس راہ پر

شمر نے بہکایا اس کو وہب تو کچھ خیال کر — اور تو اپنی جوانی کو نہ یوں پامال کر
جان کو کیوں کھو رہا ہے بیکس و بے حال پر — ذبح ہونے کو بڑا ماں نے کیا تھا پال کر

اس طرف آ جاؤ تو ہر طرح کا آرام ہے
ہم کو تو صرف اک حسینؑ ابنِ علیؑ سے کام ہے

وہب نے بیتاب ہو کر یہ کہا شمرِ لعیں   تیری ان چالوں میں تو ہرگز میں آنے کا نہیں
ماں نے خیمہ سے یہ دی آواز ہو کر خشمگیں   وہب لے میرے دلاور وقت باتوں کا نہیں
کاٹ لے بڑھ کر سر اس موذی کا تو شمشیر سے
دل میں گھاؤ پڑ گئے اس نجس کی تقریر سے

شمر سنتے ہی یہ ٹھٹکا بھاگ اٹھا بدکا بڑا   جھپٹ کر اس شیر نے اسکا بڑا پیچھا کیا
فوجِ اعدا میں بڑا ڈھونڈھا وہ لیکن چھپ گیا   اور ایسا چھپ گیا کہ نہ ملا پھر نہ ملا
لیکن اس گھمسان میں اس نے بہت سے اشقیاء
کر دیئے فی النار اور فی النار ہی کرتا گیا

آخرش اک زخم اک دشمن نے شانہ پہ دیا   دوسروں نے دوسرا بازو بھی زخمی کر دیا
اک عدو کا تیر ماتھے پہ جو نہی آ کر لگا   زین کے ہرنے پہ آخر سر کو اس نے رکھ دیا
ہاتھ اب بیکار تھے ہلنے سے بھی بیزار تھے
سانس بھی تھے آخری اور موت کے آثار تھے

ماں نے جب یہ حال دیکھا ہو گئی وہ بیقرار   چوب خیمہ کی اٹھائی بھاگ اٹھی سیماب وار
چاہتی تھی خود کرے وہ دشمنوں پہ چند وار   خود بھی ہو جائے حسینؑ ابنِ علیؑ پہ وہ نثار
یہ حسینؑ پاک نے تاکید سے اس کو کہا
کہ جہاد اسلام میں فرض عورتوں پر کب ہوا

صبر کرنا چاہیئے کہ صبر ہوتا ہے جمیل   کہ جوانمردوں کا شیوہ ہے سدا ہونا قتیل
اس وفاداری سے ان پہ راہِ جنت ہو سہیل   عورتوں پہ غیر واجب ہے لڑائی کی سبیل
لڑنا تیرا محض ہو گا ایک جوشِ انتقام
محض جوشِ انتقام اپنی شریعت میں حرام

شاہِ دیں کا حکم جب پیاس عفیفہ نے سنا   آ گئی خیمہ میں واپس اور کیا پھر کرنا تھا
کہ مسلماں کو نہیں چارہ ہے بجز راہِ خدا   پھر دلہن نے لی اجازت عرض کر کے اے شہا!
دیکھ آؤں اپنے دولہا کو اجازت دیں مجھے

اس کو کر آؤں میں رخصت اتنی رخصت دیں مجھے

یہ امام پاک نے سوچا کہ ضبط و صبر سے — منقبض ہو جائے گا دل اسکا ہجر جبر سے
یہ کہا بیٹے کیا مضطر ہم کو تم نا قادر رہے — دیکھ جا کر اس کو، دھو دے دل سے غم کے ابر سے

یہ تو مصروفِ فغاں تھی کر رہی دولھا کی دید
شمر کے خادم نے مارا گرز اور کر دی شہید

حضرتِ شاہِ شہیداں نے یہ دیکھا ماجرا — حضرتِ عباسؓ کو پھر ساتھ اپنے لے لیا
جس طرف لاشے پڑے تھے اسطرف کا رُخ کیا — تو وہاں اہلِ جفا نے اور دکھلائی جفا

وہب کا سر کاٹ کر دکھلا کے پھینکا اسطرف
والدۂ وہب اور عباسؓ تھے واں جس طرف

والدہ نے خون پونچھا سر کا پھر بوسہ لیا — پھر امام پاک پر وارا کیا، صدقہ کیا
پھینکا دشمن کی طرف اسکو اور ان سے یہ کہا — صدقہ تھا فرزند میرا حضرتِ پُر نور کا

خیمہ کو واپس پھرے پھر حضرت اور بوڑھی ماں
پر کھڑے تھے حضرت عباسؓ اب تک واں کے واں

تھی یہ عمرو کی ہدایت شمر کو کہ چھوڑ لو — اور امام وقت کے ساتھی جو ہیں سب موڑ لو
کچھ نہ کچھ ترغیب دے کر ساتھ اپنے جوڑ لو — ساتھ ان کا چھوڑ دیں اسطرح سے تم توڑ لو

اس سبب سے وہب کلبی کو تھا الجھاتا شمر
حضرتِ عباس کو اب یوں تھا سمجھاتا شمر

بھانجے[1] ہو! غور سے اس بات کو میری سنو — اس طرف آجاؤ اور شبیر کو تم چھوڑ دو
ڈالتے خطرہ میں ہو کیوں آپ اپنی جان کو — یہ اماں نامہ ہے عمرو سعد کا، لو! دیکھ لو!

میں مدینہ کی حکومت بھی دلا دونگا تمہیں
اور اک اونچی سیادت پہ بٹھا دونگا تمہیں

طیش میں آئے علمدار اس کی اس ترغیب سے — بھولے بھالے جان کر ٹھگتا تھا وہ ترکیب سے

---

[1] بعض روایات کے مطابق والدۂ حضرت عباس علیہ السلام ام البنین رضی اللہ عنہا شمر کی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے وہ حضرت عباس علیہ السلام کا پھوپھیرا بھائی تھا۔

مجھے شمار ہا خوب اس کے کرنے ترغیب سے آپ نے فرمایا لیکن خلق سے تہذیب سے

بھانجا ہوں آپ کا تو اک بھتیجی ہے مری
آپ کو مجھ سے محبت ہے وہ پیاری ہے مری

تین دن گزرے سکینہ کو نہیں پانی ملا اب زباں بھی تو تلی ہے خشک ہے اسکا گلا
اور علی اصغر پیا سا اس کا پانی ننا سا نیمجاں وہ بن پئے پانی تڑپتا ہے پڑا

پانی دے دیں گرا نہیں میری محبت کے سبب
میں یہ سمجھوں گا کہ دعوے آپکے سچے ہیں سب

حضرت عباس نے اس کو دیا ایسا جواب جھوٹا ہو کہ رہ گیا سو جھا نہ پھر کوئی جواب
پانی دینا ہے تو ابن زیاد سے اس کو جواب گر نہیں دیتا تو پھر عباس سے اس کو جواب

کر دیا معقول نے جھوٹا تھا نا معقول کو
ورطۂ حیرت میں ڈالا جاہل و مجہول کو

شمر کی طرح شریر النفس جو ہوں آدمی ان سے نیکی کی نہیں امید ہوتی ہے کبھی
چلتے ہیں لوگوں کو بہکانے میں یہ چالیں بڑی ہوتے ہیں ملعون ان کو سوجھتی ہے دور کی

دائم ایسے لوگوں کا ہوتا ہے طغریٰ امتیاز
ڈالتے ہیں پھوٹ گھر میں کرکے گھر میں ساز باز

ہیں اسی ابلیس کے مرد خبیس انسان جو کرتے ہیں گمراہ یہ ابلیس ہر انسان کو
قہر سلطاں سے ڈراتے ہیں کبھی انجان کو گاہ محسن بن کے جتلاتے ہیں یہ احسان کو

کھو سکا نہ ہوش یہ خفتہ مگر بیدار کے
یہ کہا عباسؑ نے تلوار کو جھٹکا دے کے

دے نہیں سکتا ہے پانی بچوں کو تو ذرہ بھر ہو گا کیا اتنے بڑے دعووں میں تیرے کیا اثر
ہو گیا معلوم تو ہے فتنہ جو اور فتنہ گر کفر کی قربت سے لاتا ہے مجھے کس راہ پر

اللہ والوں کی قرابت کی فقط ہے ایک حد
شان ہے جس کی و لم یکن لہ کفواً احد

تو ہے ماموں تو مرا بھائی پیارا ہے حسینؑ راحت جاں اور مری آنکھوں کا تارا ہے حسینؑ
بیقراروں دلفگاروں کا سہارا ہے حسینؑ بیکسوں کی اوٹ بے یاروں کا یارا ہے حسینؑ

فاطمہؓ کا ہے جگر اور ہے یہ فرزند علیؓ
راکب دوش رسولؐ اور ہے یہ دلبند نبیؐ

یہ قرابت ہے بھلی یا تیری؟ اے گم کردہ راہ! لا تا اُسی راہ پہ ہے چھوڑ کر تو سیدھی راہ
لعنتی مردود! تیرے شر سے اللہ دے پناہ ہٹ پرے اے نجس! کر دونگا ورنہ میں تباہ
چھوڑ دونگا آنکھ تیری، کھینچ ڈالوں گا زباں
دور ہو! ورنہ دھری رہ جائینگی سب شوخیاں

تو ہے محو خواب غفلت! میں مگر بیدار ہوں تو ہے اک بھولا ہوا انسان! میں ہشیار ہوں
اپنے آقا کا میں اک ادنیٰ سا خدمتگار ہوں ہے فخر اس پر، غلامی کا میں دعویدار ہوں
بھائی بہنیں بیوی بچے میرے سب انکے غلام
ہم ہیں سب انکے غلام اور ان کے بچوں کے غلام

جب دیا عباسؓ نے اس کو نکا سا یہ جواب! ہر طرف سے ہو گیا مردود تھا وہ لاجواب!
اس سے آگے اور جواب ملنے والا تھا جواب اس کے ڈر سے شمر بھاگا لا سکا نہ اس کی تاب
اس کے ساتھی اس کی ٹیکی پہ چپ رہ نہ سکے
آگئے وہ سامنے جب بات نہ وہ سہہ سکے

ابن جوزہ کا حشر

شمر ملعون کا طرفدار ابن جوزہ اک شقی پوچھتا آیا کہاں ہے وہ حسین ابن علیؓ
پاس آ کر وہ زنجی نے اس طرح بکواس کی اے حسینا! میں نے دوزخ کی بشارت تم کو دی
ہاتھ حضرت نے اٹھا کر بات بس اتنی کہی
یا الٰہی یہ بشارت ہو مبارک اس کو ہی

گھوڑا جس پہ ابن جوزہ تھا وہ ہو کر بے خبر اس طرح بدکا کہ ابن جوزہ اس سے گر پڑا
پاؤں راکب کا رکابوں میں ہی الجھا رہ گیا اور مرکب اس طرح بھاگا گیا بھاگا گیا
جسم کے ٹکڑے اڑے اور چور تھیں سب ہڈیاں
ابن جوزہ کا نہ ملتا تھا وہاں کوئی نشاں

ابن وائل ابن جوزہ کی حمایت کے لئے ساتھ ہی آیا تھا، وہ آثار ایسے دیکھ کے

ایڑ گھوڑے کو لگائی اس نے منہ کو پھیر کے　　ساتھیوں سے یہ لگا کہنے بلند آواز سے
مستجاب اُنکی دُعا اُنکی زباں بھی سیف ہے
ان کے ہم دشمن نہیں تو حیف ہم پر حیف ہے

دیکھ کر ماحول یہ کہ جنگ ہوتی ہے طویل　　سعد کے ناعاقبت بیٹے نے یہ اک سوچی سبیل
حملہ خیموں پہ اگر کردیں یہ تھی اس کی دلیل　　تو دو طرفی جنگ میں سر کرنا اس کا ہو سہل
لیک جب اس سو گئے تو دنگ ہو کر رہ گئے
ڈھنگ سوچے تھے مگر بے ڈھنگ ہو کر رہ گئے

اک کماں خمدار کی طرح تھے خیمے سب نصب　　سامنے کو چھوڑ کر حملے کا تھا نہ کوئی ڈھب
پار کر سکتے نہ تھے خندق کو خیموں کے عقب　　ایسی ناکامی پہ عمرو سعد کو آیا تعب
یہ کہا کہ جنگ کا ہو جائے جلدی خاتمہ
پھونک کر خیموں کا کر دو آگ سے ہی خاتمہ

شیث بن ربعی تھا گرچہ لشکرِ اغنام سے　　اس نے روکا بھی رکا پر شمر نہ اس کام سے
آگ لگوا دی، توقع تھی یہ بد انجام سے　　آدمی دس ساتھ لے کر فوری ہی اقدام سے
قیس کے بیٹے زبیر اس جگہ پہنچے کر شتاب
آتش سوزاں فرو کی، مارے دشمن بے حساب

سونت کر تلوار آئے نافع کے بیٹے ھلالؓ　　شوذبؓ و سیفؓ ابنِ حارث ساتھ انکے باکمال
لڑتے لڑتے دشمنوں سے ہو گئے بالکل نڈھال　　پیاس کی شدت سے ان کا ہو گیا آخر وصال
عابسؓ ابنِ شبیب تھے ماہر فنونِ جنگ میں
گرج کر میداں میں آئے تھے یہ اس رنگ میں

ہاتھ میں تلوار لی اور زرہ پھینکی یہ طرف　　دشمنوں کی فوج میں بھاگڑ مچی پھر ہر طرف
یہ اٹھی، آئی، گئی! تلوار گرتی ہر طرف　　فوج دشمن کی بہت سی کٹ گئی یوں ہر طرف
آخر عمرو سعد کے گھیرے میں تھے وہ آگئے
لڑتے لڑتے آخرش یونہی شہادت پا گئے

پسرِ مسلم عوسجہ الاسدی تیر انداز تھے　　تھے دھنی تلوار کے یہ اور بڑے جانباز تھے
رزمگاہ کے گویا یہ شاہین اور شہباز تھے　　تیر ان کے کافروں سے ہوتے یوں دمساز تھے

تیر جو چھٹتا کماں سے تھا نہ خالی جاتا تھا
جس کے لگتا تھا وہیں گرتا تھا اور مرجاتا تھا

ایک سو سے اوپر ادو پر کافروں کو لے لیا — عمرو بن عروہ نے عمرو سعد سے تب یوں کہا
ختم ہو جائے گی میری فوج گر یونہی رہا! — تو پھر اس نے پانچ سو افراد کو بھجوا دیا

پانچ سو کے پانچ سو نے کر لیا آکر حصار
کر دیا غربال نیزوں سے یگانہ روزگار

آخرش حضرت سوید ابن المطاع باخدا — رزمگاہ میں آگئے اور ہو گئے جنگ آزما
پڑھ رہے آیاتِ قرآنی تھے کرتے تھے دعا — لاج رکھ لینا مرے آقا کی اے میرے خدا

راہِ حق میں لڑتے لڑتے ہو گئے آخر شہید
خاص جانبازوں میں اب باقی نہ تھا کوئی مزید

اب بڑی یلغار دشمن کی تھی بڑھتی آرہی — اور تھی فوجِ امام پاک گھٹتی جا رہی !
شامیوں کی فوج ایسے تیر تھی برسا رہی — دور سے ہی خیمۂ ان کو تھی وہ کرتی جا رہی

ختم اب تک تھے بہتر بہادر ہو چکے
کہ شہادت کے مراتب تھے مقدر ہو چکے

مختصر یہ ہے، تھا ایسا نقشہ میدانِ جنگ — کہ تحیر اور تعجب سے ہے ہوتی عقل دنگ
اک بہتر ہی جو اٹھتر مردوں کے ہاتھوں تھے تنگ — چار ہزار افراد منہ کے بل گرے ہو کر بے رنگ

صبح سے دوپہر تک جاری رہی میدان میں
جنگ تھی یہ کفر کی ظلمت میں اور ایمان میں

کفر و ایمان کا فرق

کفر ہے زریں مرقع عارضی لذات کا — اور کافر بندہ اپنے عنصری جذبات کا
عقل پہ قابو نہیں رہتا ہے احساسات کا — جب کہ دل بنتا ہے مرکز ہر طرح شہوات کا

پھر زبانی کلمۂ توحید کا کیا ہے اثر
امنِ عالم کے لئے یہ اور بھی ہے پُر خطر

دعوئے توحید سب باطل ہے بے عشقِ رسول — ہے ہمیشہ نور سے ہی نور کا ہوتا حصول !

عشقِ مرسلؐ نور ہے، ایمان کا اصلِ اصول
نور کے بن ڈھونڈھنا کچھ ہے عبث اور ہے فضول
بن محمدؐ کی محبت دین ہے سب کا فری!
اس مسلمانی سے ہے محصول بس لاحاصلی!

ہے محمدؐ کے گھرانہ کی محبت اصلِ دین
خود ہیں فرماتے یہ سرکارِ دو عالمؐ بالیقین[1]
یہ محبت جس میں نہ ہو وہ مسلماں ہی نہیں
اور ان کی دشمنی بالکل ہلاکت کے قریں
ہے سراسر کفر تو ناپائیداری کا مکاں
اور ایماں اک حیاتِ پائیدار و جاوداں

اس حیاتِ النبیؐ کا ہے وہ بن زندہ اور حیات
دین پر جو ہو شہادت وہ بھی احیائے حیات[2]
ہیں امام و مقتدا و اولیاء سارے حیات
آپ ہے قرآں گواہ ہرگز نہیں جھوٹی یہ بات

---

[1] حدیث۔ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ كَمَثَلِ سَفِينَةِ النُّوحِ ط مَنْ رَكِبَ نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ. میرے اہل بیت تم میں کشتی نوح کی مثل ہیں کہ جس نے رغبت وملاطفت کی اور ان کے موافق رہا اس نے نجات پائی اور جو مخالف ہوا وہ ہلاک ہوا۔ اہل بیت کے تابعینِ صادق بھی اہل بیت میں ہی شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب اللہ اور اللہ کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لئے اہل بیت رسول میں شامل ہیں۔

[2] آیت: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ترجمہ۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ روزی پاتے ہیں۔ اور زندوں کی طرح عیش کرتے کھاتے پیتے ہیں۔ جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے۔ اس پر خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں۔ اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ اور دنیا میں ایمان و تقویٰ پر قائم زندگی گزار رہے ہیں۔ جب شہید ہوں گے۔ تو ان کے ساتھ ملینگے اور روزِ قیامت کو امن و چین سے اٹھائے جائیں گے۔ اور ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔ پ۴ رکوع ۸

قتل جو اللہ کی راہ میں ہوں کبھی مرتے نہیں
کھاتے پیتے پہنتے ہیں جیتے ہیں مرتے نہیں

رُوح اس سردارِ انس و جان کی ہے مُدعی ۔ اے مسلماں! تجھ سے تیری جان کی ہے مُدعی
تیرے قول اقرار میں ایقان کی ہے مُدعی ۔ اور ترے ایثار میں ایمان کی ہے مُدعی

مُدعی ہے اے مسلماں آج بھی رُوحِ حسین
مدعی قربانی و ایثار کی رُوحِ حسین

ہادیانِ دینِ برحق کا یہی مقصد رہا ۔ نفس کی اصلاح سے ایمان پاتا ہے جِلا
مرتبۂ قربِ ربانی جسے حاصل ہوا ۔ تو جہادِ نفس میں اس کا قدم پہلے اٹھا

ہے جہادِ نفس ہی بنیاد اصل ایمان کی
اہلِ ایماں کب کیا کرتے ہیں پروا جان کی

ہر زماں پیشِ نظر تھا ایک یہ ہی مُدعا ۔ تھا قیامِ دینِ برحق خاص اس کا اِدعا
ہے فقط قربانیوں سے ہی یہ محکم تر ہوا ۔ مال سے اولاد و جاں سے پیار پھر کس نے کیا

دین اور ایمان پہ ہر چیز جو قربان کی
بس یہی فطرت ہے ہوتی اک صحیح انسان کی

دیکھ لی اس سے قبل تو خوب ہی کچھ دیکھ لی ۔ غازیانِ زندہ دِل نے جو دکھائی مردمی
شاہِ دیں پہ کس طرح قربان سب نے جان کی ۔ جان دی ایمان لیا دنیا بھی فردوس لی

مرحبا! زندہ دلانِ عشق اللہ دے جزا
حق رفاقت کا رفیقو! خوب ادا تم نے کیا

آج کا اندھا مسلماں ہو گیا حق ناشناس ۔ ناشناسِ ادب امرسل کے ادب کا ناشناس
مقتدا کا ناشناس اور پیشوا کا ناشناس ۔ اس زمانہ کا یہ کوئی ہر طرح کا ناشناس

رُوح کے کمزور کو ہوتی ہے کیا ذہنی شکست
ہر طرف سے زک اٹھاتا ہے یہ اب فطرت کا پست

کیا یہ سچ ہے اے مسلماں! تو مسلماں ہے ضرور ۔ کیا تمیزِ نیک و بد کا ہے ترے دل میں شعور
حرص نے پیدا کیا ہے عقل میں تیری فتور ۔ کر دیا کرتی ہے دنیا کی طلب پیدا قصور

ہے متاعِ دنیا کی بہتر یا متاعِ آخرت

دلفریبیٔ جہاں سے عقل ہی جاتی رہی

کیا مسلماں راہِ حق کا مردِ میداں اب بھی ہے کیا صبح دم ہوتا مصروفِ فغاں یہ اب بھی ہے
کیا گدازِ دل سے ہوتی چشمِ گریاں اب بھی ہے ماسوی اللہ کے لئے کیا تیغِ براں اب بھی ہے

کیا حبیبؓ ابنِ مظاہر سا بھی ہے اب سوز و ساز
دبدبہ جیسا اب بھی اس میں ہے وہ عشقِ جانگداز

کیا حقیقت میں مسلماں ہے سپاہی آج کا فعلِ ناحق پہ کبھی اس کو ہوا خوفِ خدا
کیا کبھی بے لوث بھی حق پر ہے آمادہ ہوا یا تنورِ شکم میں ایندھن ہے اب جو ٹکا

آتشِ دوزخ فراواں قہر ساماں جس سے ہو
دین و ایماں کی متاع شعلہ بداماں جس سے ہو

جب، ذریعہ جلبِ زر کا ہی فقط قانون ہو اہلکارِ سلطنت جب بن گیا قارون ہو
اپنی شدادی دہائی پہ ہی مفتون ہو پھر رعایا کس طرح محفوظ اور مامون ہو

بے کس و نادار دیکھے زر کا ہے پھر حافظ خدا
یہ بھی سچ ہے اس حکومت کا بھی پھر حافظ خدا

کیا کبھی آیا ہے ارباب حکومت کو خیال کہ کلیدِ معرفت ہے اک فقط رزقِ حلال
زرگری میں ہو جو عمرِ سعد سا کسب کمال دین اور دنیا میں بالآخر وہ لاتا ہے وبال

ہے حصولِ رزقِ طیب بوذریؓ و حیدریؓ
حرص و بے صبری کا شیوہ کافری و عنتری

مرشدوں میں آج بھی یہ جذبۂ ایقاں ہے کیا کیا امامِ پاک سا نظریۂ ایماں ہے کیا؛
حاصل اب بھی ویسا ہی ادراک اور عرفان ہے کیا یا فقط آلودۂ دنیا ہی یہ انسان ہے کیا؟

چاہیئے اس مقتدا کے کل کا کرنا اقتدا
منتہائے زندگی ہے لا الٰہ الا اللہ

دیکھئے اس منتہا کو انتہا کیسے کیا کربلا کے معرکہ کو ابتدا کیسے کیا،
اور پھر اس ابتدا کو انتہا کیسے کیا دیکھئے کہ لا الٰہ الا اللہ کیسے کیا

کس طرح روشن ہے وہ شمعِ امامت سامنے
بالمقابل کفر کی ساری ضلالت سامنے

چہرۂ انور پہ کیسے جھلملاتا نور ہے تشنگانِ دید کی یہ جلوہ گاہِ طور ہے
پیکرِ صبر و تحمّل ہے سراپا نور ہے اپنی تنہائی سے گو اب ہر طرح مجبور ہے
لئے کھڑے تھامے ہوئے ہاتھوں میں اپنے ذوالفقار
دیکھئے میدان میں ہیں خود حسینؑ نامدار

ظلمتیں ہیں اک طرف، نورانی پیکر اک طرف کفر سارا اک طرف، سبطِ پیمبر اک طرف
بھولے بھٹکے اک طرف اور راہبر ہیں کتنے اک طرف ہیں سارے ظالم اور صابر اک طرف
شپرہ چشموں میں کیسے تیرگی سی آ گئی
دیکھ کر سورج کو ان میں خیرگی سی آ گئی

ھَل مُبارز کہہ رہا تھا لشکرِ کفار اب تھے سمجھتے ختم ہے میدان کارزار اب
رہ گیا تنہا ہے پسرِ حیدرِ کرار اب چند ساتھی گھر کے یا ان کا ہے یہ سردار اب
تھوڑے بندے جو ہیں باقی پکڑ لینے چاہئیں
ہاتھ ان کے رسیوں سے جکڑ لینے چاہئیں

کر رہے تھے مشورے باہم گر اس سوچ میں تھے یہ سب مشغول سارے ایسی پیچ و لوچ میں
اب تو ہے میدان خالی آ رہے تھے لوچ میں لوٹ لیں خیموں کو اور تہذیب کا منہ نوچ لیں
آئے عبداللہ کہ یہ مسلمؑ کے تھے پسرِ کلاں
ساتھ ان کے چھوٹا بھائی بھی ہوا شامل یہاں

خود طلب کی جنگ عبداللہ نے کچھ للکار کر تو قدامہ ابنِ سعد آیا، گیا پر ہار کر
پھینک دی تلوار حضرت نے کہا، پھر وار کر وہ مڑا پھر، نیزہ مارا اک بڑا اسوار کر
آپ نیچے جھک گئے، وار اسکا یہ خالی گیا
ہاتھ بائیں سے ہی حضرت نے اُسے زخمی کیا

کٹ گیا رخسار اس کا، آپ نے دھکا دیا اس کو گھوڑے سے گرا کر گھوڑا اس کا لے لیا
دشمنوں میں گھس گئے ان کا نیا پایا گیا آخرش گھوڑے کو اک دشمن نے زخمی کر دیا
گر پڑا گھوڑا زمیں پر خود زمیں پہ آ رہے
تیر سینہ میں لگا آکر شہادت پا گئے

حضرتِ مسلمؑ کے بھائیوں کی شہادت

چار بھائی حضرتِ مسلم کے تھے موجود یاں — اب امام پاک سے انہوں نے لیں منظوریاں
جعفر و موسیٰ و عبداللہ تھے تھے عبدالرحمٰن — بہت بے جگری سے اعدا کی اُڑائیں بوٹیاں
لڑتے لڑتے تھک کے جبکہ چور تھے وہ ہوگئے
موت کی آغوش میں آرام سے پھر سو گئے

حضرتِ زینب کے دو بیٹے کہ جو تھے خورد سال — جعفر طیار کے پوتے تھے عبداللہ کے لال
شوق رکھتے تھے فنونِ جنگ کا یہ نونہال — قاسم و عباس و اکبر سے تلمذ تھا کمال
دو نو بچے حضرتِ زینب کو پیارے تھے بڑے
منتیں کر کر کے ماں سے تھے اجازت لے رہے

بج رہا ہے طبلِ جنگ کرتے شقی ہیں شور و شر — ہوگئے ہو ختم کیا، یا آئیگا کوئی ادھر
دیکھئے اب بھیجتا کس کو ہے حیدر کا پسر — یا شجاعت کو علی کی لاگ گئی ہے اب مہر
سارے کٹتے مل کے عف عف کر رہے تھے اس طرح
بھکے ہوں ہکاؤ ان کو ہو گیا ہو جس طرح

آئے غیرت میں علی اکبر ہوئے تیار ادھر — پھوپھی تھیں زینب بڑھیں اور ہوگئیں سینہ سپر
اور کہا کہ صدقہ تمہارا ہیں یہ میرے پسر — میں نے اس دن کے لئے ہی رکھے ہیں دونو گہر
ٹکڑے دشمن کے کریں گے، اور اڑا دینگے اُسے
ماریں کاٹیں گے اسے یاں سے بھگا دینگے اُسے

پر امام پاک نے روکا اور ان سے یہ کہا — بہت کچھ دیکھا؛ ابھی باقی ہے کیا کیا دیکھنا
بارہ اور دس سال کی ہونگی ہے یہ عمر کیا — یہ بھی جب تیار ہیں تو دل کا مالک ہے خدا
کوئی بھائی بہن کے گھر کو تباہ کرتا نہیں
کوئی ماموں بھانجوں کو یوں فنا کرتا نہیں

اس طرح سے اے بہن بھائی کو کر نہ شرمسار — عمر بھر کی یہ کمائی ہے تری، دل کا قرار
ان کا جانا مجھ کو کر دے گا زیادہ سوگوار — نیم وا غنچوں نے دنیا کی ہے کیا دیکھی بہار
جب جواں ہونگے یہ دل آرام اور آرام جاں

ان کی خوشبو سے مہک اٹھے گا گلزارِ جہاں

حضرت زینب کی آنکھوں سے ہوئے آنسو رواں اور کہا بھائی! وصیت کر گئے تھے اباجان
جب مصیبت ہو تو بھائی کے تو کام آنا وہاں سرخرو ہو تا کہ زینب اپنے وعدہ سے یہاں
بچوں کو صدقہ ہوں کرتی بھائی پہ میں اس گھڑی
کہ یہی دولت مری ہے اور یہی پونجی مری

کیجئے بھائی مری ناچیز قربانی قبول کربلا کے میہمانوں کی یہ مہمانی قبول
آج باطل کے مقابل خوں کی ارزانی قبول ہو غلاموں کی یہ خدمت شاہ لاثانی قبول
بھانجے بھی ہیں! مگر اس وقت خادم ہیں یہ
آپ کے انکار سے کچھ ہو رہے نادم ہیں یہ

اس قدر جذبات کی دیکھی جو غایت آپ نے دل کو کچھ مجبور کر کے دی اجازت آپ نے
بہن کے جذبات کی دیکھی جو غایت آپ نے اپنے ضبط و صبر کی کر دی نہایت آپ نے
پیش آتی ہے جو دنیا میں کوئی منزل کٹھن
بھائی پہ اس طرح سے قربان ہوتی ہے بہن

ہو کے خوش بیٹوں کو خیمہ میں بلاتی تھی یہ ماں اپنے ہاتھوں آپ ہی کپڑے پہناتی تھی یہ ماں
خود دیئے لا کر انہیں تلوار و نیزہ و کماں اور اب ان سورماؤں کو سناتی تھی یہ ماں
پوتے جعفر کے نواسے حیدرِ کرار کے
ہو بہادر تم! گر جانا یہ نیت دھار کے

گر کوئی پوچھے نسب تو بس یہی کرنا کلام سیدِ عالی نسب کے ہم ہیں اک ادنیٰ غلام
نام جب لیتے ہیں انکا جھک کے کرتے ہیں سلام ہر طرح ان کی رضا جوئی ہے اپنا پہلا کام
پوچھتا کوئی رہے واں، نام زینب نا مرا
کرنا دعویٰ بس غلامی کا ہی، ہے کہنا مرا

جا لاڈلے میرے دلبرو! مجھ سے ہے رخصت تمہیں ہے دعا میری کہ اللہ دے بڑی عزت تمہیں
بھوک بھی ہو گی تمہیں اور پیاس کی شدت تمہیں اس سے زیادہ کر نہیں سکتی ہے ماں شفقت تمہیں
آخری لو پیار ماں سے اور کر لو اس کی دید
آنا ہو تو اسطرح آؤ کہ بس ہو کر شہید

جب وداع کرتی ہیں مائیں اپنے بچوں کو سبھی　　یہ کہا کرتی ہیں کر کے پیار اور شفقت سبھی
پیٹھ دکھلانے ہو آ کر منہ بھی دکھلانا کبھی　　بات لیکن اپنے بچوں سے یہ زینب نے کہی
سر کٹا کر آؤ اور جام شہادت پاؤ تم
واپس آنا ہو تو میرے پاس ایسے آؤ تم

یوں گئے بچے کہ جیسے کوندتی ہوں بجلیاں　　ایڑ گھوڑوں کو لگائی ہو رہے تھے رجز خواں
مبز بالو! آؤ! آئے ہیں تمہارے میہماں　　بولا عمرِ سعد! ہو تم کون ایسے نوجواں
کون سی بے رحم ماں نے جنگ میں بھیجا تمہیں
ایسی کم عمری میں ایسے رنگ میں بھیجا تمہیں

میں نے پہچانا کہ تم زینب کے بیٹے ہو ضرور　　لڑنے آئے ہو جو تم تمت کے بیٹے ہو ضرور
موت کی آغوش میں آئے سمٹے ہو ضرور　　موت کی چوراہ میں یوں آ کے لیٹے ہو ضرور
جاؤ زینب سے کہو بخشی تمہاری میں نے جاں
گر نہیں جاتے تو پھر آ جاؤ میرے پاس یاں

ہے وہاں تکلیف تو یاں اس طرف آرام ہے　　ہے وہاں فاقہ کشی یاں عیش سے ہی کام ہے
واں بغاوت کی سزا ہے اور یہاں انعام ہے　　دیکھ لو ہم پر خلیفہ کا بڑا اکرام ہے
کیوں خفا ہو جان سے یاں اس طرف آ جاؤ تم
گر یہاں آتے نہیں، بہتر ہے واپس جاؤ تم

آنے جانے کی جو بیتا کید عمرِ سعد سے سنی　　اس کی اس بکواس سے اک آگ سی دل کو لگی
یہ کہا عمرِ سعد! یہ بک بک ہے تیری کس کام کی　　بھانجے تیرا کے حضرت کے ہے کرتا دل لگی
ہم غلام ان کے ہیں وہ سردار ہیں خیر الانام
کفر سے باغی ہی ہوتا ہے جو ہوتا ہے امامؑ

کہہ کے اتنا گر پڑے فوج عدو پر سرفروش　　دشمن بزدل کو دکھلایا بڑا جوش و خروش
لگے اک بلے سے ہی دشمن نے کھوئے عقل و ہوش　　کر رہے تن تن کے حملے نغے یہ دو نوخیز نیوش
بولا عمرِ سعد ساری فوج کو للکار کر
جاؤ گے کیا گھر کو ان بچوں سے ہی سب ہار کر

تین دن کے بھوکے پیاسے یہ ذرا ڈرتے نہیں　　ہے عجب جب خود ہی وہ اک ایک سے لڑتے نہیں

حملہ تم سارے اکٹھے ہو کے کیوں کرتے نہیں　　اس طرح سے یاد رکھو یہ کبھی مرتے نہیں
سب اکٹھے ہو کے چو طرفی تم ان کو گھیر لو
نہ بڑھیں آگے تم ایسے ڈھب سے ان کو پھیر لو
پر غضب ہو کر چلے سن کر یہ دونوں نوجواں　　قتل کرتے پھرتے گھمسان کو آئے وہاں
یکتا عمر و سعد تھا سالار فوجوں کا جہاں　　نزل کر تلوار تیلانے لگے سود و زیاں
کہ یکایک باڑ تلواروں کی سر پہ آ گئی
جانبازوں کے تئی گویا موت سر پہ کھیلتی
آ پڑی تلوار اک پہ ایک کے نیزہ لگا　　تو لغل گیر ہو کے گھوڑوں سے گرے وہ اگلے
خون میں نتھے تو بتر اک دوسرے کو دیکھتا　　شکر ہے بولا یہ عمرو باپ ان کا ہے کٹا
یہ کہا عمرو نے جب دونوں گرے یہ زمین سے
ڈولیوں کو لے جائے کہو دو زینب غمگین سے
سن کے یہ آواز زینب خیمہ کے اندر گئیں　　پھر دوگانہ تیمم آپ پھر کرنے لگیں
نقل شکرانہ کے سجادہ پہ پھر پڑھنے لگیں　　پھر دعا سے فارغ ہو کر آپ فرمانے لگیں
شکر ہے گوہر ملے مجھ کو یہ ایسے تابدار
ہو گئے جوش محبت میں جو ماموں پہ نثار
دونوں لاشوں کو اٹھا کر لائے عباس و حسینؑ　　جانتا اللہ ہی تھا اب تھا جو احساس حسینؑ
کو منقش ہو رہا تھا غم سے قرطاس حسینؑ　　ہر طرف اب یاس ہی تھی بن رہی آس حسینؑ
بھائی سے زینب نے لاشیں خیمہ میں رکھوائیں کہ
سب کو باہر بھیجکر بیٹوں کے پاس اب آئیں پھر
اہل دانش ہیں بیاں کرتے یہ اک مشہور بات　　بارش اک دن ہو رہی تھی اور تھی بھیگی سی رات
ایک بیوی نے کہی خاوند سے ہنس کر یہ بات　　تب محبت کا یقیں آئے مجھے جب ہو یہ بات
اپنی ماں کا دل مجھے لا دو اندھیری رات میں

له بچوں کو بچپنہ کا اور یا ماہر فن حرب سپاہی جیسا جنگی شعور نہ تھا کہ ڈیوُل فائیٹ کے لئے مد مقابل کو طلب کرتے۔ جوش ایمان اور جوش شجاعت میں پوری فوج سے ٹکرا گئے۔

تو یہ جانو گی کہ تم پکے ہو اپنی بات میں

رات کے اندھیرے سے بھی تھی اندھیری یہ عمر یہ بڑی مشکل ہے کیا اس نے کہا کچھ ہنس کر
ماں کے گھر کو بھاگ نکلا ہاتھ میں لے کر تبر ماں اکیلی ہی وہاں تھی یہ کیا اس پر جھپٹ کر

دھکا دے کر اسکے سینہ پر چڑھا اب یہ جواں
سینہ چیرا دل نکالا لے کے بھاگا پھر وہاں

راستہ میں تھا جو کیچڑ پاؤں پھسلا گر پڑا ہاتھ تھے تر خون سے ہاتھوں سے دل بھی گر پڑا
درد میں ڈوبی ہوئی اس دل سے نکلی یہ صدا دیکھ کر چلنا تھا اے نورِ نظر یہ راستہ

گر پڑے ہو، تم پہ کوئی آنچ تو آئی نہیں
میں تصدق میرے بیٹے چوٹ تو کھائی نہیں

ہوتا ہے ایسی محبت کا نگینہ ماں کا دل ہے وفا و مہر کا ہوتا خزینہ ماں کا دل
ہے مروت اور شفقت کا دفینہ ماں کا دل پیار کا ہم کو سکھاتا ہے قرینہ ماں کا دل

بہن تھی بھائی کی زینب[1] اب بنی بچوں کی ماں
پھوٹ نکلا آنکھ کی راہ سے یہ دل اب بیکراں

خیمہ کے اندر بٹھایا دو نو بچوں کو یہاں اور گرا کر پردہ لیٹیں آپ انکے درمیاں
یہ کہا بچو تمہاری خود ہی قاتل ہے ماں بھوکے پیاسے تین دن کے لائی لڑنے کو یہاں

پیارے بچو بخش دینا ہے اگر کوئی خطا
بھائی کے بدلے ہو تم ہی ہو گی گر کوئی خطا

اے ستارو! زندگی دنیا کی ہے آخر فنا راہِ حق پہ جان دے کر تم نے کی حاصل بقا
یہ سبق ہے قوم کے بچوں کو صدق و صبر کا روشنی تمہاری بتلائے گی ان کو راستا

رکھیگا ایمان پہ قائم یہ تمہارا سرخ خون
حق پہ ہے آئینہ دائم یہ تمہارا سرخ خون

یہ نشانِ آتش کی ہے اک بشارت کا لہو یہ لہو شیرِ خدا کی ہے شجاعت کا لہو

---

[1] حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہ کی ولادت پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گود میں اٹھا کر فرمایا تھا کہ یہ ام المصائب ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک موقعہ پر حضرت زینب

یہ لہو بچو! ہے اک حق کی صداقت کا لہو کذب و باطل پر ہے یہ موجب ملامت کا لہو
غالب آسکتا نہیں حق و صداقت پہ دروغ
مستقل رہتا نہیں کذاب کو حاصل فروغ
گلستاں کو کرتا ہے ایسا لہو ہی گلعذار یہ لہو پھولوں میں جب آتا ہے لاتا ہے بہار
اس لہو سے ہی لکھا جاتا ہے قوموں کا وقار منہ پہ مل کر یہ لہو روتی تھیں زینب زار زار
غنچہ و گل میں نظر آنے گا تمہارا لہو
جلوے دیگا مجھ کو ایسے ایسے یہ پیارا لہو
اے بہادر نوجوانو! کہتی ہے ماں الوداع اے مرے پیارے شہیدو کہتی ہے ماں الوداع
رس رہا ہے خون زخموں سے میں قرباں الوداع ہوتا ہے اس رنگ میں ہی صاحب انساں الوداع
خون میں لتھڑے ہوئے ہی تم سپردِ خاک ہو
دل کے ٹکڑوں کو مبارک کربلائے پاک ہو
یا امام پاک ان بچوں کو اب لے جایئے ان کی قبروں کا تقرر آپ خود فرمایئے
کوئی گستاخی ہوئی ہو تو نہ دل پہ لایئے اور حق میں ان کے رحمت کی دعا فرمایئے
ٹلتی صدقہ سے بلا ہے صدقہ ان کو کر دیا
یا الٰہی سر سے بھائی کے یہ ٹل جائے بلا
دیکھ کر عون و محمد کی وہ چھوٹی سی قبور نوجوانوں کے دلوں میں جنگ کا اٹھا شعور
اولاً آئے امام حسنؓ کے بیٹے جیور سات تھے میدان میں بکھر گئے اذن حضور
کچھ بہادر لڑتے لڑتے تھے شہادت پا گئے
اور اب میدان میں قاسمؓ بہادر آ گئے

حضرت قاسمؓ جنگ کی اجازت لیتے ہیں

حادثوں سے دل امام پاکؓ کا اب تھا نہ شاد کچھ تامل سے ہی قاسم کو ملا اذنِ جہاد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶ ۔ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ کہ تم حسین رعلیہ السلام، کا ساتھ نہ چھوڑنا ہیں۔ اور ہر آڑے وقت میں اس کی مدد کیجیو۔ کربلا کا میدان مصائب کے امتحاں کا دن تھا اور جس خوبی سے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کو نباہا وہ ان ہی کا حصہ تھا۔

تھا امام پاک سے ہی دشمنوں کا سب عناد　　دشمنوں سے باقیوں کا تھا نہ جب کوئی فساد
ختم کیوں پھر تھا یہ سب کا سب گھرانہ ہو رہا
انقطاع نسل کا تھا یوں بہانہ ہو رہا

اس لئے ہی اب امام پاک کا انکار تھا　　لیکن اس انکار پہ واں بڑھ رہا اصرار تھا
اور اس اصرار پہ قاسم کا اب تکرار تھا　　اس طرف سے بھی رضائے جبر کا اظہار تھا
خوش ہوئے قاسم چڑھے گھوڑے پہ میداں چل گئے
اور دشمن سے وہ پھر غلطاں و پیچاں ہو گئے

حملے اس ڈھب سے کئے سب کے دیئے چھکے چھڑا　　جان کے ڈر سے کوئی نزدیک تک آتا نہ تھا
فوج اعدا میں تھا ارزق جو بہادر تھا بڑا　　بالمقابل آکے اس نے لئے بیٹے بلا
یہ کہا قاسم ہے بچہ اور ابھی ہے خام کار
اس لئے بیٹے ہی میرے اس سے ہوں سرگرم کار

بے مقابل میرا لڑنا ہے منافئے وقار　　کمسنوں سے پنجہ لینا ہے نہیں میرا شعار
جانتے سب ہیں مرا ہے اچھے اچھوں میں شمار　　قاسم اک بچہ ہے اور ہوں میں یگانہ روزگار
اپنے بیٹوں کے مقابل بھی نہیں گردانتا
جانتا قاسم کو ہوں اور خوب ہوں پہچانتا

سن کے یہ جھپٹے عقابی شان سے قاسم جواں　　اس کے اک بیٹے کے پکڑے بال سر کے درمیاں
ایڑ گھوڑے کو لگائی اس کو لے بھاگے وہاں　　اس طرح میدان میں اس کی اڑا دیں دھجیاں
ادھ موا تو ہو رہا تھا زور سے پٹخا اسے
لے گیا بس جان سے ہی موت کا پنجہ اسے

باقی بیٹے بالمقابل اس طرح سب ہو چکے　　سب کے سب وہ ہاتھ اپنی جان سے تھے دھو چکے
جان اپنی کھو چکے قسمت کو اپنی رو چکے　　کھو چکا ارزق تھا ان کو وہ تھے اسکو کھو چکے
جوش کھا کر غم میں بیٹوں کے وہ خود آیا یہاں
اور اب دکھلا رہا تھا اپنی وہ سرگرمیاں

درحقیقت یہ بہادر تو بڑا تھا بد نہاد　　چار بیٹے مر چکے تھے جن کا غم تھا مستزاد
غصہ میں آ آکے کرتا تھا یہ حملے نامراد　　ہو رہا تھا طولِ جنگ سے اسکا غصہ ازدیاد

نسبتاً تھا حضرتِ قاسمؑ سے یہ کچھ تازہ دم
حضرتِ قاسمؑ کبھی دم اس سے کھا جاتے تھے خم

اب حسینِ پاکؑ نے گھبرا کے مانگی کچھ دُعا — حضرتِ قاسمؑ نے غالب ہو کے وار ایسا کیا
چِر گیا سینہ تلک ارزق تھا ہاتھ ایسا پڑا — دشمنوں کے منہ سے بھی نکلی صدائے واہ وا

اسکی ایسی موت پر دشمن بھی خوش تھے اب تمام
ہٹ ہی کرتا رہا اب تک تھا ان کو بدلگام

حضرتِ قاسم کی اس جرأت سے دشمن ڈر گئے — حوصلہ ان کو دیا عمرو نے تو پھر اَڑ گئے
برچھیوں کے وار کچھ حضرت پہ ایسے پڑ گئے — کہ سمجھ آتی تھی کہ اب سر گئے کہ مر گئے

پوری قوت سے لڑائی جان دہ حملے کیے
تینتیس پیادے نصف صد سوار دشمن کے لیے

تھک گئے قاسمؑ تھے اور اب ہو رہے تھے چور چور — پیاس کی تلخی سے جی گھبرا رہے تھے بالضرور
خون بہہ کر ہو گئی ناطاقتی بھی تھی ضرور — آ چکے نرغہ میں تھے چار و طرف اب تھے عدو

اک بدن پر ہر طرف سے برچھیاں پڑنے لگیں
اور تلواریں فقط اک جان سے لڑنے لگیں

جتنے دشمن ہر طرف اور ایک جاں بھرتا بکے — پیاس کے مارے نہیں تھی تابِ تواں بیتاب کے
ہو کے زخمی اس طرح تھے ڈوبتا دل تاب کے — گرز کھا کے سر پہ رہتی ہوش حاصل تاب کے

مضمحل ہو کر گرا گھوڑے سے یہ عالی قدر
ڈوبتا ہی جا رہا چاند اب یہ آتا تھا نظر

دیکھ کر قاسمؑ کو یوں گرتے ہوئے میدان میں — وال امام پاک اور اکبر گئے اک آن میں
سانس اک یا دو ہی باقی تھے خستہ جان میں — دل ہی تو ہوتا ہے آخر سینۂ انسان میں

دیکھ کر قاسم کو حضرت غم سے ہو کر اشکبار
گرتے تھے اکبر انہیں سنبھالتے تھے بار بار

لائے خیمہ میں اٹھا کر قاسمؑ بے ہوش کو — رکھا آہستہ سے نیچے اپنے بارِ دوش کو
سب لگے رونے تھے اپنے دولھا خوش پوش کو — کہہ رہی کبریٰ تھیں فرطِ غم سے یہ بے ہوش ہو

اے فرشتو سونپ دی تم کو امانت روح کی

عرش سے لانا مگر مرہم دلِ مجروح کی

مرگِ قاسم پر ہوئے غمگین سب افراد تھے پر امامِ پاک تو بے حد ہوئے ناشاد تھے
بھائی کے بیٹے، بھتیجے، اور اب داماد تھے دو ہی دن سے اپنے گھر میں یہ ہوئے آباد تھے
ان کا غم بیٹی کا غم دل کو تھا کھائے جا رہا
بحرِ غم لہروں میں اپنی تھا بہائے جا رہا

ننھے بچے سہم کر تھے ہو رہے اب یوں نڈھال ہو رہا تھا ان کو سمجھانا بڑا ہی اب محال
العطش تھے کہہ رہے تھی پیاس کی شدت کمال تھا سکینہ کا مگر سب سے زیادہ غیر حال
ایک مچھلی کی طرح سے وہ تڑپتی تھیں یہاں
نیم بسمل ہو کے بستر پر پھڑکتی تھیں یہاں

حضرتِ مسلم کی اک چھوٹی سی بچی نے کہا اے چچا! عباس! کچھ پانی پلا! پانی پلا!
اب کلیجہ جل رہا ہے میرا پانی کے سوا تھوڑے پانی سے ہی ہوگا میرے دل کو آسرا
ماسوائے آپ کے اب کس سے میں جا کر کہوں
کس جگہ پانی ہے! میں تھوڑا سا خود جا کر پیوں

تڑپتا پانی کو یوں بچہ جب اک پیارا رہے تڑپتا وہ اس طرح سے پیاس کا مارا رہے
چچا چچا کہہ کے تکتا ہی وہ بے چارا رہے دیکھ کر یہ حالی کس کو صبر کا یارا رہے
اشجع النّاس حضرتِ عباسؑ کو کہتے تھے سب
تھا بنو ہاشم کے ماہ! ان کا پایا سا لقب

صابر و شاکر تھے ان کو پیاس گو خود بھی تو تھی بیبیاں بھی پیاس سے چپ ہو کے تھیں بیٹھی ہوئی
تھا وہاں پانی کہاں: تھی پیاس تو سب کو لگی لیکن اک معصوم بچی دیکھی جب یوں تڑپتی
اذن سقائی تھے لیتے اب امامِ پاک سے
کہہ رہے تھے دل میں ہی اپنی ضمیرِ پاک سے

حال سب ان پر عیاں ہے کیا کہوں کیا نہ کہوں پیاسے سب ان کی نظر ہیں کہوں یا نہ کہوں
پوچھا حضرت نے کہو عباس! بولے کیا کہوں آپ نے فرمایا! تبلاؤ کہ میں بھی کیا کہوں
کون رہ جائیگا باقی گر میں دوں اذنِ جہاد
ہو محافظ عزتوں کا کون کیا یہ بھی ہے یاد

ہیں یہ دشمن خاص میرے ہی، لڑینگے مجھ سے یہ ہے یہ ممکن بعد میرے تم سے نہ الجھینگے یہ
میرے باعث اب تمہارے سب کے ہی دشمن ہیں یہ پانی گر لینے گئے، تم کو نہ پھر چھوڑیں گے یہ

پانی لے آنا ہے اے عباس اب خواب و خیال
بچیّے جی پانی کا ملنا ہو رہا ہے اب محال!

شیر تھا وہ شیر کا بیٹا سقائے اہل بیت پہلے چپ تھا اب مگر بولا فدائے اہل بیت
ہو سعادت ہی مجھے حاصل رضائے اہلبیت یا شہادت ہی ملے بن کر سقائے اہل بیت

عالی جاہ! اب پیاس سے بےچین ہیں خورد و کلاں
اب اجازت دیں کہ لے آؤنگا میں پانی یہاں

آسکوں گا میں نہ واپس گر ہے کچھ ایسا خیال موت کا میری گزرتا ہے اگر دل پہ ملال
آپ کے بن زندگی میری بھی اک ہوگی وبال شمع غائب ہو تو پروانوں کو جینا ہے محال

آپ دشمن میں گھرے ہوں گے تو میں دیکھا کروں
ایسے جینے سے یہ بہتر ہے کہ میں پہلے مروں

دی اجازت آپ نے تھے آگئے اس بات میں حضرت عباسؑ نے تھاما پھریرا ہاتھ میں
ایک مشکیزہ لیا کندھے پہ نیزہ ہاتھ میں اسلحہ لے کر چڑھے گھوڑے پہ بس اک بات میں

یا یہاں تھا یا وہاں اب جا رہا ہے راہوار
کیسی آن اور شان سے بیٹھا ہے اس پر شہسوار

ٹاپوں سے گھوڑے کے ہے گرد اڑتی جا رہی حضرت عباس کی یہ ہے سواری آ رہی
دیکھ کر یہ جان ہر کافر کی ہے گھبرا رہی وہ سمجھتے تھے کہ ان کی موت ہی ہے آ رہی

جان کر تو شیر کی زد میں نہ آتا تھا کوئی!
دور رہتے، نہ مونہہ سے آنکھیں لڑاتا تھا کوئی

باگ اٹھائے جا رہے تھے سوئے دریائے فرات پانی لینے سے ہی مقصد تھا یہی تھی دل میں بات
مختلف تھیں ٹولیاں دشمن کی اور کچھ دستہ جات اور کہی کچھ طنز سے مارد نے، ان سب سے یہ بات

اتنی فوجوں سے نکل جائیگا کیا اک آدمی!
تم میں سے اس کے مقابل کیوں نہیں آتا کوئی؟

شمر نے اس سے کہا پھر تو ہی کچھ جرأت دکھا! ہاشمی ضیغم سے لڑنے کی تو کچھ ہمت دکھا

ہاشمیوں کی نہیں قوت کا تجھ کو ہے پتا یہ دکھا دیتے ہیں سیدھا موت کا ہی راستا
گہری آنکھوں سے ہمیں تو کس لیئے ہے دیکھتا
ہے اگر جرأت تو آگے بڑھ، ذرا جوہر دکھا

ہو گیا تھا مشتعل یہ سن کے مارد بن صدیف نیزہ لے کر آ گیا عباسؓ کا بن کر حریف
چھین کر نیزہ کیا عباس نے اس کو خفیف ایک جھٹکے سے ہی ایسا ہو گیا تھا یہ ضعیف
گر پڑا گھوڑے سے یہ بیدل ہوا چکرا گیا
اس کا گھوڑا حضرتِ عباس نے ٹکڑے کیا

قدرتاً اک اور گھوڑا پاس اس کے آ گیا جان کے ڈر سے تھا مارد اسقدر گھبرا گیا
پیٹھ پر وہ دوسرے گھوڑے کی فوراً آ گیا وہ ابھی سنبھلا نہ تھا، حضرت نے ہاتھ ایسا دیا
حلق تک پہنچی تھی سر کو کاٹتی تیغ دو آب
لوٹتا تھا خاک میں اور کھا رہا تھا پیچ و تاب

دیکھ کر یہ دشمنوں پر ایک ہیبت چھا گئی پھر گئی آنکھوں میں وحشت اور دہشت چھا گئی
بھاگ نکلے گویا سر پہ اک مصیبت آ گئی حضرتِ عباسؓ کو بھی پیاسوں کی یاد آ گئی
ایڑ گھوڑے کو لگائی اور سوئے دریا گئے
بیشمار افواج کے پہرے جہاں پر تھے لگے

دشمنوں کو قتل کرتے پہنچے دریا پر شتاب گھوڑے کو ٹھوکر سے اب لے آئے تھے بالائے آب
ایک چلو بھر لیا پینے لگے حضرت مآب پیارے بچوں کا تصور آ گیا پیشِ جناب
ہاتھ چھوڑے اور دیا چلو کو پانی میں گرا
اور مشکیزہ بھرا پانی سے کندھوں پر رکھا

نکلا اب پانی سے باہر ان کا فرسِ تیز گام پاؤں سے چھینٹے اڑائے تر کئے کپڑے تمام
رکھتے ہیں یہ عربی النسل اسپ ایسی عقل تام پانی لے جانے کا شاید یہ نیا تھا انتظام
تیر لگ جانے سے شاید رہ میں مشکیزہ بہے
پانی کچھ نہ کچھ تو ان بھیگے سے کپڑوں میں رہے

کیسے اڑتا جا رہا ہے وہ سمندِ بادپا! تیز قدموں سے ہے کس سرعت سے بڑھتا جا رہا
شہسوار اس پر ہے استقلال سے بیٹھا ہوا دونوں ہاتھوں سے ہے مشکیزہ کو یوں تھاما ہوا

گویا اس مشکیزہ میں ہی اسکی ساری جان ہے
ہو رہا مشکیزہ پر یہ کس طرح قربان ہے

مقصدِ واحد یہی ہے اور یہی ہے مدعا — پانی خیمے تک پہنچ جائے یہ سارا بے خطا
ہر طرح مشکیزہ کو ہے وہ جری سنبھالتا — ہر طرف سے شور ہے لینا گیا، لینا گیا

دوڑ کے چلے بڑھاتے ہیں عدوئے نابکار
آرہے ہیں سنسناتے تیر کتنے بے شمار

ہے کبھی کاندھے پہ مشکیزہ کبھی آگے رکھا — ہاتھ پھیلا کر کبھی یوں آڑ میں تھا لے لیا
گاہ دانتوں کے تلے محفوظ کر کے دے لیا — فاصلہ تھوڑا تھا اب باقی کہ خیمہ آگیا

بولا عمر و سعد پانی لے نہ جائے خبردار
شمر بولا جاتا ہے عباسؑ دیکھو ہوشیار!

آئی یہ آواز جو عباس کو مارے یہاں — بیشمار انعام حاصل وہ کریگا بے گماں
ایک قطرہ بھی اگر پانی کا پہنچے گا وہاں — ان کے ہاتھوں ہم میں سے پھر نہ بچیگا کوئی یہاں

مٹھی بھر لوگوں نے یارو کیا تباہ ہم کو کیا:
اک گھڑی کی کھیل تھی جس پہ ہے دن بھی ڈھل چکا

سن کے یہ آواز آیا تھا حریف بھاگتا — تول کر تلوار روکا آپ کا تھا راستا
سپر سے تلوار دو ٹکڑے ہوئی وہ گر پڑا — اس کا ساتھی آپ کی تلوار سے مارا گیا

ہاتھ مشکیزہ نے تھے کچھ آپکے روکے ہوئے
اس لئے نرغے میں ہی کچھ اسطرح سے آگئے

آڑ لے کر اک شجر کی ایک کوفی تھا کھڑا — اس جھڑپ میں داہنا ہاتھ آپ کا اسطرف تھا
آہ! اس بدذات نے تلوار سے چرکا دیا — جس نے دایاں بازو حضرت کا تھا کٹ کر گر پڑا

ہاتھ بائیں میں ہی تلوار اور مشکیزہ لیا
اس طرح سے لڑتے لڑتے خیمہ کا پھر رخ کیا

گھات لے کر راستہ میں اک شقی تھا واں کھڑا — مار کر تلوار کاری زخم جو اس نے دیا
بایاں بازو بھی جدا اس طور سے اس نے کیا — آپ نے مشکیزہ کو دانتوں میں اپنے لے لیا

تیر لگ جانے سے گھوڑے میں نہ تھی طاقت رہی

لڑکھڑاتا جا رہا تھا پہلی سی ہمت نہ تھی

تھا کہیں نیزہ پڑا، جھنڈا کہیں ہٹ کر پڑا　　گر گئی تلوار تھی اور تھی سپر بھی لاپتہ
خون دونوں بازوؤں سے آپ کے تھا بہہ رہا　　کوشش ناکام میں گھوڑا اگر تھا بڑھ رہا

آرزو یہ تھی کہ پیاسوں کو کبھی پانی ملے!
ننھے سینوں میں دل پر کچھ نہ کچھ ٹھنڈک پڑے

اس طرف خیمے سے باہر تھی نظر سب کی جمی　　دیکھتے تھے ننھے بچے بھی لگا کر ٹکٹکی
پیاس پانی کے تصور سے تھی زیادہ بڑھ رہی　　لیکن اب مایوس دل میں تھی بجھا امید کی

کہ ایکا یک شور اک انہوں نے کانوں سے سنا
اور منظر بھی عجب سا اک نظر میں آ گیا

یہ علمدار آ رہا ہے علم اس کا کہاں　　اور یہ آواز گیا کانوں میں آئی ناگہاں
بکتا عمر و سعد ہے جانے نہ پائے یہ جواں　　چھید دو تیروں سے ہی مشکیزے کو فی الفور یہاں

اور یہ عباس کا مٹنا ہی نظر آتا ہے اب
ختم اس کو بھی کر دو یہ کیوں نظر آتا ہے اب

عمرو بن حجاج نے ماری وہ ازلی اک شقی　　پے بہ پے تیروں کی بارش اس طرح سے اس کی
اب نہ مشکیزے میں تھی اک بوند پانی کی رہی　　تیر کچھ پیوست تھے عباس کی آنکھوں میں بھی

آ گیا نزدیک اک کافر کہ ڈر اب کچھ نہ تھا!
پھٹ گیا سر اس طرح کا وار موذی نے کیا

پارہ پارہ جسم کو لانا بڑا مشکل ہوا　　پر امام پاک نے اکبر کو ساتھ اپنے لیا
پرزہ ہائے جسم اطہر کو وہ سب لے آئے اٹھا　　تو ذکیہ حرم پاک عباسؓ نے رو کر کہا

پیاسے بچو! صبر پہ ہی اپنے راضی ہے خدا
نہ ملا پانی نہیں، نہ پانی والا ہی رہا

حضرت عباسؓ تھے یا رب اک کڑیل جواں　　اس شہادت پہ تھے سارے ہوئے مرثیہ خواں
حادثہ روح فرسا تھا، تھی غم کی داستاں　　کربلا کرب و بلا تھی الحفیظ اور الاماں

کیسے کیسے اس زمیں میں تھے دفنے ہوئے
دفن تھے حق کی صداقت کے نگینے ہوئے

حضرت علی اکبرؓ کی تیاری

دفن سے فارغ ہوئے جب آئے خیمہ میں یہاں　　پہنتے ہتھیار تھے حضرت علی اکبرؓ جواں
شہربانو رو پڑیں کہ صدقے جاوے تیری ماں　　کون ہے سر پر ہمارے اور کس کی ہے اماں
کیا ابھی باقی ہے کچھ اے آسماں میرے لئے
کیا ہے اک دارالمحن ہی یہ جہاں میرے لئے

یہ کہا حضرت علی اکبر نے باشیریں زباں　　یہ کہیں گے سب کہ ماں تھی دخترِ نوشیرواں
ہاشمی خوں پر اثر اس کا ہوا ہے بے گماں　　اس لئے ہی چھپ کے یہ بیٹھا رہا خیمہ میں واں
باپ تو خنجر بکف میدان میں تنہا آ گیا
اور بیٹے کی رگوں کا خون ہی تھا جم گیا

یا دلِ ناخوش سے دی اجازت ماں نے تب　　کہتے تھے حضرت علی اکبرؓ یہ اپنی ماں سے اب
سرخرو ہوتی بہادر قوم کی مائیں ہوں تب　　بھیج دیں میدانِ جنگ میں ہنس کر بچوں کو جب
پھوپھی نے عون و محمد ہنس کے بھیجے جس طرح
مجھ کو امی جان بھیجیں ہنستے ہیں آپ اس طرح

اس جواں بیٹے کا عزمِ سرفروشی دیکھئے　　حیدری خوں ہے رگوں میں گرمجوشی دیکھئے
شہربانو مادرِ کی صبر کوشی دیکھئے　　اس عمر میں نوجواں کی حق پروشی دیکھئے
سن اٹھارہ سال ہے سارا ہے سیں ہیں بھیگتی
زندگی شرب پہ جوانی ہے ہمیشہ رہتی

یہ گھرانہ یہ گھرانہ تھا رسول اللہ کا　　جو زمیں سے آسماں تک تھا فقط اللہ کا
شان تھی تطہیر و آیاتِ نہ یہ آلودہ تھا　　ذاتِ حق میں محو تھا زندہ تھا اور پائندہ تھا
دو جہاں میں زندہ قوموں کی یہی تو شان ہے
جذبۂ حقانیت سے مست ہر انسان ہے

زندہ رہتی زیرِ گردوں ہے وہ قوم باوقار　　جذبۂ حق سے جو ہوتی راہِ حق پر ہو نثار
التزام کائناتِ حق کا بن کر رازدار　　کرتی ہے اس راز کو سارے جہاں پر آشکار
سرفرازیٔ حق کا جب کسی کو ہے ملا

تو وہ ہوتا ہے شہیدوں کے لہو کا خوں بہا

زندگی ہوتی نہیں ہے جسم سے یا جان سے زندگی ہوتی فقط ہے روح اور ایمان سے
روح آلودہ کے انساں ہوتے ہیں حیواں سے پاک انساں بندگانِ خاص ہیں یزدان کے

بعد مردن اس لئے ہی زندہ رہتے ہیں شہید
کہ وہ پاتے ہیں حیاتِ جاودانی اک مزید

آیئے پھر ذکر ان زندہ دلوں کا کیجئے بے ثباتیٔ جہاں سے کچھ سبق تو لیجئے
کفر کو ایمان پر غالب نہ ہونے دیجئے پھر تو ہے قسمت اگر جام شہادت پیجئے

دیکھئے میدان میں ہیں پھر کھڑے حضرت حسینؓ
راحتِ روح محمدؐ اور علیؓ کے نور عین

دیکھی بھائیوں کی شہادت اپنی آنکھوں سے سبھی قتل دیکھا ان کے بیٹوں کا انہی آنکھوں سے ہی
بہن کے دو لال ہو کر لال آئے تھے ابھی جھیلنے والی یہ سب کچھ اک اکیلی جان تھی

ہو رہا تیار اب بیٹا ہے یہ تیرا حسینؓ
صبر کی ہے انتہا یہ حوصلہ تیرا حسینؓ

تو ہے وہ مہمان تیرا میزبان کوئی نہیں اس وطن میں آج تیرا پاسباں کوئی نہیں
مونس و غمخوار و ہمدم ہم زباں کوئی نہیں آہ! شاید اس زمیں کا آسماں کوئی نہیں

کون ہے بیمار عابد کا یہاں تیمار دار
فاتحہ خواں یا شہیدوں کا ہے کوئی غمگسار

خلق عالم میں بھلا تجھ سے ہے بہتر اور کون ہے مراتب میں بلند و بالا برتر اور کون
ہو سکے گا تا قیامت تیرا ہمسر اور کون ہے خدا کو اور نبی کو تجھ سے خوشتر اور کون

مختصر یہ! تو ہی تو ہے باعثِ تکوین کون
حوصلے یہ تو ہی نہ کرتا تو کرتا اور کون

عمر ساری کی کمائی اک جواں بیٹا ہے یہ آرزوؤں کا ہے مرکز دل کا اک ٹکڑہ ہے یہ
جنگ کے میدان میں یوں اسطرح جاتا ہے یہ گویا اپنی موت سے خود آپ ٹکراتا ہے یہ

بڑھ رہی تھیں حد سے لیکن کفر کی سرگرمیاں
بالمقابل جا کے اب وہ ہو رہا تھا رجز خواں

کوئی بھی اکثر تھے اب تک آپ سے نا آشنا　　شامیوں نے حضرتِ اکبر کو دیکھا تک نہ تھا
شاہزادے کو بہت بندوں نے پہچانا نہ تھا　　اس لئے اک دوسرے سے ہر کوئی تھا پوچھتا

چاند کا ٹکڑا یہ پردے سے نکل آیا کہاں
جنگ کا میدان کہاں یہ نور سرتا پا کہاں

کوئی کہتا تھا کہ صورت میں ہے تمثیل نبیؐ　　یہ علی اکبر ہے بیٹے ابنِ حسینؑ ابنِ علیؑ
بعد پیغمبر کے جب دل میں کبھی اٹھتی ہوک سی　　انکے نظارے سے کھل جاتی تھی گویا دل کی کلی

اس کی صورت میں محمدؐ کی جھلک ہے آشکار
سوختہ جاں دیکھنے سے اس کو پاتے ہیں قرار

اس طرح ترتیل سے حضرت پڑھا کرتے قرآں　　کہ صحابہ شوق سے آکر سنا کرتے وہاں
پھول ہی جھڑتے دہن غنچہ ساں سا کھلتا تھا جہاں　　تھا تکلم میں محمدؐ کا ترنم سے گماں

سارا قالب تھا محمدؐ ہی کے سانچہ میں ڈھلا
جو کہ اب اندھوں کو دشمن ہی نظر تھا آ رہا

ہو رہی زینب ادھر تھیں اب زیادہ بیقرار　　اور کچھ فرطِ محبت کے اثر سے اشکبار
اپنے بچوں سے زیادہ ان کا رکھتی تھیں پیار　　مانگتی تھیں یہ دعائیں ہاتھ اٹھا کر بار بار

پیارے اکبر! لاج ناموسِ محمدؐ کی رہے
کربلا میں راہِ حق پر اسطرح سے جاں لڑے

دیکھتی تھی دم بخود اکبر کو دشمن کی سپاہ　　لڑنے آیا تھا اب اس سے کیا یہ زندگی سے تھا
چندھیا جاتی ہے چمگادڑ کی سورج پر نگاہ　　دھندلکے میں ہی لگا تا ٹکریں ہے روسیاہ

اس طرح ہی سب عدو تھے محو حیرت ہو رہے
اور حیرانی میں ہی گویا تھے یہ سب کھو رہے

کہ مبارز کی طلب اکبر نے خود تدبیر سے　　گونج اٹھا میدان اس کے نعرۂ تکبیر سے!
پر نہ آیا کوئی لڑنے آپ کی تنویر سے　　ڈرتے شاید تھے یہ سب اپنی بری تقدیر سے

قلبِ لشکر میں یہ خود ہی گھس پڑا آخر وہاں
ڈھونڈتا تھا عدو کو تھا یہ شیر انکے درمیاں

ہر طرف یہ کاٹتا پھرتا تھا اعدا کے گلے　　بہ رہا ہر سو تھا ان کفار کا گندہ لہو

اُلٹتا پھرتا رہا ان کی صفیں یہ چارسُو کر رہا تھا اک قیامت ہی بپا یہ خوب رُو
بھاگ دوڑ ایسی ہوئی کہ ہو رہی تھی تشنگی
تشنگی شدت کی تھی اور انتہا کی تشنگی
واپس آیا خیمہ میں پوری شجاعت سے جواں صاف ہی بچ کر نکل آیا تھا ان سے ناگہاں
کہہ رہا تھا جان پہ میری بنی ہے ابا جاں پیاس سے نکلی ہی جاتی ہے بدن سے میری جاں
تھا کہاں پانی کہ مل سکتا انہیں کچھ اس گھڑی
پاس ان کے تھی رسولِ پاکؐ کی انگشتری
چہرہ اکبرؓ کا کیا صاف آپ نے رومال سے آپ نے دی انگوٹھی منہ میں اپنے لال کے
برکتِ انگشتری سے پیاس اپنی ٹال کے پھر پھیر کر شیر وہ پلٹا تھا اچھے حال سے
آ کے عمرو سے کہا، آ یا المقابل لعنتی!
جنتی کا ہے تو اک ناخلف بیٹا دوزخی
طیش تو آیا یہ سن کر عمرو بے ایمان کو طیش میں آئی نہ غیرت لیکن اس شیطان کو
غیرت آیا کرتی ہے کب طمع خور انسان کو مکر سے بلکہ جتاتا ہے وہ یوں احسان کو
اس جوانی پر تری اکبر! رحم کھاتا ہوں میں
گر کہا مانے تو یہ انعام دلواتا ہوں میں
گر معافی مانگ لو مجھ سے تو ہے یہ خوب تر میں مہرباں ہونگا تم پہ اور رہے نہ کوئی ڈر
پھر خلیفہ کی طرف سے بھی نہ ہوگا کچھ خطر کوئی ذکر دے نہ آزار اور نہ ہو کوئی ضرر
باغیوں کو جو سزا ہے مل چکی وہ دیکھ لو
آزما لو! مہربانی بھی ہماری دیکھ لو
دیکھ لو عبید کا پروانہ ہے اب ہی ملا مجھ پہ خوش ہو کر یہ اس نے کس خوشی سے ہے لکھا
پانی کر کے بند دشمن پہ ہوئے غلبہ کیا کیسی خوبی سے یہ میداں فتح تم نے کر لیا
باغی باقی جو ہیں کانٹا انکا بھی تم دو نکال
ختم کرتے ہی عراقی سلطنت کو لو سنبھال!
بیٹا باغی کا ہے تو پر دیکھ یہ میرا کرم یہ جوانی دیکھ کر ہے آرہا مجھ کو رحم
ہے نظر آتا مجھے تو سمجھدار اور ذی فہم اس طرف آجاؤ تو کہتا ہوں میں کھا کر قسم

نظرِ بد تم پہ اٹھائے کوئی کیا اس کی مجال
میری شفقت اور مروت تم پہ پھر ہوگی کمال

یہ خدا معلوم بکنا تھا ابھی کیا کچھ اسے — ہو گئے بے تاب اکبر اور یہ فرمایا اسے
بند کر اپنی زبان ناری ! ہے سمجھاتا کسے — بھونکتا تو ایک کتا ہے میں سمجھا ہوں اسے

تیری اس بکواس سے سینہ ہوا ہے داغدار
شرم بھی نہ آئی کرتے گفتگو سے دل آزار

کیا سمجھتے ہیں ترے پانی کو اور دریا کو ہم — دنیائے فانی کی تکلیفات کا کیا ہم کو غم
کیا نہیں ہے دیکھتا اللہ کا ہم پر کرم — سہہ رہے ہیں صبر سے خود دکھاں ظلم و ستم

شکوہ آیا بھی زباں پہ ہے کسی انسان کے
اُف زباں پر ہے جواں کے یا کسی نادان کے

پھوپھی کے بچوں کی دیکھی تو نے یا مردی نہیں — بھائی قاسم کی بھی کچھ یہ تھی جوانمردی نہیں
فوج تیری ختم تھی انہوں نے کیا کر دی نہیں — اور اب یہ رخ پہ تیرے بھائی کیا زردی نہیں

لے سنبھل ! آتا ہوں میں تجھ کو بتاتا ہوں پتہ
کتنے پانی میں ہے تو اس کا لگاتا ہوں پتہ

کہہ کے اتنا شیر کی مانند گرجا نوجواں — اور تہہ تیغ آدمی پانچ اس نے کر ڈالے نہاں
شمر بولا ! عمر و ہم میں اس قدر ہمت کہاں — یہ کہا اور ہو گیا نظروں سے فوراً ہی نہاں

آدمی دو اور اکبر نے یونہی پھر لے لئے !
گر رہی لاشیں تھیں اب کچھ اور وار ایسے کئے

ایک تھا ابنِ سلیماں عرف سے معروف تھا — لے کے اک تلوار و نیزہ بالمقابل آگیا !
یہ کہا میں عرف ہوں، بیٹا ہوں میں اس باپ کا — قتل دادا نے ترے اک جنگ میں جس کو کیا

آرزو مدت سے تھی لونگا میں اسکا انتقام
آج اسکا ہو گیا ہے اتفاقاً انتظام

کہہ کے اتنا کر کے پتلے نے وار ایسا کیا — بایاں کندھا حضرت اکبر کا زخمی کر دیا
زخم گہرا تھا کہ اس سے خون ہی بہنے لگا — اور عمر و حضرت اکبر سے یوں کہنے لگا

فیصلہ عرف اور علی کا ہو گیا ہے اے حسین

چاہیئے کہ باپ کی امداد اب کریں حسینؑ

حضرتِ اکبر نے فرمایا یہ نابنجار سے	کہ زباں کو روک لے ایسی بُری گفتار سے
عرف کو زخمی کیا حضرت نے برچھا مار کے	بائیں زخمی ہاتھ سے ہی کاٹا سر تلوار سے

سر کو نیزہ پر اٹھا کر پھر یہ حضرت نے کہا
کس کے حق میں فیصلہ عمرو ہوا ہے یہ بتا !

اور اب خود سامنے آ تو مرے اے نابکار	اپنی اس بکواس سے ہوتا نہیں ہے شرمسار
کی تھی بے ادبی امامِ پاک کی ہے یاد یار	تو وہ ناپاک ! تجھ پر ہو جہنم شرربار

ایک ٹکڑا سر کا ہی دنیا میں ہوگا مرحمت
آ ! تجھے سارے جہنم کی میں دونگا سلطنت

بالمقابل جانے کی ہمت کہاں تھی وہ گیا	اس قدر بکی کہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا
طارق ابن شبیث تھا جو تیل اس سے یہ کہا	دو نگا رقہ اور موصل کی حکومت میں دلا

بڑھ کے گر تلوار سے سر اس جواں کا کاٹ لو
تو مزے سے زندگی کے دن جہاں میں کاٹ لو

کھو گیا طارق ہوس میں جب یہ دیکھا سبز باغ	جھپٹا نیزہ لے کے اس امید سے تھا باغ باغ
وار خالی ہی گیا، بگڑا گیا اس کا دماغ	اور سنبھلنے کا ابھی پایا نہ تھا اس نے فراغ

مار کر اکبر نے نیزہ، بس نزار و کر دیا
روند ڈالا، موت کی دولت سے پلو بھر دیا

عمرو بن طارق نے اپنے باپ کا دیکھا یہ حال	پُر غضب ہو کر بڑھا تو پا لیا اپنا مآل
دوسرے بیٹے کے دِل پر آیا جب رنج و ملال	چاہتا تھا باپ اور بھائی کا بدلہ لے نکال

گھونٹ ڈالا حضرتِ اکبرؑ نے یوں اسکا گلا
باپ اور بھائی کی طرح سیدھا دوزخ کو گیا

جھپٹ کر مصراع بن غالب تھا اب آگے بڑھا	وار شدت سے کیا نیزہ کا، پر کاٹا گیا
ہاتھ میں تلوار لے کر بیہودہ تھا اب نوفلا	حضرتِ اکبر نے فوراً اس کو دو ٹکڑے کیا

آگئے اب ابنِ نوفل اور حکم بن طفیل
ساتھ لائے تھے ہزار افرادِ جنگی کا [illegible]

اک ہزار اور دو ہیں یہ اب وہ اکیلی جان ہے ہر طرف سے گھر رہا ہے پیاس حیران ہے
لڑ رہا ہے سے کس ہمت کا یہ انسان ہے لو نکل آیا وہ ان سے واہ! کیسی شان ہے
العطش کہتا ہے ابا جی پیاسا ہوں بڑا
تو امام پاک پھر دیتے ہیں انگوٹھی چوسا

پھر علی اکبر جواں ہے، پھر وہی میدان ہے ہو رہا فوج عدو سے کس قدر غلطان ہے
انتہا زخموں کی ہے اور خون کا جریان ہے گھٹ چکی طاقت ہے پہلی سی نہیں اب جان ہے
بہ چکا ہے خون کافی ہو گئی ہے جاں نڈھال
آ گئے نرغے میں ہیں اکبر ہے بچنا اب محال

فوج دشمن کی غضب سے ٹڈی دل تھی چھا رہی اک شکستہ حال پر غالب ہی تھی اب آ رہی
منقذ ابن مرہ نے تلوار سر پر مار دی دوسرے ملعون نے برچھی جگر کے پار کی
ہو کے بیدم شاہزادہ پشت زیں سے گر پڑا
یا ابا ادرکنی کی آواز آئی بے خطا

ننھے اٹھارہ سال کے حضرت علی اکبر جواں جن کے ہاتھوں مر گئے اک سو بیاسی پہلواں
یہ ننھے نو آموز وہ مشاق سارے بے گماں مادیت کے بالمقابل قوت روحانیاں
بزدلوں سے زندگی کی بھیک کی طالب نہیں
جھوٹ آتا حق پرستوں پر کبھی غالب نہیں

اے مسلمان! خواب غفلت سے ذرا بیدار ہو ارتداد دین کے فتنہ سے تو ہشیار ہو
تو غلامیٔ علی اکبر کا دعوے دار ہو جذبۂ حقانیت سے دائماً سرشار ہو
کر گئی مدغم اگر باطل کی تجھ کو مادیت
تجھ کو حاصل ہو نہیں سکتی کبھی روحانیت

بیٹے کی آواز سن کر باپ خود پہنچا وہاں تھا تڑپتا نیم بسمل خاک پر وہ نیم جاں!
دستور ہے تھے زخم اسکے باپ کے اشک رواں سننے والا کون تھا اب درد دل کی داستاں
اب تلک جو بال ننھے سارے محاسن کے سیاہ
ہو گئے سارے سفید اک دم میں غم سے آہ آہ

وہ جواں بیٹے کا لاشہ لایا کندھے پر اٹھا سر کو زانو پر رکھا، بیٹے سے جھک کر یہ کہا

آنکھ کھولو بیٹا اور میری طرف دیکھو ذرا   غم زدہ ماں باپ سے کیا ہو گئے ہو تم خفا

سرخرو بیٹے تو کیسے ہو رہا ہے سرخ رو
جیتا جیتا بہہ رہا ہے جسم سے تیرے لہو

آنکھ کھولی حضرت اکبر نے اور یہ عرض کی   میرے ابا پیاس سے اس وقت بے جاں پڑی
در بہشتوں کے کھلے ہیں، آنکھ ہے یہ دیکھتی   دیکھئے حور و جناں ہیں مجھ کو باندھے ٹکٹکی

جام شربت کے بڑھاتے ہیں پلاتے ہیں مجھے
اب حضور پاک بھی دنیا سے رخصت دیں مجھے

خون کثرت سے بہا اور تر ہوئے کپڑے تمام   چہرے کی زردی تھی گویا موت کا ہی اک پیام
منتشر سا ہو گیا تھا زندگی کا سب نظام   کلمہ توحید پڑھ کر کہ دیا سب کو سلام

مٹ گیا سینے سے اب ہچکیوں کا زیر و بم
آ لگی کشتی کنارے ختم تھا سفرِ الم

حضرت زینبؑ کو اکبرؓ سے محبت تھی بڑی   سر سے دیکھیں خون کی دھاریں جو ایسے بہ رہی
روتے روتے گر پڑیں اور ہو گئی ان کو غشی   شہر بانو بھی برابر ہی کھڑی تھیں رو رہی

اس قدر آلام و غم میں آج درپیش حسینؑ
خون میں لتھڑا جواں بیٹا ہے اب پیش حسینؑ

کہہ رہی تھیں فاطمہ کبریٰ بھی رو کر الوداع   پیارے بھائی! پیارے پردیسی مسافر الوداع
اے غریب الوطن بہنوں کے برادر الوداع   اے دلاور شیر! میداں کے بہادر الوداع

اے ہمارے چاند! ہمشکل پیمبر الوداع
الوداع میرے مہاجر بھائی اکبر الوداع

رو رہے تھے خیمہ کے اندر سبھی خورد و کلاں   آہ و زاری کر رہے تھے سب یہ مصروف فغاں
غل عباس جری کی صدا کانوں میں آئی ناگہاں   تھام کر آنکھوں سے اپنی اشک کا سیل رواں

یہ کہا حضرت نے اکبر اب اجازت دو مجھے
جس طرح میں نے خوشی سے دی اجازت تھی تجھے

حضرت علی اصغرؓ کی شہادت

دفن کر کے آئے اکبر کو جو حضرت پُر ملال شہر بانو نے کہا، اصغر مرا ننھا سا لال
پیاس کی شدت سے بالکل ہو رہا ہے اب نڈھال منکا گردن کا ڈھلا ہے جینے سے ہے عیز حال
التجا ہے آپ سے اسکو اگر لے جایئے
دشمنوں سے پانی لینے کے لئے فرمایئے

ہے یقیں معصوم پر ترس آئے گا ان کو ضرور دشمنی تو ہم سے ہے ننھا ہے اس میں بے قصور
ننھے بچے کو بھلا ہے دشمنی کا کیا شعور وہ سمجھتے کیا نہیں دے دینگے پانی بالضرور
سال بھر کا بھولا بھالا پیارا ہے جان سے!
کیا دیکھینگے اس سنے ہی وہ اسکو پانی جان کے

عمر بھر میں آپ سے اک آرزو کی ہے شہا! مرتے دیکھے کس طرح بچے کو ماں کی مامتا
مرگئی ہیں انکھیاں تکیے پہ سر لٹکا ہوا خشک چھاتی میں تھا تھوڑا دودھ وہ بھی سکھ گیا
گر پڑا ہے حال ہو کر ہے مرے ہاتھوں سے آب
جا رہا ہے لال پیاسا ہی مرے ہاتھوں سے آب

دیکھ کر بچے کو سب جاتا رہا دل کا قرار بیقراری اس کی دیکھی ہو گئے خود بیقرار
گود میں بچے کو سنبھالا کیا اس سے پیار یہ امیدی تھی نہ دینگے پانی دشمن نابکار
پاسداری آپ پر واجب تھی حرم پاک کی
کچھ تسلی کرنی تھی آخر دلِ صد چاک کی

دے لیا اصغر کو حضرت نے عبا کا پیرہن جس ڈالے گرم لو تا کہ نہ نازک سا بدن
کہہ رہی تھیں حضرتِ زینبؓ بہ رو رو کر سخن یا الٰہی خیر سے واپس پھرے یہ سیم تن
پانی کیا ملنا ہے، پانی سے ہمارا صبر ہے
جان ہی ننھے کی دشمن سے بچے تو شکر ہے

مامتا کی آنچ سے ہے شہر بانو بیقرار عقل پر غالب ہے بچے کی محبت کا شرار
مارنے پہ ہم کو دشمن کھائے بیٹھا ہے ادھار یا الٰہی پیارے اصغر پہ میں صدقے بار بار
پیا لیے بھائی! دشمنوں میں اس کو نہ لے جایئے

رحم میرے حال پہ ہی آپ کچھ فرمایئے

سیاہ دل دشمن کے سینے میں محبت ہے کہاں اور عمرو سے کمینے میں مروت ہے کہاں
کفر کے گندے خزینے دل میں شفقت ہے کہاں دوزخیوں کے قرینے میں تلطف ہے کہاں
میری رائے ننھے کے لے جانے میں مثبت نہیں
بھاوج کے دل کو تسکیں ہو تو پھر حجت نہیں

بڑھ رہی تھیں شہر بانو کی ادھر بے تابیاں کر رہی تھیں حضرت زینب سے خواب اپنا بیاں
آسماں سے اڑتا اڑتا اک عقاب آیا یہاں لے گیا پنجے میں جو اصغر کو آکر ناگہاں
پیاس سے بیحال ہو کر اونگھ آئی تھی مجھے
چونک اٹھی ڈر کے مارے خواب ایسا دیکھ کے

لے کے بچے کو امام پاک گھوڑے پر چڑھے سنگدل بے رحم سے ننھے رحم لینے کو چلے
دیکھ کر حضرت کو دشمن نے لگائے قہقہے لائے مشکیزہ چھپا کر ہیں یہ پانی کے لئے
ہو کے اب مجبور آئے ہیں حسین ابن علیؑ
یہ کہا عمرو نے پانی ہم نہیں دیں گے کبھی

پانی کو نایاب کر دینے پہ ہے دار و مدار اور ہماری کامیابی کا اسی پہ انحصار
پیاس ہی مجبور ان کو کر رہی ہے بار بار کر کے استکبار کہتا تھا یہ عمرو ناہنجار
پانی دینے سے تمہارا اس طرح انکار ہو
کہ حسینؑ اور مشک دونوں میں سے ناوک پار ہو

ہاشمی ہو یا قریشی ہو کوئی سردار ہو جو نبیؐ کے خانداں سے برسر پیکار ہو
اہل بیت اطہار کے جو درپئے آزار ہو ہے صریح کافر جو یوں اسلام سے بیزار ہو
عمرو بیٹا سعد بن وقاصؓ کا تو تھا ضرور
حب دنیا سے مگر اندھا ہوا تھا بے شعور

سامنے عمرو کے اب ننھے آ چکے حضرت امام ہاتھ سے دامن اٹھا کر یوں ہوئے تھے ہمکلام
عمرو! تجھ کو شہر بانو نے دیا ہے یہ پیام ترس آنا صاحب اولاد کو ہے لا کلام!
تشنگی سے ننھے بچے نے نکالی ہے زباں!
حلق میں کانٹے پڑے ہیں دیکھ لو آ کر یہاں

جینے کے آثار تو اس کے ہیں کچھ مبہوم سے رونے کی آواز بھی آتی ہے کم حلقوم سے
آپ ہی پانی پلا دو حلق میں معصوم کے ان کے منصوبے مگر حضرت کو نامعلوم تھے
ساری باتوں کا جواب اس نے دیا یہ آشکار
زندہ جانے نہ علی اصغر یہاں سے زینہار

سُن کے عمر و سعد نامسعود کی یہ گفتگو چاند اپنے کو چھپانے کی ہوئی تھی جستجو
حرملہ بن کاہل مردود کی گندی تھی خو تیر مارا اک عقب میں سے جو اس نے دو بدو
ننھے سے حلقوم کو تھا پار ہی وہ کر گیا
اور امام پاک کے بازو میں آکر گڑ گیا

حرملہ بولا حسینؑ! اب آگیا تم کو یقیں تیرے بچے کو رہی پانی کی کچھ حاجت نہیں
کارگر تھا تیر میرا، حلق ہے تر بالیقیں سرخ رنگ پانی گلے میں بہ رہا ہے یا نہیں
صبر سے بولے امام پاک حضرت مستطاب
روزِ محشر دینگے ہم اس بات کا تمکو جواب

باپ کے ہاتھوں میں بیٹے نے تڑپ کر جان دی دودھ جو ماں کا پیا تھا اسکی بیرالکائی کی
جان توڑی اور کچھ تکلیف سے انگڑائی لی آنکھ کھولی باپ کو دیکھا اور اپنی راہ لی
بے کسی کا حال آنکھوں میں ہی بتلایا تمام
کھینچتے تھے ہاتھ سے اب تیر کو حضرت امام

تیر نکلا، جسم سے حضرت کے کافی خوں گیا ایک چلو میں لیا یہ خون حضرت نے کہا
ناقہ بجیل کے خوں سے خوں ہے ارزاں مرا کہ عوض پانی کے ہی خون میرے بچے کا بہا
تجھ سے ہی داد و دہش ہے تجھ سے ہی فریاد ہے
کربلا میرے لئے دنیا میں غم آباد ہے

لاش علی اصغرؑ کی لے آئے تھے اب خیمہ میں یاں دیکھ کر معصوم کو تھیں رو رہی سب بیبیاں
کربلا کی داستاں پہ خون کی تھیں سرخیاں اپنی نوعیت کی بس یہ ایک ہی تھی داستاں
نہ کبھی پہلے ہوا تھا اس قسم کا واقعہ
اس سے بڑھ کر اور نہ ہوگا جہاں میں حادثہ

تاقیامت ہونگی برپا کربلائیں اور بھی آفتیں آئیں گی سر پہ اور بلائیں اور بھی

روئیں گی گو اپنے بچوں کو تو مائیں اور بھی چھائیں گی رنج و بلا کی گھٹائیں اور بھی
اس طرح کا ظلم پر انساں نہ دیکھیگا کبھی
اس طرح کی کربلا ہوگی نہ پھر برپا کبھی

آہ ! عمرو سعد کے ایمان کی افسردنی یہ درندہ پن بہیمی اور یہ دل مُردنی
اہل بیت اطہار کے بچوں سے بھی آزردنی پہلوِ اسے لال کی بھی اس نے کی گردن زنی
ظلم بھولیگا نہ اس کا امت مرحوم کو
تا قیامت روئے گی معصوم کو مظلوم کو

قاصدِ صغریٰ کا ورود

دفن کرکے بچہ کو تھے آرہے عالی تبار سامنے سے آرہا تھا سانڈنی پر اک سوار
خاک سی کپڑوں پر تھی چہرے پہ تھا گرد و غبار ہے مسافر دُور کا یہ حال سے تھا آشکار
انتقام علی اصغر کے لئے تیار تھے
اجنبی کو دیکھ کر حضرت وہاں ہی رُک گئے

دیکھ کر بازو پہ حضرت کے علامت خون کی حضرت زینبؑ نے بُوا کر تھی پٹی باندھ دی
آئے پھر خیمہ سے باہر حضرتِ حق آگہی اُس مسافر اجنبی نے اب بٹھائی سانڈنی
پاس آکر چومتا حضرت کے دونو ہاتھ ہے
ہو رہے حیران ہیں سارے کہ یہ کیا بات ہے

گر کے قدموں پر کہا حضرت یہ کیا ہے ماجرا اپنی آنکھوں سے ہوں نقشہ کس طرح کا دیکھتا
آپ کا چہرہ ہے فرطِ غم سے کیوں اُترا ہوا ہر طرف کپڑوں پہ کیسا خون ہے یہ لگ رہا
کربلا میں آپ کب سے ہو رہے ہیں خیمہ زن
سامنے یہ اس قدر کس کی ہیں فوجیں موجزن

میں تو کوفہ میں ہی آیا تھا کہ ہونگے آپ واں کیفیت کچھ اور ہی واں کی ہوئی مجھ پہ عیاں
کوفیوں کی ہو چکی ہیں سرد سب سرگرمیاں وہ یزیدی بیعت پہ ہیں متفق خورد و کلاں
میں تو اک بچی کے دعدے پر ہوں آیا یاں حضور
کو وہ آنے میں مرے دل نے ہے پکڑا کچھ قصور

بیقراری ہو رہی ہے مجھ کو کچھ بتلایئے معاملہ کیا ہے یہ سارا آپ کچھ فرمایئے
میں تو کچھ سمجھا نہیں ہوں آپ ہی سمجھایئے ہے یہ سب ماحول کیا کچھ مجھے سلجھایئے
میں فقط ایفائے وعدہ کیلئے آیا یہاں
دیکھ کر یہ حال میری بڑھ گئیں حیرانیاں

یہ کہا حضرت نے بھائی بات تو نے کیا کہی کس سے ہے وعدہ ترا، ایفا ہے کس کی لاڈلی
آیا تو ہے کس طرف سے، ہے کہاں منزل تری اور یہاں آنے کی یہ تکلیف تو نے کیوں ہے کی
شرف بخشا تو نے مہمانی کا اس انسان کو
آج دے سکتا نہیں پانی بھی جو مہمان کو

عرض کی قاصد ہوں صغریٰ فاطمہ کا میں حضور جو تڑپتی ہے مدینہ میں پڑی اب بے قصور
آہ! اس بیمار سی بچی کا نوکر ہوں ضرور جس نے سیکھا بر لب راہ انتظاری کا شعور
یہ عمر، یہ اس کی تنہائی یہ شدت کا بخار
اس پہ طرہ سارا دن رستے پہ کرنا انتظار

ایک مدت سے یہ اس بچی کا شیوہ ہی رہا ننھے دل پر ساتھ نہ لانے کا شکوہ بھی رہا
راہ گیروں سے ہمیشہ یہ تقاضا ہی رہا بات سن جانا کدھر کو تو ہے بھائی جا رہا
آہ! ابا کی طرف جاتا نہیں ہے کیوں کوئی
میرا احوال زار بتلاتا نہیں ہے کیوں کوئی

خود مرا بچہ تھا اک بیمار میں اس کے لئے جا رہا تھا راہ پہ ہی دودھ لینے کے لئے
دیکھ کر مجھ کو کھڑے بچی نے ہاتھ اپنے کئے سانڈنی سے میں اتر آیا یہ حالت دیکھ کے
پیار سے پوچھا کہ بی بی کہتی ہے مجھ سے تو کیا
رو کے بتلایا مجھے اس نے یہ سارا ماجرا

ہچکیاں لے کر کہا صغریٰ ہیں سب کہتے مجھے آنے جانے والے سب مجھکو ہیں یاں پہچانتے
کہتی تو ہوں پہ کوئی سنتا نہیں نالے مرے میں اکیلی ہوں نہیں یاں کوئی گھر والے مرے
وعدہ مجھ سے کر گئے ننھے تم کو بلوائیں گے ہم
تجھ کو لے آنے کی خاطر بندہ بھجوائیں گے ہم

نہ دوا ہے نہ غذا ہے نہ ہے کوئی آسرا سخت ہوں بیمار اور گھر میں اکیلی تن تنہا

ہائے ابا نے کیا نہ یاد بھائیوں نے کیا — محو ہے دل سے چچا عباسؑ نے بھی کر دیا
آنسوؤں سے خط یہ لکھا ہے کہ ان کو بھیج دوں
کون لے جائے گا خط لیکن میں اب حیران ہوں

باتیں کرتے ہی ہوئی خاموش وہ حضرت حسینؑ — میں نے جب دیکھا تو تھی بیہوش وہ حضرت حسینؑ
تپ کی شدت میں کہا ہائے حسینؑ ابا حسینؑ — مر ہی جاؤں گی یہاں رو پیٹ کر تنہا حسینؑ
اب نہ آؤ گے تو میری قبر کو ہی پاؤ گے
نہ بلاؤ گے مجھے ایسا ہی کیا ترساؤ گے

جب سہارا دے کے بٹھلایا تو جلتا تھا بدن — اور بدن کے ساتھ ہی جلتا تھا سارا پیرہن
تپ کی شدت سے بہت لاغر ہوئی ہے سیم تن — آپ کی بچی ہے گھٹتی جا رہی اب دن بہ دن
اسکے ایسے حال نے دل مضطرب سا کر دیا
بے کسی یہ دیکھ کر اک تیر سا دل پر لگا

کہہ رہی تھی راستہ ہی مجھ کو دکھلا دے کوئی — کس طرف ابا ہے مجھ بیکس کو بتلا دے کوئی
اس طرف یا بھائی اکبرؑ کو ہی بلوا دے کوئی — یا مرض کی ہی دوا ہمدرد منگوا دے کوئی
کس سے جا کر ماجرا اس دردِ دل کا میں کہوں
جان پہ بیچارگی کے کب تلک صدمے سہوں

یا حسینؑ اس حال پہ دل کو مرے صدمہ ہوا — کہہ رہی صغریٰ نہیں، بھائی پاس میرے شے ہے کیا
مجھ کو کپڑے دے رہی تھیں میری محنت کا صلہ — کہہ رہی تھیں جلد ہی جاؤ تو ہو گا حوصلہ
یوں کیا قاصد نے رو رو کر بیاں سب ماجرا
پھر ٹٹولا جیب کو، حضرت کو پھر وہ خط دیا

اب فقط ہیں ہڈیاں ہی اس کی باقی یا حسینؑ — آپ کی بیمار بچی تھی رٹن تنہا حسینؑ
بلبلا کر کہہ رہی تھی آ حسینؑ اب یا حسینؑ — حال یہ دیکھا گیا مجھ سے نہ تھا اصلا حسینؑ
سب سے پہلے فرض جانا اسکا خط لانا یہاں
اور جو حالت تھی اس کی میں نے سب کر دی عیاں

خط لیا اس سے امام پاک نے پھر یہ کہا — پہلے [illegible] طرح شکریہ تیرا ہو ادا
تو مری بیمار بچی کا ہے نامہ بر بنا — اور میں [illegible] ہوں جانتا ہے بس خدا

تیسرے دن سے نہیں پانی میسر ہے ہمیں
شرم آتی ہے یہاں ہم کیا تری خدمت کریں

ہو چکا ہے ختم سارا خاندان اور سب رفیق　　کربلا میں آج تو کوئی نہیں اپنا شفیق
یہ تو ہے مشہور کہ ہم خاندانی ہیں خلیق　　جانتے ہیں سب ہمارے خلق کا جو ہے طریق

کیا تواضع ہو تری اس حال پہ ہوں شرمسار
آج اس میدان میں کوئی نہیں ہے غمگسار

عہد کرتا ہوں میں تجھ سے کربلا میں زینہار　　میہمانی ہے تری روزِ قیامت تک اُدھار
مجھ سے بڑھ کر آج گو کوئی نہیں ہے سوگوار　　حوضِ کوثر پہ مجھے ہوگا مکمل اختیار

آبِ کوثر میرے ہاتھوں سے نہ پئیگا کوئی
جب تلک سیراب میں تجھ کو نہ کرلوں اس گھڑی

نامہ برا جو نام نامہ میں ہیں صغریٰ نے لکھے　　پارہ پارہ جسم ان کے دیکھنا وہ ہیں پڑے
سارے صغریٰ کے عزیز اور اسکے سب چھوٹے بڑے　　بے کفن بے گور کیسے جلتے ہیں سب پڑے

گو کفن اور دفن کو رسماً کیا پورا ضرور
لاشے سب میدان میں بکھرے پڑے ہیں دُور دُور

پیارے اصغر کو اس نے یاد کیسے ہے کیا　　اس پہ گزری کیا ہے صغریٰ کو ہے کیا اسکا پتہ
نیم جاں تو پہلے ہی وہ پیاس سے تھا ہو رہا　　تیر مارا دشمنوں نے اور اُسے تڑپا دیا

تیرے آنے سے ذرا پہلے لٹایا ہے وہاں
قاسم و اکبر کی لاشوں کے بیٹا ہے درمیاں

پھر گیا نظروں میں سارا منظرِ کرب و اَلم　　خاندانِ مصطفیٰ پہ اس قدر ظلم و ستم
قاصدِ صغریٰ کے دِل کو کھا رہا تھا درد و غم　　اور یہ غم بڑھ رہا تھا ہر قدم پہ دَم بہ دَم

سوگوار آیا ہُوا اب اور بھی وہ سوگوار
بیقراری سے کہا حضرت سے ہو کر اشکبار

یا حضور اب دیں اجازت صبر کا یارا نہیں　　میں بھی ہو جاؤں نثار اب آپ پہ یا شاہِ دیں
عمرو سعد اور شمر کے ٹکڑے اڑا دوں میں یہیں　　ان کو خوف اللہ کا شرمِ رسول اللہ نہیں

یہ جزا دی ہے انہوں نے آپکے احسان کی

یہ قدر سمجھی ہے بلوائے ہوئے مہمان کی

یہ کہا حضرت نے تیری ہو چکی خدمت قبول — تو نے راضی کر دیا بچی کا دل جو تھا ملول
تجھ سے راضی ہے بڑا اللہ اور اسکا رسول — برکتیں دین اور دنیا کی تجھے ہو دیں حصول
قاصدِ صغریٰ نے شکریہ کرتا ہوں ادا
تیری خدمت سے نہیں ہو سکتا میں عہدہ برآ

ہے ابھی اک کام باقی تم نے کرنا ہے شتاب — گھر میں دکھلا کر یہ خط میں اسکا لے آؤں جواب
جلد ہی یاں سے نکل جاؤ کہ دشمن بے حساب — ہر طرف راہوں پہ ہیں بیٹھے ہوئے خانہ خراب
ہوں مزاحم تم سے شاید اور یہیں رہ جاؤ تم
بچی ہو گی منتظر بہتر ہے جلدی جاؤ تم

یہ کہا قاصد نے حضرت منتظر ہیں سب یہاں — خط کو سننے کے لئے بیتاب ہیں خورد و کلاں
پڑھ رہے صغریٰ کا خط حضرت تھے سب کے درمیاں — دردناک انداز میں بچی کا یہ طرزِ بیاں
اس پریشاں حال نے سب کو پریشاں کر دیا
زخم ہائے دل کو اس نے اور افشاں کر دیا

عشقِ تنہائی بھی کیا ہوتی ہے اک سوہانِ روح — جب مرض بھی ساتھ ہی ہو باعثِ خلجانِ روح
جب لگن میں بھائیوں بہنوں کی ہو غلطانِ روح — جسم اپنا پھر نظر آتا ہے اک زندانِ روح
چاہتا ہے دل کہ قیدِ عنصری کو توڑ کر
جا بسے باہر کہیں دنیا سے منہ موڑ کر

خطِ صغریٰ نے قیامت اک نئی کر دی بپا — ہچکیاں لے کر ہر اک نے اسکو رو رو کر سنا
سسکیوں سے باپ نے بیٹی کا خط جس دم پڑھا — تو کتابِ غم کا یہ تازہ بنا اک حاشیہ
وہ وطن میں ہی غریب الوطن ساماں تھی بنی
اس طرف ہر ایک کی اپنی ہی جاں پر تھی بنی

بچوں کی دنیا

یا الٰہی ہو نصیب ہر شخص کو بچوں سا دل — پاک دل معصوم دل بے لوث دل بھولا سا دل
ناآشنا سا تلخیٔ دوراں سے اک سادہ سا دل — پیار ہی ہر آدمی سے چاہنے والا سا دل

آئے اس دل میں محبت ہی کی رنگینی نظر
اس گلستانِ محبت میں نہ ہو دشمن کا ڈر
ہو نری پاکیزگی نہ چالبازی ہو کہیں   نہ ہو عیاری کہیں نہ مکر و غمازی کہیں
حیلہ سازی ہو نہ اس میں فتنہ سازی ہو کہیں   نہ فریبِ نفس کی ہی جعلسازی ہو کہیں
اس طرح کا پاک آئینہ ہمیں کر دے عطا
منعکس جس میں ہو پاکیزہ محبت اے خدا
ہو نہ کچھ آلودگیٔ حرص و بے صبری وہاں   اور نہ شہوات کے طوفان کی اندھیریاں
آئے نہ دل پر گناہوں کا تصور بھی جہاں   بے گناہی ہو، محبت کی ہوں واں گلکاریاں
اس طرح کا کیف ہو اور دل کو ہو ایسا سُرور
مل گیا جنت سے ہی گویا کہ ہو جامِ طہور
ہے محبت کا ہی سرچشمہ وہ عینِ سلسبیل   اہلِ ایماں کے لئے جنت میں راحت کا کفیل
اپنے گوناگوں لذائذ میں نہایت بے عدیل   فکر اور آزارِ دنیا کے وہاں ہوں گے قلیل
پھرتے ہونگے ارد گرد ان کے یہ معصومین سب
خوش نمائی دلپذیری ہوگی واں ان کے سبب
بچے ہی فردوس کے وہ لولوئے منثور ہیں   بھولے بھالے بادشاہ دنیا میں جو مشہور ہیں
شان میں کسریٰ ہیں یہ خاقان ہیں فغفور ہیں   اور شرابِ بیخودی میں ہی سدا مخمور ہیں
بادشاہوں کو تو یوں ہی بادشاہ کہتے ہیں لوگ
ظلم اور جور و ستم ان کی سدا سہتے ہیں لوگ
ہیں حقیقت میں یہی معصوم بچے بادشاہ   دنیوی املاک پر جن کی نہیں اٹھتی نگاہ
ہمسری ان کی کیا کرے دنیا کا کوئی کجکلاہ   جو ہو بے پرواہ حقیقت میں وہی ہے بادشاہ
بادشاہ وہ ہے جو فکر و غم سے ہی آزاد ہو
اور بچوں کی طرح رہتا سدا دلشاد ہو
بچوں کے چہروں پہ آ کر جذب ہوتی ہے نظر   کس طرح ہوتا ہے خوش انسان ان کو دیکھ کر
ننھے ننھے یہ محبت کے ہیں پیکر خوب تر   ہوں یہ آزردہ تو دل میں غم کی اٹھتی ہے لہر
فاطمہ صغریٰ سی بیٹی اور تنہا دیس میں

باپ پردیسی مسافر کربلا پردیس میں

کربلا کا سیدِ مظلوم ہے وہ نازنیں جن کا جھولا خود جھلایا کرتے جبرئیلؑ امیں
اپنے کندھوں پر بٹھاتے رحمۃ للعالمین آج ایسی کیفیت ہے قدرتِ حق دا بہیں

تجھ پہ صغریٰ تیرے ابا پر کروڑوں رحمتیں
تیرے نامہ بر مجاہد پر ہزاروں برکتیں

صغریٰ تیری بیکسی نے کھو دیا دل کا قرار سوگواروں کو کیا تو نے زیادہ سوگوار
تجھ کو کیا معلوم تھا یہ کربلا کا حالِ زار بیقراروں کو کیا تو نے زیادہ بیقرار

ہوں فرشتے بھی نثار اس صغریٰ معصوم پر
کہ قدر جس کی امامِ پاک کو ہے اس قدر

چومتے ہیں اس کا خط فرطِ محبت سے امام رکھتے آنکھوں پہ محبت سے ہیں خط کو لا کلام
دے رہے قاصد کو ہیں رو رو کے حضرت یہ پیام اک گھڑی یا دو ہے بس دنیا میں اب میرا قیام

یہ جگر گوشے سے کہنا باپ تھا جب سوگوار
دیکھتے ہی خط زیادہ ہو گیا تھا بیقرار

سر پہ اس کے اس گھڑی گو موت ہی تھی کھیلتی فوجِ دشمن کی تھی آتی ریلتی اور پیلتی
تو نظر کے سامنے صورت تری تھی آ رہی تیرے خط کو دل پہ رکھتا تھا تو آنکھوں پہ کبھی

دیکھتا آنکھوں سے اپنی جو مرنے جاتی ہے تو
اس سے کہنا ہو بہو تو اور سارا ہو بہو

اور یہ کہنا تو اس سے یاد مجھ کو کم کرے ننھے سے دل پر نہ میرا اتنا زیادہ غم کرے
اب خدائے پاک کو ہی یاد وہ ہر دم کرے رفتگانِ عدم پر رو رو نہ آنکھیں نم کرے

عارضی ہیں سب مصائب گردشِ ایام کے
عارضی ہیں وقت سارے دکھ کے اور آلام کے

یہ دیئے پیغام اور دے کر سلامِ آخری الوداع اس سیدِ برحق نے قاصد سے کہی
جلد ہی واں سے نکل جانے کی پھر تاکید کی اور وداع ہونے کو خود خیمہ میں آئے جس گھڑی

دیکھتے کیا ہیں کہ زین العابدیں تیار ہیں
جنگ میں جانے کی خاطر پہنے ہتھیار ہیں

ہے بخار اور تپ کی حدت سے جلا جاتا ہے تن ڈگمگاتے ہیں قدم اور تھرتھراتا ہے بدن
سر میں درد اور شدتِ تپ سے ہے آنکھوں میں جلن اس قدر تکلیف پر دل کو لگی ہے کیا لگن
ضعف سے چکرایا سر تو گر پڑے اور پھر اٹھے
چپ تھے لیکن یہ زبانِ حال سے تھے کہہ رہے

میں بھی اک پروانۂ شمعِ امامت ہوں ضرور یا امامِ دیں! کشتۂ محبت ہوں ضرور
تابدار اک گوہرِ بحرِ عقیدت ہوں ضرور یا حضور! اک حاملِ شوقِ شہادت ہوں ضرور
ہو اجازت آپ پر ہو جاؤں میں بھی اب نثار
اے شمع! قربان ہونے دے مجھے پروانہ وار

چین اب لینے نہیں دیتا مجھے سوزِ دروں شعلۂ مضطر نے باطل کر دیا دل کا سکوں
مٹ چکا جی سے حیاتِ عارضی کا سب فسوں بر پا سینے میں ہے ہنگامہ میں منہ سے کیا کہوں
ضعف یا احراقِ تپ جو ہے نہ اس پر جائیے
سوزِ پنہانی پہ میرے کچھ نظر فرمائیے

دل کے احساسات تھے چہرے سے سارے آشکار پر امامِ پاک کل اسرار کے تھے رازدار
بعد عابد کے کوئی باقی نہ تھا اب زینہار تھا وجود ان کا بقائے نسل کا آئینہ دار
یہ کہا عابد سے حضرت نے کہ یہ اچھا نہیں
دور اندیشی سے تم نے بات کو سوچا نہیں

تم شہادت پاکے ہو جاؤ گے گو اب رستگار اور ہو جاؤ گے بیشک کامران و کامگار
پر کرو گے حشر میں مجھ کو بہت تم شرمسار مجھ سے جب پوچھیں گے اسدن تیرے جدِ نامدار
ختم ہی کروا دیا کیوں خاندان سارا حسینؑ
تو جواب اس بات کا اسوقت کیا دیگا حسینؑ

عرض کی زینبؑ نے جب سے آپ باہر کو گئے اٹھ کے بستر سے اسی دم ہو رہے تیار تھے
ہم بڑا سمجھا رہے ہیں یہ نہیں ہیں سمجھتے ڈگمگاتے ہیں قدم میدان کو ہیں جا رہے
آگئے اب آپ ہیں عابد کو خود سمجھائیے
جائیں نہ میدانِ جنگ میں آپ انہیں فرمائیے

اللہ اللہ! ایک جان اور اتنی ذمہ داریاں کیسی کیسی ہیں امامِ پاک کی دشواریاں

آپ غمگیں، دوسروں کی کرتے ہیں غمخواریاں خود سراسیمہ ہیں کرتے اوروں کی دلداریاں
اپنے اہلِ بیت کو سمجھا رہے ہیں کس طرح
لے رہے رخصت ہیں سب خورد و کلاں کس طرح

ضعف تپ اور پیاس سے تھے ہوئے عابد نڈھال پیارے حضرت نے ان سے یہ کہا اے نونہال
کانپتا ہے جسم تیرا اور نقاہت ہے کمال کس لئے میدانِ جنگ کا کر رہا ہے تو خیال
تجھ کو اللہ صحت دے اور قوتِ ایمان دے
فیض پائے خلق تیرے علم اور عرفان سے

تیرے جینے سے ہیں وابستہ ہزاروں ممکنات تجھ سے سلجھے گی مسلمانوں کے دل کی کائنات
جب بتائے گا تو ان کو کربلا کے واقعات پیش جو آئے یہاں مردانِ حق کو حادثات
پختہ ہوگا راستی پر رہنے والوں کا یقین
شمعِ منزل ہوگی ان کو تیری تابندہ جبیں

کچھ خموشی سی ہوئی عابد کو اس تقریر سے پھوپھی نے ان کو لٹایا، ہوگئے دلگیر سے
تھے پڑے چپ چاپ بستر پر تھے تصویر سے آنکھوں سے آنسو رواں تھے صاحبِ توقیر کے
ان کو سینے سے لگایا اور حضرت نے کہا
پیارے بیٹے ہوتی ہے ہر ابتدا کی انتہا

اس ہیولیٰ اور نظامِ عنصری پر کر نظر ابتدا و انتہا پیوستہ ہیں باہمدگر
آج کل ہوگا، تو ہوگا حال ماضی بے خطر مستقبل بھی قدمضیٰ کی طرح جائے گا گزر
غنچۂ نورستہ بن کر پھول زینت پائیگا
پتیاں بکھریں گی آخر بے نشاں ہو جائیگا

ظلمتِ شب میں ستارے جھلملاتے ہیں سدا صبح صادق ہو تو چھپ جاتے ہیں کیسے بیٹھا
سورج آب و تاب سے پھر سب کو دیتا ہے ضیا شام ہوتی ہے تو وہ بھی منہ کو لیتا ہے چھپا
منتہی ہر ابتدا کی ہوتی ہے اِک انتہا
اس طرح ہی زندگی کی موت بھی ہے انتہا

حضرتِ آدمؑ سے لے کر سرورِ عالمؐ تلک پائی دنیا نے نبوت میں ہدایت کی جھلک
ہے ولایت حیدرِ صفدر کی قائم ابد تک اور امامت ہے اسی باغِ ولایت کی مہک

باقی صفحہ ۲۶۵ پر

زندگیٔ عنصری سب کی رہی ناپائیدار
لے رہے ہیں سب حیاتِ جاودانی کی بہار

نہ کوئی دائم رہا نہ رہ سکا دائم یہاں — عارضی منظر ہے سارا عارضی ہے سب سماں
نہ فراخی ہے ہمیشہ نہ سدا ہیں تنگیاں — دیکھ لینا مادرِ گیتی کی تم نیرنگیاں!

آج تم کو جو نظر آتا ہے یاں بااختیار
دیکھ لینا کل کو ہو جائے گا وہ بے اختیار

ظالم و جابر ہے جو اب کل کو وہ مجبور ہو — آفتیں ڈھاتا ہے جو، خود ایک دن مقہور ہو
عذر تک سنتا نہیں جو، کل کو خود معذور ہو — صابر و شاکر کا صبر اللہ کو جب منظور ہو

تو نہاں خانۂ دل سے جو نکلتی ہے دُعا!
مُستجاب اس کو ہے کرتی آپ ذاتِ کبریا

مومنوں پر جب مصیبت آئے یا کوئی بلا — تو وہ ہے اک امتحاں ایمان کے درجات کا
معصیت ہوتی ہے کافر کے لئے جرأت فزا — وہ نڈر ہو کر گناہ کرتا ہے کر کے حوصلہ

دولتِ دنیا سے پائے گو دل کا قرار
عاقبت پر ہے نظر رکھتا سدا ایماندار

تو امامت کا ہے وارث پیارے زین العابدین — انبیاء کی یہ وراثت ہے ہدایت آفرین
کرتے رہنا زندگی میں صبر سے تلقین دین — دہر کی آفات پر ہونا نہ تم چیں بر جبیں

شکوہ قسمت کا نہ ہو، نہ شورہ بختی کا گلہ
عورتوں بچوں کو گھر میں دیتے رہنا حوصلہ

عمر و سعد اور شمر اور ان کے ہیں ساتھی جو تمام — بعد میرے تم سے الجھیں گے بہت وہ لا کلام
ہو گئے آمادہ شرارت پر یہ سارے بد لگام — سختیاں تم دل پہ سہنا صبر ہی کرنا مدام

صبر کا درجہ بڑا ہے صبر ہوتا ہے جمیل
صبر کرنے والوں کے ہے ساتھ خود ربِّ جلیل

حاشیہ صفحہ ۲۶۴ :- پیش لفظ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مختصر حالات درج ہیں ان میں امامت کا جو پہلو قاضی ثناء اللہ مرحوم پانی پتی نے پیش کیا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسی امامت کا سرچشمہ ہیں۔

بزرگوں کے تبرک اور یہ آثار حسین! باعثِ تسکین دل تحفے یہ سب زنہار ہیں
در گہرِ نبوی کے اِن میں کچھ دُرِ شہوار ہیں کچھ تحائف یادگارِ حیدرِ کرار ہیں!
اور کچھ اشیاء امامِ حسنؑ کی ہیں یادگار
دیکھنے سے جن کو پاتا ہے دل مضطر قرار

کی ہدایت آپ نے پھر گھر کے سب افراد کو پاس بلوا کر کہا اعداء کو اکیلا دو کو
شاد رکھنا صبر سے ہی تم دلِ ناشاد کو ہنس کے سہنا دشمنوں کے جور و استبداد کو
یہ کہا ہمشیرۂ زینبؑ سے اے ذوالصفات
ہو چکی ام المصائب ہے بلاشک تیری ذات

دل پہ سہنے ہیں ابھی تم نے بہت رنج و ملال دشمن بے دین دیں گے تم کو ایذائیں کمال
انتہائی صبر سے رکھنا طبیعت کو بحال دشمنوں پر طعن کرنے کا نہ ہو دل میں خیال
کر نہ بے صبری سے تم حرکت نہ ایسی زینہار
چھین لے شیطان جس سے صبر کا تم سے وقار

دینگے دشمن بعد میرے تم کو ایسی تنگیاں دل میں گزرا تک نہیں جن کا کبھی وہم و گماں
دنیوی آرام اب تم کو میسر ہے کہاں ہو چکی ہیں اب سے مقدر میں یہ آرامیاں
بندگانِ حق کی دنیا میں وراثت ہے یہی
رنج سہنا، راہِ حق میں صبر کرنا ہر گھڑی

بج رہا ہے ڈھلِ جنگ اب تم اجازت دو مجھے مجھ کو خود ہتھیار پہناؤ بہ عزت دو مجھے
شہربانو تم بھی اب میداں کی رخصت دو مجھے ہے دعا آلام دشمن سہنے کی ہمت ہو تجھے
آئے نہ لغزش ذرا بھی پائے استقلال میں
شیوہ تسلیم و رضا کا ہی رہے ہر حال میں

شہربانو تو ہے اس معصوم علی اصغرؓ کی ماں جو ملہ کے تیر پہ دی مسکرا کر جس نے جاں
اس شہیدِ غم حسین کی بجا وجہ ہے بے گماں اپنے قاتل کا بھی جس نے نہ دیا نام و نشاں
اب مصیبت پہ مصیبت سر پہ آئے گی تیرے
صبر ہو دل میں تیرے اور لب پہ خاموشی تیرے

منظرِ خونیں نظر میں آئے گا اب بے ملا خون میں لتھڑا ابھی دیکھو گی تم لاشہ مرا

روند ڈالیں گے بدن میرا کریں گے سر جدا — ہے خدا معلوم کہ کیا کچھ کریں گے اشقیا

منہ سے بھی کچھ اس وقت بے ادبی کرینگے ناہنجار

پر شکایت لب پہ تمہارے نہ آئے زینہار

حامی و ناصر خدا ہے پاک جو ہمدم ترا — مونس و غمخوار سب کی ہے وہ ذات کبریا

عمر بھر خدمت جو کی اس کا ہے شکریہ ادا — آخری ہے الوداع ہے اب ترا حافظ خدا

بس صداقت پہ شہادت ہو رہی ہے اب مری

منزل مقصود مسلم ہے حقیقت میں یہی

بندۂ حق کذب و باطل سے نہیں دبتا کبھی — حق حقیقی زندگی ہے کذب ہے پائندگی

کذب ہے دنیا و شے جس کا سکوں ہے عارضی — عارضی لذات پر دل بستگی ہے بے مائیگی

پختگی پہ ہے نظر رکھتی ہمیشہ عقل تام

اور ہو جاتی ہے مدغم خامیوں میں عقل خام

اپنے اہل بیت کو حضرت نے ایسا سمجھا دیا — کہ دقیقہ کوئی باقی ان پہ نہ رہنے دیا

معرفت کے سب رموز و اسرار کو سلجھا دیا — پھر عمامۂ رسول پاکؐ کو سر پہ باندھا

چادر خاتون جنت تھی کمر میں باندھ لی

زیب دیتی تھی بدن پہ ذوالفقار حیدری

زین کس کر ذوالجناح پہ ہو گئے تھے اب سوار — نیزۂ حضرت حسنؑ اک ہاتھ میں تھا آبدار

اب تھا جو کچھ ہونے والا سب پہ تھا یہ آشکار — رو رہے تھے خورد و کلاں تھے گھر کے سارے زار زار

گھر سے رخصت ہو کے اب میدان میں شہؑ آ گئے

اور عمر و سعد سے اک بار پھر کہنے لگے

ظلم جو تم ڈھا چکے اور تم ستم ہو کر چکے — اور معصوموں کے خوں سے ہاتھ اپنے بھر چکے

میہمانوں کی تواضع اس طرح سے کر چکے — کہ روایات عرب کو ہو غلط بھی کر چکے

دنیوی عیش و تنعم نے تمہیں بہلا دیا

راستی کی راہ سے شیطان نے بھٹکا دیا

حق خدمت خوب ہی تم نے ادا یہ کر دیا — جو وفا کی میں نے اسکا یہ صلہ تم نے دیا

ننھے معصوموں کو بھی ہے پیاس سے تڑپا دیا — اور پانی کے عوض ہے خون میں نہلا

شرم تک نہ کی نواسۂ رسولؐ اللہ کی
نہ خدا کی شرم کی اور نہ رسول اللہ کی

جانتے ہو کہ نہیں مجھ کو کہ میں ہوں وہ حسینؑ — میوے کھایا کرتا تھا جنت کے جو ہوں وہ حسینؑ
میرے خدمتگار ہیں جبریلؑ میں ہوں وہ حسینؑ — بیٹھتا تھا دوشِ نبیؐ پہ جو میں ہوں وہ حسینؑ

جب شکاری نے دیا حضرت حسنؑ کو اک ہرن
آگیا فردوس سے میرے لئے تھا اک ہرن

یاد ہے تم کو رسول اللہ کا مجھ سے پیار — پیار ہی میرا رہا ہر کام میں ان کا شعار
بات کیا تم پر مسلمانو! نہیں ہے آشکار — کہ حدیثوں میں بیاں اس پیار کا ہے بار بار

اجر پلتے ہیں ذوی القربیٰ کی الفت میں رسولؐ
ان سے جو رکھے کدورت اس سے ہوتے ہیں ملول

ہوں ذوی القربیٰ کے معنوں کا میں حامل یا نہیں — ہوں میں جگرِ فاطمہ زہراؓ کا حاصل یا نہیں
نور ہے حضرت علیؓ کا مجھ میں شامل یا نہیں — ہوں رسول اللہ کا اِک ظلِّ کامل یا نہیں

مجھ سے لڑتا پھر تمہارا کون سا ہے رکنِ دیں
جب بجز میری مودت دین ہی کامل نہیں

تم سے پھر کہتا ہوں جو کچھ ہو چکا سو ہو چکا — ہوں عزیز و اقربا اپنے میں سارے کھو چکا
کر چکے جو کچھ ہوا اس کو یوں بہت رو دھو چکا — اس سے پہلے بھی بہت سمجھا تو ہوں تم کو چکا

اب یہ پھر کہتا ہوں میرے قتل سے باز آؤ تم
ہے یہ شاید پھر کہ حشر میں شفاعت پاؤ تم

گر ہو آمادہ ہی میرے قتل پر تم دو بدو — تو پھر آؤ کہ کھڑا ہوں یہ تمہارے رو بہ رو
کہ نہیں مجھ کو بھی جینے کی ہے باقی آرزو — اور نہیں اس زندگی کی دل میں باقی جستجو

مجھ کو بھی شوقِ شہادت نے چڑھائے ہیں نشے
لونگا میں جو دشمن میں ہی جنت کے مزے

سامنا کرنا پڑا ہے مجھ کو جن حالات کا — دل سے خطرہ تھا مجھے لاحق کئی خدشات کا
غم نہ کھا جاؤں کہیں بھائیوں کی تکلیفات کا — بھانجوں، بیٹوں، بھتیجوں کے کئی صدمات کا

ذبح ہوتے دیکھنا ان کا نہ ہو مشکل کہیں
ان مصائب میں نہ دل باطل پہ ہو مائل کہیں
شکر ہے دل ان مصائب میں نہ متزلزل ہوا عزم میرا صبر و استقلال پر کامل ہوا
ان نوائب میں نہیں باطل پہ نہیں مائل ہوا [۱] راہِ حق میں نقص مال و جان نہ حائل ہوا
اب اکیلا ہوں، مگر حق پر ہوں گو تم ہو کثیر
آئیگا مجھ پہ نہ غالب خوف سلطان و امیر
کربلاؤں میں ہے ہوتا امتحاں ایمان کا ابتلاؤں میں عیاں ہوتا ہے شرف انسان کا
حوصلہ ہوتا مگر ہے پست بے ایمان کا آسرا تکتا ہے کیونکہ وہ سدا شیطان کا
باتیں سن کر گو امام پاک کی تھے رو رہے
عمرو سعد اور شمر تھے ان کو فیوں کو گھورتے
بزدلو! نامردو بند و وقت رونے کا نہیں اور شجاعت کو ندامت میں ڈبونے کا نہیں
رو کے ضائع کر رہے ہو وقت کھونے کا نہیں ڈر نہیں کیا اپنے بھی برباد ہونے کا نہیں
بجلیاں قہر یزیدی کی جلادینگی تمہیں
صفحۂ ہستی سے مٹا دینگی گنوا دینگی تمہیں
اب نہیں کوئی معاون ہے حسین اک تن تنہا کر چکے ہو ختم اس کے سب عزیز و اقربا
حملہ کردو اک طرف سے تھا یہ عمرو کہہ رہا ہو رہی ہے شام اور ہے وقت یونہی جا رہا
خوب تھا قیدی بناتے زندہ لیجاتے اسے
پر ملے ہے ہو چکا سر پہلے پہلے شام سے

---

[۱] ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (القرآن) ترجمہ۔ مسلمانو ہم تمہاری آزمائش خوف و دہشت تنگدستی و افلاس نقصان مال و دولت و ہلاکت و قحط اور فصلوں کی تباہی میں سے کسی ایک سے لیں گے۔ لیکن جو اس پر صبر کریں گے اور نقصان و مصیبت کے موقعہ پر جزع و فزع کی بجائے یہ کہیں گے کہ ہم تو اسی کے ہو چکے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں انہیں بشارت و خوشخبری ہے۔ (امام پاک علیہ السلام پر ساری مصیبتیں بیک وقت نازل ہوئیں)

پھر کہا حضرت سے عمر شمر نے لگا کر قہقہہ — دیکھ پائے ہو ہمارا دبدبہ و طنطنہ
اب رہا ہو گا نہ دل میں کوئی باقی وسوسہ — کس لئے ہو اب تلک بیعت سے دل برداشتہ
مان لو بیعت تو میرے حکم سے پاؤ اماں
حکم شاہی تو یہ ہے "سر کاٹ کر بھیجو یہاں"

ہو گئے کوفی بھی عمر شمر سعد کے تھے ہمنوا — یک زباں ہو کر امام پاک سے سب نے کہا
گر یزیدی بیعت سے انکار ہی ہے آپ کا — آپ کو پھر قتل کرنا ہم پہ لازم ہو چکا
عمر سعد اور شمر ان کی بات پر خوش ہو گئے
عارضی خوشیوں میں یہ سارے کے سارے کھو گئے

پیر کامل بھی ہو تو کیا جب کہ ناقص ہو مرید — ہم نفس پھر اس پہ ہو جب نفس امارہ پلید
پاسبانی میں ہوا ابلیس لعیں اس پر مزید — پیر سمجھو کہ یہ ہے سو فیصدی خود ہی بد بد
تشنہ رہنا ہے یہ جا کر چشمہ حیواں پہ بھی
ظاہراً کرنا ہے گو خضر کی ہی پیروی

ہر قدم پر مرشد کامل نے سمجھایا انہیں — فرق دوزخ اور جنت کا بھی دکھلایا انہیں
راستہ استقامت علیں بتلایا انہیں — پیر کامل کا عمل تو راہ پر لایا انہیں
وہ ہے دنیا میں اک مرگ دوامی کے لئے
آئے نہ حق پر حیات جاودانی کے لئے

اپنی ہی تاویل جانتے ہیں سدا ناقص مرید — رنگ اپنا ہی جماتے ہیں سدا ناقص مرید
ہیں فریب نفس میں آتے سدا ناقص مرید — ڈھونگ اپنا ہی رچاتے ہیں سدا ناقص مرید
پیر کو تعبیر مذلت میں گراتے ہیں مردود
بچے انکی زد سے ہیں وہ پیر جو ہوں ذی شعور

پیر پہ روشن حقیقت الحق ایام کی — اور واقف وخیز ساری گردش ایام کی
شادمانی دائمی کی عارضی آلام کی — اور ہر اک کام کے آغاز کی انجام کی
جبکہ ناقص کی نگاہ ہے ظاہری آثار پہ
پر نظر رکھتا ہے کامل باطنی انوار پہ

پیر کامل کا سفینہ ہے سفینۂ نجات — سینۂ مرشد خزینۂ رموز کائنات

پیر سمجھاتا ہے کہ کیا ہے حیات اور کیا ممات کھولتا ہے معرفت کے جملہ اسرار و نکات
فتحِ ابوابِ سعادت پیر کی ہی ذات ہے
مخزنِ جملہ سیادت پیر کی ہی ذات ہے

ماحیٔ بدعت ہے ہوتا اک حقیقی راہ نما ناہیٔ شرعِ متیں ہوتا ہے کامل پیشوا
معدنِ اسرارِ طریقت کا ہے ہوتا مقتدا اس لئے ہوتا ہے وہ نائب رسول اللہ کا
ہے اطاعت فرض سب پر اس امامِ وقت کی
دین ناقص ہے، نہ کی جائے گر اس کی پیروی

کاملوں کے متبع رہتے ہیں دائم شاد کام دین و دنیا کے مقاصد میں ہیں فائز المرام
متصل رکھتے ہیں دل مرشد کے دل سے ہی مدام خواہشاتِ ناسزہ کی پیروی ان پر حرام
رہتے ہیں جو حاضری میں پیشوائے وقت کی
بے شبہ وہ ہیں حضوری میں رسول اللہ کی

درکِ ناقص کو نہیں کامل کی تعلیمات کا اسفلوں کو فہم کیا ہے اعلیٰ تدریسات کا
کیا اثر نا اہل پہ ہے دینی تفہیمات کا اس کو تو ہے آسرا اپنی ہی تلبیسات کا
تیرہ و تاریک راہ پہ جا رہا ہے رُوسیاہ!
دوسروں کو بھی وہ سکھلاتا ہے بس اپنی ہی راہ

سن کے ساری بات عمرو سعد کی اور شمر کی اور جو آیا کہ بیٹوں نے بھی جی کیا اس کی
دیکھ کر ابلیس کے بندوں کی یہ بیچارگی آخری یہ بات پھر حضرت نے ان سب سے کہی
ہر قدم پر بیعتِ فاسق پہ لاتے ہو مجھے!
قتل کر دینے کی دھمکی سے ڈراتے ہو مجھے

دیکھ کر بچوں کو پیاسے ڈگمگا جاتا اگر خاندانی پیار سے ہی پا پھسل جاتا اگر
جان کے ڈر سے ہی بیعت پہ اُتر آتا اگر عیش اور آرام سے ہیں زندگی کرتا بسر
شکر خدا کا شکر جس نے صبر کی توفیق دی
آج میں نے خوابِ ابراہیم کی تصدیق کی

بھرے باغ کس طرح سب ہی پہ قربان ہو گئے پیاسے پیاسے اور بھی نا خندہاں ہی کھو گئے
کربلا کو گلشنِ راحت سمجھ کر سو گئے داغ دل کے دھو گئے اور غم کو سرہانے رہ گئے

کربلا میں پھر فروزاں آتشِ نمرود ہے
امتحانِ اولادِ ابراہیم کا مقصود ہے

شکر ہے کہ ہم رہے ہیں امتحاں میں کامیاب   عین راحت ہے کہ جسکو تم سمجھتے ہو عذاب!
تم نے فانی راحتوں پر عاقبت کر لی خراب   ساری ان باتوں کا عمرو نے دیا یہ ہی جواب

ہم تمہاری وعظ سننے کو یہاں آئے نہیں
ہم کو تو درکار ہے سر ہی تمہارا بالیقین

ہو چکا تم میں سے جن جنکا ہے اب تک خاتمہ   وہ تو تھے سب برگ و بارِ بوستانِ فاطمہ رض
اور فقط تم ہو! ہماری حاصلاتِ باقیہ   جس کا حاصل کرنا ساری جنگ کا ہے لازمہ

مضطرب ابنِ زیاد اور ہیں خلیفہ یزید
منتظر اب میری حمیت نہیں اس کی مزید

یہ ہماری مہربانی ہے کہ ہم خاموش ہیں   باتوں باتوں میں ہی اب تک مجو نا ؤ نوش ہیں
اب تو باتیں بھی تمہاری ہم پہ بارِ گوش ہیں   اُلجھے باتوں میں کیا ہم ایسے ہی بیہوش ہیں

حملہ کر ابنِ علی پہ اے انس ابنِ سنان!
کاٹ کر سر اسکا میرے پاس لے آؤ یہاں

حکم حاکم سن کے حضرت کی طرف آیا انس   کر دیا حضرت نے برچھی سے اُسے بھس اور خس
اس کے بھائی نے بھی کھوئی جان کی باقی ہوس   آٹھ اوروں کو بھی نہ ہونے دیا کچھ سے مس

کھا گئی بجلی کی طرح سب کو تیغِ آبدار
دستِ ابنِ حیدرِ کرار میں تھی ذوالفقار

یہ کہا عمرو نے لشکر سے کہ اس سے مت ڈرو   یہ اکیلا ہے، اکٹھے ہو کے اس کو گھیر لو
اک دفعہ ہی مل کے سب پہ زور تم حملہ کرو   کیا بساط اک آدمی کی اے جوانمردو ! بڑھو

ایک ہزار اس شخص کو دینار میں دونگا انعام
سر حسین ابن علی رض کا لائے گا جو تیز گام

تو اٹھا تلوار کو آیا نمیم رو سیاہ   کہ اکیلا ہی کرے حاصل انعام حاضرہ
رہ گئی دل میں ہی اسکے آرزوئے فاسدہ   ہادیہ میں منتظر تھی اس کی نارِ حامیہ

گر چکا سینے میں نیزہ تھا امام پاک کا

اور کتابِ زندگی سے ورق اس کا چاک تھا

اک یزید ابطحی نیزہ لے کے اب آگے بڑھا — یہ شجاعت اور بسالت میں بڑا مشہور تھا
تھا عراق و شام میں کوئی نہ اس کے تول کا — آتے ہی حضرت پہ اس نے وار شدت کا کیا
وار یہ اس کا بچا کر آپ نے تلوار سے
مولی گاجر کی طرح موذی کے ٹکڑے کر دیئے

ٹوٹ کر اک دم گری اب ساری دشمن کی سپاہ — حوصلے دے دے کے کہتا تھا یہ عمرو رو سیاہ
دو گنا انعام دونگا جو کرے گا حوصلہ — بلکہ اب ہے سہ گنا اور ساتھ اس کے عز و جاہ
کر رہا ذہنیتوں کو اس طرح شاداب تھا
وعدے کر کر کے انہیں وہ کر رہا سیراب تھا

اس طرف جنگ میں آئی ذوالفقار حیدری — اس کو کاٹا اس پہ برسی اور اب اس پر گری
دشمنوں میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھی ابتری — فکر تھی اب جان کی، بھولے تھے جنگ زرگری
گردنیں کٹ کٹ کے سر ان کے تھے ہر سو گر رہے
نجس اور ناپاک لاشے ہر طرف تھے تڑپتے

اب تھی شمشیر حسینی بن چکی برق غضب — آسماں سے جسطرح نازل ہوا ہو قہر رب
بے ہراسی دشمنوں کی تھی نہ یوں ہی بے سبب — پوچھتی پھرتی تھی اب تلوار ان سب کے نسب
سر کٹے بازو کٹے اور دھڑ تڑپتے ہیں کہیں
کچھ کہیں ہیں بلبلاتے کچھ پھڑکتے ہیں کہیں

ڈر رہے دشمن تھے اب اس ہاشمی جرار سے — نسبت اس جرار کی تھی سید ابرار سے
پائی ورثہ میں تھی قوت حیدر کرار سے — حضرت حمزہؓ سے، حضرت جعفرؓ طیار سے
اب نہ رکتا تھا یہ قتلِ عام کا سیلِ رواں
اور بجائے قہقہوں کے تھی بپا آہ و فغاں

دشمن دکھیل پر غم کی گھٹا سی چھا گئی — قتل و غارت دیکھ کر دل پر اداسی چھا گئی
ہوش اڑے ہمت گئی اور بدحواسی چھا گئی — لرزہ بر اندام تھے وہ بے ہراسی چھا گئی
کوئی نہ سنبھالتا پھرتا تھا اپنے آپ کو
رو رہا تھا کوئی بیٹے کو تو کوئی باپ کو

کوفیوں کو عمر سعد اور شمر تھے بہت ڈانٹتے — ہمت و جرأت کی دولت ان میں تھے پھر بانٹتے
بزدلوں کو شیر دل لوگوں سے تھو بھر چھانٹتے — لالچِ انعام سے تھے سانٹتے اور گانٹھتے
یہ کہا جیالے نے عمرؔ کی طرف منہ پھیر کے!
خود مقابل کیوں نہیں جاتا ہے تو اس شیر کے

ہو گئی نادرست کہاں خود اپنی ہے ہمت تری — عام کیوں یوں ہو رہی ہے اتنی ذلت تری
آ چکی سب کی سمجھ میں ہے یہ اب حکمت تری — کہ تباہ کر کے ہمیں بڑھ جائے گی عزت تری
ہم کو دیتا ہے دلیری کیا تو خود دبکیل ہے!
کیا سمجھتا ہے کہ یہ بچوں کی ہی اک کھیل ہے

اس طرح کا جنگ دیکھا تھا نہ زیرِ آسماں — جنگ ہوتے ہیں مگر یہ ہے قیامت کا سماں
اِک حسینؑ اور بالمقابل فوج ٹڈی دل یہاں — اس اکیلے نے بہا دیں خون کی ہیں ندیاں
بالمقابل تو نہیں جاتا ہے عمرو کس لئے
اس کی قوت کا پتہ تھا اس لئے ہی اس لئے

دیکھتا تلوار کرتے آ رہی ہے کس طرح — اور نظر آتا ہے یہ بھی جا رہی ہے کسطرح
بارشیں یہ خون کی برسا رہی ہے کسطرح — ناچتی ہی ہر کسی کو کھا رہی ہے کسطرح
لے رہی اب خوب تخمینہ ہے شمشیرِ حسینؑ
کس طرح سے کر رہی قیمہ ہے شمشیرِ حسینؑ

پچھلی صف میں آ کے عمرو بزدل ہے تو پھنکارتا — دعا ہے دیتا ہے کبھی اور ہے کبھی للکارتا
ہم کو تو کٹوا رہا ہے خود نہیں پل مارتا — قسمت اپنی تو ہمارے سر پہ ہے سنوارتا
خود ذرا آگے بڑھے تو تجھ پہ ہو یہ آشکار
کیا ہے یہ تلوار اور بازو ہے کیسا زوردار

کرتی غائب جس طرح لاحول ہے شیطان کو — برقِ خاطف یا فنا کرتی ہے جوں جیران کو
آگ دوزخ کی ہے کھاتی جیسے بے ایمان کو — ذوالفقار اب کھا رہی ہے اسطرح انسان کو
کہہ رہا ہوں آپ سے آگے ذرا بڑھئے جناب
تاکہ آ جائے سمجھ میں آپ کے سارا حساب

ہم کریں ان تیرے وعدوں کو تو عمرو کیا کریں — شمر سے آنکھیں لڑائیں اور مصیبت میں پڑیں

موت کے اس دیو سے کیونکر لگائیں ٹکریں　　تجھ کو تو اپنی غرض ہے ہم جئیں یا ہم مریں
اس گھڑی تو موت کا پنجہ حسینی ہاتھ ہے
یہ سمجھتا ہوں کہ عزرائیل اس کے ساتھ ہے

ختم کرنے پایا تھا جبلہ نہ اس تقریر کو　　کہ سراپا تھا بہت کچھ حضرت شبیرؓ کو
کھا گئیں باتیں یہ عمرو سعد کی خنزیر کو　　وہ سمجھتا تھا زبوں اس طرح کی تشہیر کو
ہاتھ اک تلوار کا بھرپور ایسا دے دیا
کٹ گیا جبلہ کا سر اور دھڑ پڑا تھا تڑپتا

یہ کہا عمرو نے کہ تم گھیر لو چند آدمی　　آنے پائے اس طرف نہ اب حسین ابن علیؓ
اور خیموں کو لگا دو آگ تم جا کر ابھی　　عورتیں اندر سے تا باہر نکل آئیں سبھی
تاکہ دیکھے بھائی کے اس کی بہن کو مار دوں
خون زینب سے ہی تاکہ رنگ میں تلوار لوں

پھر کہا اس نے کہ حملہ جا کے خیمہ پہ کرو　　تاکہ جلد از جلد ہی اس جنگ کو تم سر کرو
سن لیا حضرت نے جو کچھ کہہ رہا تھا تعزگو　　ڈانٹ کر کہنے لگے تف تم پہ ہے اے بزدلو
میرے جیتے جی نہ جرأت کر سکو گے دیکھنا
سر پہ تمہارے میں ہوں چشم زدن میں آرہا

کیا ابھی یہ تھے پہ آیا تھا تو اس میدان میں　　فرق کیا باقی رہا اب تم میں اور شیطان میں
کیا ہے معیار شجاعت یہ ترے میدان میں　　لگ گئی کیوں آگ تیرے خرمن ایمان میں
سعد جیسے باپ کا بیٹا ہے تو ہیہات ہے
ماس میں ہوتی غذا دیں ہیں یہ سچی بات ہے

ہو گیا کُل جراحت اور بھی اب تیز تر　　شامت آئی دشمنوں کی بیشتر سے بیشتر
گر رہے تھے خونچکاں ہو کر کثیر ان کے نفر　　تیرتی تھیں خون کے دریا میں لاشیں تر بہ تر
شیر بپھرا اور تھا اب صورت ضیغم ہوا
دشمنوں کا سارا لشکر درہم و برہم ہوا

فوج دشمن کے دیئے تھے آپ نے چھکے چھڑا　　پیاس سے لیکن کلیجہ منہ کو تھا اب آرہا
سوئے دریا آپ کا گھوڑا اُٹھا اڑتا جا رہا　　عین اب دریا میں وہ پانی کے اندر تھا کھڑا

چاہتا تھا کہ پئے پانی مگر خاموش ہے
صورتِ آقا کو تکتا ہے بڑا ذی ہوش ہے

پانی پینا چاہتے تھے کچھ تو کچھ حضرت امام پیاسے بچے پھر گئے سامنے نظر میں تشنہ کام
منہ تلک تھی چلو سے جانے کی کوشش ناتمام اس طرف تھا شمر سے کہتا یہ عمرو بدلگام
کر چکا مردہ کئی زندوں کو مردہ آشکار
قہر ڈھائیگا اگر زندہ ہوا یہ زینہار

قطرہ پانی کا اگر اک بھی گیا حلقوم میں بات یہ آتی ہے میرے فہم اور مفہوم میں
ہے شکستِ فاش پھر ہم سب کے ہی مقسوم میں بجلیاں بھر جائیں گی اس قوتِ مکتوم میں
دیکھنا پانی نہ پی جائے کہیں ابن علیؑ
قوتِ مخفی نہ ہو جائے کہیں اس کی جلی

فوجِ اعدا میں تھا تیر انداز اک نامی اماں شمر کا پا کر اشارہ تھام کر تیر و کماں
چہرۂ انور کا اس منہ تاک کر پختہ نشاں تیر جو مارا، گھسا لب چیرتا اندر دہاں
تیر کھینچا خون تھوکا اور دریا سے چلے
مرکب اور راکب پیاسے ہی وہاں سے آ گئے

رحمتیں اور برکتیں تجھ پر ہوں شبیر کربلا ہے خدا درمان تیرے درد کا اور صبر کا
مرتضیٰ کے لال کا یہ حوصلہ صد مرحبا کان کر بیٹھا ہے ناوک یہ تھا عمرو صحبتا
سامنے آیا کہ حملہ خود کرے وہ ایک بار
یہ کہا سرکار نے دور کار کر لے نابکار

سامنے سے دور غارت ہو خدا غارت کرے خوف سے تھرا گیا عمرو، ہٹا یکدم پرے
ڈر گیا اوسان کھوئے اور ہوش اسکے اُڑے شمر کو چمکا دیا لیکن کہ وہ ہمت کرے
یہ کہا کہ ٹوٹ پڑ اس پر کہ ہے تنہا حسینؑ
ہر طرف سے گھیر لے ایسے ہے تھکا ماندہ حسینؑ

سو پیادے ساتھ لے کر شمر نے حملہ کیا دل کا مقصد پھر بھی لیکن اس کو نہ حاصل ہوا
کر صفایا ان پیادوں کا ہی تھا ہونے لگا شمر کو اس کے سوا چارہ نہ کچھ باقی رہا!
مکر سے ہی شبیر کو اب زیر کرنا چاہیئے

شیر سے اب دُو بہ دُو سیدھا نہ لڑنا چاہیئے
کر سے چلایا آخر شمر ابلیس زماں آگ میں بھائی کی زینب آگئی باہر یہاں
اور اس کی بے بسی پر ہے بہت گریہ کناں تو امام پاک نے منہ پھیر کر دیکھا وہاں
ذرعا ابن شارق نے ایسا وار بازو پہ دیا
کہ امام پاک کا تھا بایاں بازو کٹ گیا
قصد تھا حضرت کے دل میں دیں وہ حملہ کا جواب خون کا فوارہ چھٹا بازو سے لیکن بے حساب
مضمحل تھے ہو رہے اور دے گئی تو ت جواب پشت زیں پر بیٹھنے کی اب بدن میں تھی نہ تاب
یہ ستارہ عرش سے اب فرش پر تھا آ رہا
ختم ہونے کو تھی شمع زندگانی کی ضیا
اک شقی کا تیر پیشانی پہ حضرت کی لگا تیر کو جوں ہی نکالا خوں تھا اُبلا آ رہا
چہرہ اقدس تھا سارا خون سے رنگا گیا پے بہ پے جریانِ خوں سے سر کو چکر آ گیا
ڈگمگاتے تھے قدم، قدموں تلے کی سب زمیں
کھا رہی چکر تھی اور تھی گھومتی سب سرزمیں
کربلا کا شیر ایسا مضمحل تھا ہو چکا گر پڑا، پاؤں پہ اب سنبھلا نہ اس سے جا سکا
تو سنان ابن انس نے وار نیزہ کا کیا سینۂ اقدس کو چیرا، پار نیزہ ہو گیا!
جب کہ برچھی کو نکالا اس نے باہر کھینچ کے
جگر کے ٹکڑے بھی اسکے ساتھ باہر آ گئے
شمر خنجر لے کے حضرت کی طرف آگے بڑھا مسکراہٹ دیکھ کر چہرے پہ وہ حیران تھا
اس لئے ہی اب الجھنے کی نہ جرأت کر سکا تھنہلا کر خولی بدکار سینہ پر چڑھا
آپ نے فرمانا چاہا خولی سے کچھ اس گھڑی
سر کیا تن سے جدا، لیکن نہ مہلت اسنے دی
کتب تاریخ و سیر میں اس طرح مسطور ہے شمر کی نسبت سے سارا واقعہ مشہور ہے
ابلق رنگ سگ حدیثوں میں بھی کچھ مذکور ہے سینۂ اقدس پہ چڑھنا شمر کا منشور ہے
آپ نے پہچان کر اس کو کہا ہٹ جایئے
کہ نمازِ عصر پڑھ لوں، اتنی مہلت دیجئے

شمر جب سینہ سے اُترا آپ نے سجدہ کیا سجدہ میں ہی شمر نے تلوار سے چرکا دیا
خولی نے حضرت کا سر تن سے جدا تھا کر دیا اور نیزہ پہ چڑھا کر سر کو اونچا کر دیا
سر جو سجدہ میں کٹے ہوتا ہے وہ ہی سربلند
عبد کامل ہے عبودیت سے ہوتا ارجمند
سر کو نیزہ پہ چڑھا کر رہے تشہیر تھے تھے بدن پہ جسدِ اطہر کے گھوڑے ناچتے
یوں مبارک جسم کو پامال تھے وہ کر رہے شرفِ انسانی کو تھے پاؤں تلے وہ روندتے
کیا کڑی منزل ہے اور مشکل ہے کیسا یہ مقام
یہ کروڑوں میں ہے ہوتا کوئی ایسا شادکام

خیمہ کی لوٹ کھسوٹ

کس قدر کرب و بلا ہے کس قدر ہے ابتلا خاندانِ مصطفیٰ کے جو مقدر میں ہوا
ان مصائب میں ہوئی صبر و رضا کی انتہا انتہا پر ہو رہی ہے اور بھی اب انتہا
سب شقی خیمہ میں آ کر گھس پڑے ہیں ایکدم
اس طرف یہ حال یا مارب چوں باشد ہیچ غم
یہ سمجھتے خوب تھے سب دشمنانِ اہلِ بیت کہ ہیں جو بھی جاں نثار اور طالبانِ اہلِ بیت
ہیں غنی وہ دل کے سارے خادمانِ اہلِ بیت خود بھی آسودہ ہے سارا خاندانِ اہلِ بیت
اس لئے ہوگی نہیں یاں مال و زر کی کچھ کمی
لوٹنے کو آ گئے دشمن کے اکثر آدمی
تھی سگانِ دنیا کو اس مالِ دنیا کی تلاش کر رہے تھے حرکتیں نازیب باتیں دل خراش
ذکر کیسے ہو بیاں ہوتا ہے زہرہ پاش پاش بیبیوں سے چھینتے ہر چیز تھے یہ بد قماش
کھینچتا تھا شمر کانوں سے سکینہ کے گہر
کان ننھا بچی کے زخمی کر رہا یہ بدگہر
درد سے معصوم بچی بلبلا کر رہ گئی ! شمر نے مارے طمانچے تلملا کر رہ گئی
دکھ یتیمی کے تھے سارے جان پر جو سہہ گئی بات ننھے ننھے ہونٹوں پر یہ آ کر رہ گئی
میرے ابا جی کہاں ہیں اور کہاں عباس ہیں

پاس میرے کیوں تمہیں ہائے وہ کیکے پاس میں

حضرتِ زینب کے سر سے کھینچ لی اس نے ردا اس طرح سے شہر بانو کا بھی سر ننگا کیا
خیمۂ اطہر کی سب چیزوں کو تھا یہ لوٹتا عابدِ بیمار کا بستر بھی ان سے لے لیا

قہر اپنا تھا دکھاتا جبر کی تکمیل سے
وہ مگن تھے مگر سب صبر کی تکمیل سے

زیورات سیدۂ فاطمہ کبریٰ لئے غیرت و غصہ میں آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ کے
کھینچ لی تلوار زین العابدین بیمار نے پر چلا نہ جا سکا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑے

شمر نے چاہا کہ وہ حملہ کرے اب بالجواب
ختم کر دے حضرتِ سجاد کو تا کہ شتاب

پر کسی نے ہاتھ تھاما شمر کا اور یہ کہا سنگدل! کیا دل ترا اب بھی نہیں ٹھنڈا ہوا
عورتوں بچوں پہ کیا یہ قہر ہے تو ڈھا رہا ڈر نہیں دل میں ترے مطلق ہے روزِ حشر کا

شمر بولا! حکم ابن زیاد نے بھیجا ہے یاں
بچہ بچہ قتل کر ڈالوں علیؑ کا میں یہاں

متفق اس رائے سے لیکن نہ عمر و سعد تھا اس لئے منظور اس نے حکم تھا یہ کر دیا
جب تلک آئے یزیدی حکم نہ اس بات کا ملتوی ہے قتل زین العابدین بیمار کا

ہاں ضروری ہے کہ کپڑے ان سبھی کے لو اتار
رسیوں سے جکڑ دو اور کر دو اونٹوں پر سوار

اہل بیت اطہار قید و بند میں

شہر بانو زینب اور سجاد تھے اک اونٹ پر پیٹھ ننگی اونٹ کی تھی ننگے ان سب کے تھے سر
مشکیں ان تینوں کی رسی سے کسیں تھیں باندھ کر جو تھے باقی آرہے اونٹوں پہ تھے با چشم تر

ماتم شام غریباں میں تھا سورج سوگوار
کربلا کی گیارھویں شب کا ہوا چاند آشکار

داستاں کے درد و غم رنج و الم کی کیا کہوں قافلہ خانماں برباد کا بیاں کیا کروں
سر کٹے روندے ہوئے لاشوں کی حالت کیا کہوں داستانِ سوزِ پنہانی کا ماتم کیا کروں

لہ حمید بن مسلم کو نوح خوانین میں سے ہی تھا۔ اس نے شمر کا ہاتھ پکڑ کر منع کیا۔

خوں چکاں اجسام مٹی میں پڑے نتھرے ہوئے
منظر جانسوز تھے سینوں میں دل دہلا دیئے
سر شہیدوں میں سے اکثر کے تھے نیزوں پر چڑھے ـ پرزہ پرزہ تھے تو اکثر جسم ان کے اڑ رہے
ہے قلم عاجز، بیاں اس وقت کا نہ ہو سکے ـ جو دردِ ان ہستیوں پر جو مجسم صبر تھے
دیکھ کر آنکھوں سے سب کچھ جان پر ہی سہہ گئے
دردِ دل سے مٹھیوں میں دل پکڑ کر رہ گئے
شدتِ تپ سے تھے زین العابدین بالکل نڈھال ـ غش پہ غش تھے پڑ رہے ہوتی نہ تھی حالت بحال
پھپھی و اماں تو تھیں سنبھالتیں پر تھا یہ حال ـ بندھے ہاتھوں اونٹ پر خود بھی سنبھلنا تھا محال
ہوش کچھ آتا تھا عابد کو تو کہتے یاحسینؑ!
سر کہاں ہے دھڑ کہاں ہے دیکھتا ہوں کیا حسینؑ؟
عمر سعد و شمر اور خولی بہت مسرور تھے ـ آرزوؤں اور امیدوں سے دل معمور تھے
چاندنی تھی رات کی وہ مست اور مخمور تھے ـ پر جو اہل بیت تھے غمگین اور رنجور تھے
اک پڑاؤ پر کیا عمرو نے جب اُگر قیام
اہل بیت اطہار پہ پہرہ کا رکھا انتظام
تھی حیثیت قیدیوں کی اہل بیت حضرات کی ـ ہاتھ تھے جکڑے ہوئے اور گردنیں بھی تھیں بندھی
جسم نیلے ہو رہے تھے بندشوں سے سب کے ہی ـ کھینچ کر تھیں بندشیں مضبوط تر کر دی گئی
مالک و مختار آزادی کے قید و بند میں
گردشِ ایام کی نیرنگیوں کو کیا کہیں
بیٹھنا دوبھر تھا ان کو لیٹنا تو در کنار ـ تھی تکان اور بھوک پیاس اور حال تھا سب کا نزار
حضرتِ سجاد کو آتا تھا شدت سے بخار ـ حادثاتِ دن کے بعد اب رات کا یہ حال زار
مرتبہ جن کے سوا ہیں مشکلیں ان کی سوا

ـلـه اہل بیت علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان کے خیموں سے اسیر کر کے میدان جنگ میں سے پھرا نے ایک طرف کو لے گئے ـ اور رات پڑاؤ کر کے اگلے دن اسی راہ سے پھر واپس ہو کر کوفہ کی طرف کوچ کیا تاکہ وہ شہدا کو دیکھ کر ملول خاطر ہوں ـ

ہمتیں جن کی ہیں عالی وہ ہیں مردانِ خدا

جگر گوشانِ علیؑ نے رات کی کیسے بسر کون سی تکلیف تھی آئی نہ تھی جو جان پر
چاند تارے بے بسی پہ ہو رہے تھے نوحہ گر شکر ہی تھے کر رہے وہ صبر سے سارے مگر
دودمانِ حضرتِ نبویؐ تھے دیں کے بادشاہ
یہ محافظ دین کے تھے دین کی پشت و پناہ

کہہ گئی شب الوداع ہے چاند تاروں کو لئے اور کہی آذان حضرت عابدِ بیمار نے
لرز اٹھی کائنات اس نعرۂ تکبیر سے بے حقیقت ہیں یہ سارے دشمنوں کے قہقہے
کر رہی تھیں بارگاہِ حق میں زینبؑ التجا
دلفگاروں کو خداوندا ہے تیرا آسرا

کب ہمیں پانی میسر ہے کہ ہم کر لیں وضو بندھے ہاتھوں سے تیمم کی بھی کیا ہو آرزو
سارے موجوداتِ عالم کا ہے مالک تو ہی تو یاد کرتے ہیں تجھے جس حال میں واقف ہے تو
بے بسوں کی کر عبادت کو قبول اے کارساز
ہم اسی قابل ہیں تیری ذات ہے نکتہ نواز

گیارھویں دن جب ہویدا افق پر تھا آفتاب تو کیا عمرو نے اپنے فوجیوں سے یوں خطاب
کہ کفن اور دفن مقتولین کا کیجے شتاب نعش سے لاشے کہیں انکے نہ ہو جائیں خراب
نیز قیدی جو حراست میں ہماری ہیں یہاں
خوانِ شاہی سے انہیں کھانا ملے اب بیگماں

گوشت اور غلہ کئی اجناس کا موجود تھا سب کا کھچڑا سا بنایا اور وہ پکنے لگا
حکم کی تعمیل تھی ورنہ کہے واں شوق تھا کثرتِ اجناس سے طرفہ سا کھانا بن گیا
آج عرفِ عام میں کہتے ہیں جس کو سب حلیم
اس سے بہلائے گئے حضراتِ ساداتِ کریم

تین دن اور رات کے بھوکے پیاسے تھے سبھی جب خورش ان کو ملی تو تھی وہ ایسی نوع کی
غمزدوں نے کھا لیا حتیٰ کہ انکو بھوک تھی آنسوؤں کی جھڑیاں آنکھوں سے تھیں انکے لگ رہی
پاک شہدائے کرام اب آ رہے تھے ان کو یاد
اپنی تکلیفیں مکلف کر رہی تھیں ستم زاد

اس طرف مشغول تھے دشمن کے اکثر آدمی
اپنے مقتولین پہ پڑھتے نمازیں تھے سبھی
دفن کرتے تھے کفن دے کر شقیوں کو شقی
پہ شہیدوں کی طرف بالکل توجہ بھی نہ تھی
نہ شہیدوں پہ پڑھی ہرگز جنازہ کی نماز
دفن ہرگز نہ کیا رکھا کفن سے احتراز

جن شہیدوں کے ابھی کاٹے نہ تھے انہوں نے سر
کاٹ ڈالے ان کے سر اب وقت فرصت دیکھ کر
حضرت اصغر کے سر تک بھی نہ چھوڑا کوئی سر
کاٹ ڈالے جو بہتر تھے رفیق ان کے بھی سر
صاف کر کے سب سروں کو برچھیوں پہ لے لیا
یہ سر لشکر انہیں ترتیب سے زینت دیا

قافلہ سادات اور لشکرِ اعدا کی کوفہ کو روانگی

آگے آگے سب کے تھا اک فوجی باجہ بج رہا
اس کے پیچھے خاص دستہ فوج کا تھا آ رہا
اپنے اس دستہ کے پیچھے آپ عمر و سعد تھا
سر جناب سید الشہدا کا اس کے ساتھ تھا
پیچھے پیچھے اس کے تھے سر یا قیانِ اہل بیت
بعد اس کے تھے بہتر عاشقانِ اہل بیت

ان کے پیچھے ننگے سر تھیں آ رہی سب بیبیاں
جو برہنہ پشت اونٹوں پہ تھیں بیٹھی ساریاں
قیدیوں کی طرح ہاتھوں میں بندھی تھیں رسیاں
آیۂ تطہیر جن کی شان ہے اندر قرآں
سب سے آخر فوج تھی دستوں کے دستے آ رہی
جانبِ کوفہ یہ جمعیت تھی ساری جا رہی

قافلہ کا کربلا سے ہو رہا تھا جب گزر
بکھرے بکھرے لاشے کچھ آئے نظر اس راہ پر
بکھلے کچلے سے ہیں دھڑ جن پہ نہیں ہے کوئی سر
ریزہ ریزہ ہو رہا ہے ایک لاشہ اس قدر
پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں جوڑ سب اس کے جدا
چور تھا زخموں سے اور مٹی سے تھا لتھڑا ہوا

رو رہی تھی بے بسی اس بیکسی کے حال پر
ہو رہی تھی بے سر و سامانی اس پہ نوحہ گر
مضطرب تھی بہن بھائی کی یہ حالت دیکھ کر
دل پھڑک کر رہ گیا اور رہ گئی جاں تڑپ کر
حضرت زینب کے دل کا کھو گیا صبر و قرار

بیقراری بڑھ گئی اور ہو گئیں بے اختیار
واجداہُ وا محمدؐ وا رسول اللہ نظر لوٹتا ہے خاک و خوں میں آپکا لخت جگر
اس طرح جور و ستم کے تھا نہ یہ قابل مگر آپ کی امت نے بلوا کر ہے توڑا یہ قہر

اس طرح سے زینب ناشاد نے فریاد کی
داد کرتی تھیں طلب اس ظلم اور بیداد کی

لب وہ لب ہیں اپنے لب جن پر رکھا کرتے تھے آپ سینہ وہ ہے چوم کر جسکو جیا کرتے تھے آپ
خطبہ پڑھتے گود میں جس کو لیا کرتے تھے آپ یہ حسین پاکؑ کہ جس کو کہا کرتے تھے آپ

کہ سواری گر ہے اچھی اچھا اس کا ہے سوار
اس سے میں راضی رہوں گا اسکا جو ہو غمگسار

ہم ہیں غمگیں اب ہماری غمگساری کیجئے یا رسول اللہ دلداری ہماری کیجئے
کس کے آگے جا کے ہم اب آہ و زاری کیجئے وہ رہ نانا جی ہماری بیقراری کیجئے

ایسا درد انگیز تھا زینب کا یہ طرز بیاں
دشمنوں کے بھی پگھل کر دل ہوئے آنسو رواں

ہٹ کے کوفہ سے ذرا ٹھہرا یہ لشکر پھر سبھی بارھویں شب تھی محرم کی یہ اور تھی چاندنی
قیدیوں کے حال پہ پہلے سے کچھ نرمی نہ تھی بندشیں ساری تھیں پھر مضبوط تر کر دی گئی

کچھ میسر نہ وضو کے واسطے پانی ہوا
اور تیمم ہی عبادت کے لئے کافی ہوا

رات گزری جیسے گزری کسطرح سے ہو بیاں سخت پہرہ کی تھی نگرانی بڑی تھیں سختیاں
سارے دشمن ہی تو تھے دیتے تھے سارے جھڑکیاں جب پہنچی یہ تو کہی عابدؑ نے صبح کی اذاں

سرنگوں سجدہ میں تھے جب اہلبیت عالی تبار
کرتے استہزا تھے ان پر دشمنان نابکار

دن چڑھا تو ہو گئے سب کوچ کرنے کو تیار آگے آگے فوج کے تھے سب قبائل کے کبار
سر شہیدوں کے تھے نیزوں پر قطار اندر قطار بات ہو جائے یہ تاکہ ہر کسی پر آشکار

کہ کوئی یاں اہل بیت حضرات کا دردی نہیں
اور اب ان سے کسی کو کوئی ہمدردی نہیں

خولی کی تحویل میں تھا سید الشہدا کا سر اس کے پیچھے کربلا کے باقی سب شہدا کے سر
اہل بیت اطہار کی مشکیں بندھی تھیں پیٹھ پر بے کجاوہ اونٹ تھے جن پر تھے بیٹھے ننگے سر
کپڑے ان کے تھے پھٹے چہروں پہ تھا گرد و غبار
سر کے بالوں سے چھپایا منہ تھا آنکھیں اشکبار

اس طرح سے جا رہا تھا قافلہ سادات کا خانماں برباد ان عالی نسب حضرات کا
شادماں ان کا مگر ہر دشمن بدذات تھا ہر کسی کو حوصلہ تھا کی ہوئی خدمات کا
جانب کوفہ تھا اب لشکر یہ سارا جا رہا
بج رہا باجہ تھا، جھنڈا ان کا تھا لہرا رہا

کربلا کے شہیدوں کا دفن

غاضریہ گاؤں اک تھا بر کنارۂ فرات تھے بنی اسد اور بنی طے کے وہاں کچھ جات
واں ہوا بالاتفاق انکا گزر گزری جو رات تو انہوں نے کربلا کے دیکھے سارے حادثات
بارھواں دن تھا محرم کا کہ جب آئے یہاں
لشکر عمر سعد کا تھا ہو چکا سارا رواں

سب اکٹھے ہو گئے اور مشورہ سب نے کیا دفن انہوں نے امام پاک کو پہلے کیا
دفن شہدائے بنی ہاشم کو پھر اک جا کیا دفن پھر باقی شہیدوں کو انہوں نے کر دیا
حضرت عباسؓ کا لاشہ پڑا تھا جس جگہ
دفن ان کو راستہ میں کر دیا اس ہی جگہ

ذکر تواریخوں میں اسکا اسطرح بھی ہے لکھا دفن ہر گز نہ شہیدوں کو کسی نے تھا کیا
اہل بیت حضرات کو جب شام میں بھیجا گیا شام سے ان کو مدینہ کی طرف لایا گیا
آئے پہلے کربلا میں ہی وہ تھے غم سے گداز
ہڈیاں چن کر شہیدوں کے بنائے تھے مزار

قافلہ کا کوفہ میں دخل

آئیے اک بار ہم پھر قافلہ کا ساتھ دیں خاندان مصطفےٰ و مرتضےٰ کا ساتھ دیں

ہم مصیبت اور کلفت میں بھی انکا ساتھ دیں   آخرت میں تاکہ ہم جنت میں انکا ساتھ دیں

قافلہ کوفہ میں داخل ہو چکا ہے اس گھڑی
ہو چکی ہے عصر لیکن ہے تپش اب بھی بڑی

دن کربلا کا ہوا محسوس شدت کی تپش   سیر ہو کر پانی پینے کو نہ سامانِ خورش
ظلم کا شکوہ کسی سے نہ کوئی داد و دہش   کلفتِ ناگفتنی کی دل میں باقی تھی خلش

دل طپیدہ جاں رمیدہ جسم چکنا چور تھے
بند نہیں تھیں اس قدر ہلنے سے بھی مجبور تھے

کچھ عجب ہی حال پر تھی کوفیوں کی چال ڈھال   تھی طبیعت غیر متوازی دگرگوں تھے خیال
قافلہ کی آمد آمد کا یہاں پہنچا جو حال!   تو تماشائی یہ بن کر آ گئے سب بد خصال

تھے یہ بازاروں دکانوں میں اکٹھے ہو رہے
اور چھتوں پر مکانوں کی تھے یہ بیٹھے ہوئے

کچھ درختوں پر چڑھے نظارہ بینی کے لئے   کچھ دروں میں اور دریچوں میں کھڑے تھے جھانکتے
بہت دیواروں پہ چڑھ کر بھی جمع تھے ہو رہے   تاکہ اس نظارہ کا ان کو تماشا ہو سکے

کہ نظر نیزے پڑے ٹنگے ہوئے تھے جن پہ سر
پھر نظر آئیں وہ مستورات جو تھیں ننگے سر

فوج پہرہ داروں کی نیزے لئے تھی بڑھ رہی   ننگی تلواریں نظر آتی تھیں اکثر چمکتی
قیدیانِ پاکبازں کی مختصر تعداد تھی   پر تماشائیوں کی تھی تعداد بڑھتی جا رہی

کچھ حراست میں لئے انکو تھے اب لے جا رہے
ہر طرف سے لوگ کچھ تھے دیکھنے کو آ رہے

جب رذیلوں کو خدا دنیا میں دے کچھ اختیار   اور مفادوں کو ہو حاصل دنیوی عز و وقار
اہلیت نااہل بد دل کی ہے پھر ہوتی آشکار   اور چھا جاتا ہے حق پر کذب و باطل کا غبار

ایسی اندھیاری میں تارا پھر کوئی ہے چمکتا
دھندلکے میں دیتی ہے شمعِ حسینی پھر ضیا

خون کے آنسو ہے رلاتا حالِ زارِ اہلِ بیت   کہ نہ تھا کوئی وہاں پہ غمگسارِ اہلِ بیت
تھی زمانہ کی فضا ناسازگارِ اہلِ بیت   پر مجسم صبر تھا ہر تاجدارِ اہلِ بیت

حق سے تھے مربوط اور تھے دل بہ بندِ مصطفٰے
عین کامل فرد تھا اک ایک پوُرِ مرتضٰے

تھے فسردہ حال پر سینوں میں دل تھے مطمئن — اس قدر رنج و محن میں بھی تھی اللہ کی لگن
گھر دی پر تی گئی لائے نہ ماتھے پر شکن — غالب آ سکتے نہیں شاہیں پر زاغ و زغن

صیغان ہاشمی جکڑے ہوئے تھے جا رہے
پھر پھرا کر قلعہ کی جانب تھے لائے جا رہے

قلعہ کے نزدیک آ کر قافلہ ٹھہرا یہاں — اور آمادیں اونٹوں سے بندھی ہوئی سیدانیاں
عابدِ بیمار کو جکڑے ہوئی تھیں رسّیاں — ضعف سے چکر جو آیا گر پڑے حضرت وہاں

سر پہ آئی چوٹ اور اک زخم بھی تھا ہو گیا
زخم سے حضرت کے کافی خون تھا بہنے لگا

شہربانو اور زینب نے جو دیکھی خون کی دھار — تڑپ اٹھیں ہو گئیں بے انتہا وہ بیقرار
کہتیں کیا اور کس سے کہتیں کون تھا واں غمگسار — صبر سے کہنے لگیں ہے پاک تو پروردگار

مونس و مشفق کریم و مہرباں ہے تیری ذات
ہے بجز تیرے معاون کون اندر مشکلات

برقعہ اوڑھے واں کھڑی تھی فاطمہ بنت زیاد — بھائی سے رکھتی تنفر تھی بہن یہ نیک زاد
دل عبید اللہ سے اسکا نہیں رہتا تھا شاد — حال جب دیکھا یہ تو کہنے لگی او نامراد

اے عبید اب تیرے باعث دیکھتی ہوں میں یہ کیا
خاندان مصطفٰے کا حال یہ واحسرتا!!

موت آ جاتی تجھے عبید ہوتا کیا ہی خوب — دھنس جاتا تو زمیں میں تو یہ ہوتا کیا ہی خوب
تجھ پہ گر پڑتی اگر بجلی تو ہوتا کیا ہی خوب — ماں ہی یا مجھ کو نہ جنتی پھر بھی ہوتا کیا ہی خوب

دیکھتی آنکھوں سے یہ ہوں اے مرے اللہ کیا
اے زمیں شق ہو کہ جاؤں تیرے اندر میں سما

فاطمہ کچھ اور کہتی کہ یہ شمر نے یہ کہا — حکم خولی نے بھی تاکیداً تھا یہ دہرا دیا
قیدیوں کو قلعہ میں داخل کرو یہ حکم تھا — کی گئی تعمیل سے تعمیل اس کی یہ ملا
تھا یہ مقصد ان سے کوئی نہ روا داری کرے

اور ان کے ساتھ کوئی بھی نہ غمخواری کرے

قافلۂ سادات عبید اللہ ابنِ زیاد کے دربار میں

قلعہ میں محبوس رکھے شب کو ساداتِ کرام — صبح کو عبید نے بلوایا اک دربارِ عام
مدعو دربار میں تھے شہر کے سب خاص و عام — تا کرے تفہیم حقدار دل میں وہ اپنے انعام
سب عمائد اور روٗ ساتھے اکٹھے کر لیئے
کرسیوں پہ خوب سج دھج کے جو تھے بیٹھے ہوئے

اک مرصع تخت پہ عبید تھا بیٹھا ہوا — لاؤ مقتولین کے سر حکم یہ اس نے دیا
وارثوں کو بھی کرو حاضر یہ پھر اس نے کہا — حکم کی تعمیل میں عمرو تھا آگے بڑھ رہا!
اک سنہری طشت میں تھا سید الشہدا کا سر
عام طشتوں میں تھے رکھے باقی سب شہدا کے سر

لا کے سب سر سامنے عبید کے تھے رکھ دیئے — اور وارث ان سروں کے ساتھ ہی لائے گئے
ہاتھ اہلبیت کے پیچھے کمر کے تھے بندھے — قیدیوں کی طرح یہ دربار میں تھے سب کھڑے
بی بی زینب ایک گوشہ میں کھڑی تھی ہو گئیں
چیتھڑے بوسیدہ تھے کپڑے جن میں یہ ملبوس تھیں

دست بستہ تھے کھڑے خدام ابنِ زیاد کے — دائیں بائیں ظالمانِ کربلا تھے سب کھڑے
کر رہے تھے بیان سب یہ اپنے اپنے معرکے — اپنے کاموں پہ تھے وہ دادِ شجاعت لے رہے
حضرتِ زینب پہ ابنِ زیاد کی اُٹھی نظر
کون عورت ہے یہ پوچھا انکے کپڑے دیکھ کر

تو جواباً بات مجمع سے کہی تے یہ کہی ! — یہ ہے زینب بنتِ حیدر نواسہ ابنِ رسول
سن کے ابنِ زیاد نے پھر گفتگو اسطرح کی — ایک مچھلی سارے پانی کو ہے گندہ کر گئی
کر گیا تم کو ذلیل و خوار ہے باغی حسینؑ
ننگ ہے سب خاندان کو کر گیا واصل حسینؑ!

شکر ہے کہ اس نے پائی ہے بغاوت کی سزا — اس سے تمہارے جوانوں کو بھی ہے مٹوا دیا
اپنی نافرمانی کا انجام اس نے پا لیا — اور تم کو بھی مصائب میں ہے کیا اُلجھا دیا!

کرچکا بکواس کو جب یہ خنم یہ خانہ خراب
تو دیا زینب نے اسکو یہ جوابِ باالصواب

ہر گھڑی ہر لحظہ ہم کرتے ہیں سب شکرِ خدا   جس نے یہ ذریعہ محمد مصطفےٰ و مجتبےٰ
ہم کو رب نے مرحمت عزو شرف فرما دیا   پاک ہیں ہم، آیہ تطہیر سے جتا دیا

اس محمد مصطفےٰ پر ہوں کروڑوں رحمتیں
اور ہوں آلِ محمدؐ پر ہزاروں برکتیں

جس کو تو باغی ہے کہتا راستا ہے وہ حسینؑ   شرفِ انسانی ہوا جس سے عیاں ہے وہ حسینؑ
ہو گیا قربان جو اسلام پر ہے وہ حسینؑ   آج جو دنیا میں تھا انسانِ کامل وہ حسینؑ

کربلا میں در علانا تھا اسے ہر آدمی
راستی کی راہ سے اس کو تھے الجھاتے سبھی

وہ مگر پکا رہا اسلام کی ہی راہ پر!   سختیاں اس نے سہیں گو سخت سی تھی رہگذر
تم غلط راہ پر ہو، لیکن وہ تھا سیدھی راہ پر   تم نے ایذائیں بہت دیں وہ مگر تھا پختہ تر

تم نے دامن پر لگایا اپنے بیدینی کا داغ
جان کھو کر راستی کا پا لیا اس نے سراغ

کیا تجھے محسوس ہے کہ بہن بنتی فاطمہ   نام رکھا جس کا پر تقدیس زہرا فاطمہؑ
وہ کھڑی ہے برقعہ اوڑھے اور اسیر بے ردا   اور بنتِ فاطمہؑ کا سر ہے ننگا ہو رہا

جانتے ہو جب تلاوت میں کھلا تھا سر مرا
تو اڑھائی خود رسول اللہ نے مجھ کو ردا

ہوں ترے دربار میں قیدی ہے ننگا سر مرا   جبکہ تھا جنابِ بتوک آشنا تو ہوگا ہی سنا
بنت اشعب کو اڑھائی نانا جی نے تھی ردا   تو نے ہے اس کی نواسیوں کو ننگے سر کیا

تیری ماں بہنوں کو پردہ کی بڑی تخفیص ہو
ہم پہ تمہاری طرف سے اسمیں یہ تنقیص ہے

میرے بھائی نے اجاگر کر دیا ہے حزب کو   تم نے حق جانا مگر ناحق کو اور نا خوب کو
تم نے سمجھا ہی نہیں مکروہ اور معیوب کو   قتل کر ڈالا رسول اللہ کے محبوب کو

کر لیا محفوظ ایماں جان اسنے دی تو کیا

حق یہ ہے کہ بول بالا حق کا اس نے کر دیا

تھا عبید اپنی ذلالت کا یہ خود اپنا جواب! سنگدلی میں تھا نظیر اپنا ہی تو وہ خانہ خراب
تھا نہ ان باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب یہ کہا زینب سے، بھائی نے کیا تم کو خراب

سرکشی جو ہم سے کی تو قتل ہی پھر ہو گیا
اور خدا سے اس نے پائی اس بغاوت کی سزا

اس کی اس بکواس پر عابد نے اک آیت پڑھی جس کا مطلب یہ تھا سر پہ موت ہے سب کے کھڑی
دے گی مہلت نہ کسی کو بھی یہ اک پل اک گھڑی ہر کسی کو آئی ہے آئیگی اک دن تجھ کو بھی

پھوپھی جی نے جو کہا ہے اسکا بھی دے کچھ جواب
دینا ہے اکدن تجھے رو برو رب کے حساب

یاد ہے کیا غیر مسلم سے ہمارا تھا شعار اور کہلا کر مسلماں تم کو کچھ آئی نہ عار
کہ گھرانۂ نبیؐ کا کیا کیا عزت و وقار یاد رکھ تو نے بھی اکدن ہونا ہے بے اختیار

تھا اسی دن کے لئے کلمہ محمدؐ کا پڑھا
ذبح کر دو تا عیال و اہل اس کے بے خطا

سامنے تیرے کھڑے ہیں کس طرح بندھے ہوئے رسیوں سے ہیں ہمارے جسم نیلے ہو رہے
سب کے کپڑے پھٹ رہے ہیں اور میلے ہو رہے کیا مسلمانوں کے ہیں یہ کام جو ہو رہے

یہ محمدؐ سے وفا کا ہے سلیقہ اور شعار
اس کے ہی قلب و جگر کو تم کرو ایسے شکار

حضرت عابد کی باتوں پر وہ جھنجھلایا بڑا راست بازی اور حق گوئی پہ گھبرایا بڑا
وقت اپنے کا قضائی طیش میں آیا بڑا پیچ و بل کھاتا ہوا یہ سانپ لہرایا بڑا

اور کہا پھنکار کر قتل اس جواں کو بھی کرو
کہ حسینؑ ابن علیؓ کا نام لیوا تک نہ ہو

تھا یہ بیمار اس لئے چھوڑا ہے عمرو نے کہا پر کہا عبید نے منشا ہے اور یہ مدعا
کہ علیؓ کی نسل کا ہو جائے بالکل خاتمہ [1] ہے یہ بدلہ جنگ خندق اور جنگ بدر کا

---

[1] جنگ خندق اور جنگ بدر میں حضرت علی شیر خدا علیہ السلام کے ہاتھوں بہت سے بنوامیہ کے افراد واصل بجہنم ہوئے تھے

جھک گئیں سن کر یہ زینب عابدِ بیمار پہ
بھائی کے بیٹے کے بدلے ہو گئیں سینہ سپر

یہ کہا زینب نے اے عبید اے ابنِ زیاد — کر چکا جو کچھ ہے اب تک کیا نہیں اس پہ تُو شاد
اور کرائیگا نہ کیا کچھ تیرے ایماں کا فساد — پر نہیں آئیگی لیکن تیرے دل کی یہ مراد
یاد رکھ کہ ساتھ اس کا میں نہ چھوڑوں گی کبھی
قتل ہو جاؤں گی میں بھی ساتھ اس بچے کے ہی

حضرتِ عابد یہ بولے کہ نہیں ہے آرزو — نہ ہی جینے کی ہوس ہے اور نہ ایسی جستجو
قتل سارا خاندان ہے ہو چکا، عبید تو — قتل کر دے مجھ کو بھی لیکن یہ ہے اِک آرزو
کہ مدینہ میں تو بھجوا دینا مستورات کو
متقی و نیک بندہ کوئی ان کے ساتھ ہو

حضرتِ سجاد کی یہ گفتگو تھی با اثر — ہو گیا عبید پہ تھا اس دلیری کا اثر
تو اشارہ کر کے روکا قتلِ عابد جلد تر — یہ ستم گر کچھ ظرافت سے لگا کہنے مگر
عورتوں کے ساتھ رہنے کیلئے زندہ ہے
تاکہ اپنی جان پر کچھ اور صدمے بھی سہے

طشت پر ڈالی نگاہ جو اس طرف سے رُخ پھرا — سر شہیدوں کے نظر آئے اسے واں جا بجا
تھا منوّر اور ممیّز سر امام پاک کا — اک چھڑی سے تھا یہ دندانِ مبارک چھیڑتا
کہہ رہا تھا ایک شیطانی مسرت سے لعیں
کیا رہا انکارِ بیعت کا اسی منہ کے نشیں

زید بن ارقم صحابی تھے، وہاں موجود تھے — ہو گئے مضطر، جگر کو تھام کر وہ رہ گئے
بیقراری کو وہ اپنی ضبط نہ جب کر سکے — تو وہ اس ابلیس ابنِ زیاد سے کہنے لگے
بے ادب کیا کر رہا ہے اتنی گستاخی نہ کر
لب و دنداں سے ہٹا لے تو چھڑی کو دور تر

بارہا دیکھا رسول اللہ کو کرتے پیار — چوما کرتے تھے انہی دندان کو وہ بار بار
لب پہ لب رکھ کر کیا کرتے تھے جان اپنی نثار — رو رہی ہے [illegible] اس صدمہ پہ آنکھ زار زار
کیا محمدؐ کے نواسہ کا یہی ہے احترام

ہو گیا ایمان رخصت کر گیا فہم کو سلام

زید چیخیں مارتے تھے رو کے تھے یہ کہہ رہے — سانحہ یہ دیکھنے کو ہم ہیں زندہ رہ گئے

اور بھی حضارِ مجلس جو وہاں موجود تھے — سب کی تھیں نمناک آنکھیں اور سبھی تھے رو رہے

طیش میں عبید نے ان سے یہ جھلا کہ کہا

زید او بڈھے صحابی قتل تھی تیری سزا

تو رسول اللہ کا ہے اک صحابی محترم — گر نہ یہ ہوتا تو میں کہتا ہوں یہ کھا کر قسم

تیری گستاخی پہ کر دیتا میں تیرا سر قلم — تو کہا یہ زید نے میری صحابیت کا غم

تیرے دل پہ آنے کا ہے کس قدر قصہ فضول

قتل تو نے کر دیا ہے، جب نواسۂ رسولؐ

جل ہی جائیگا تو سن کر پر سناتا ہوں تجھے — تاکہ جل جائے فراغت فرض سے اپنے مجھے

ہے یہ فرمایا نبی نے یاد ہے اتنا مجھے — جان سے پیارے ہیں میرے حسنینؓ یا اللہ مجھے

یہ حوالے ہیں ترے اے پاک ذاتِ کبریا

اپنی امت کو ہوں یہ بارِ امانت سونپتا

پوچھتا ہوں تجھ سے میں ابنِ زیاد اب سچ بتا — پاس تو نے ہے رسول اللہ کا کتنا کیا

اس خیانت پر تری ارواحِ جملہ انبیا — اور ملائک ہیں تڑپتے وا دریغا حسرتا

تو نے فرزندِ نبیؐ کو کر دیا پہلے شہید

اب اسیری میں تری ہیں اہلبیت اس پر مزید

اس طرح نعرے لگا کے زید مجلس سے گئے — ان کی اس حالت سے کوفی بھی پریشاں ہو گئے

اپنی کرتوتوں پہ تھے وہ اب بہت پچھتا رہے — ان میں سے روتے ہوئے اکثر نظر تھے آ رہے

دیکھ کر سب کچھ یہ تھا عبید متذبذب ہوا

وہ سمجھتا تھا وقار اب اسکا اک خطرہ میں تھا

اب وہ ممبر پر چڑھا اور اس نے اک خطبہ پڑھا — کر کے شکریہ خدا کا اس نے لوگوں سے کہا

حق کو باطل پر خدا نے ہے عطا غلبہ کیا — اور اہل بیت کی تضحیک تھا وہ کر رہا

وصف اپنے خانداں کے کر رہا تھا وہ بیاں

ابنِ عفیف عبداللہ اک مجلس میں تھا موجود واں

ہو گیا بیتاب اس کے کفریہ کلمات سے اس تعلی اور بک بک کے ان اعلانات سے
تو بلند آواز سے اس نے کہا بدذات سے چپ رہ او بے ادب باز آ اپنی خرافات سے
تو ہے جھوٹا اے عبید اور باپ بھی جھوٹا ترا
وہ بھی جھوٹا جس نے تجھ کو ہے دیا حاکم بنا
تو رکے بیٹھے ہیں جن کو کہہ رہا ہے تو برا قتل تو نے ہے نبیؐ کے لال کو کروا دیا
اور اس کے بیگناہوں کو اسیر اب ہے کیا شرم تجھ کو نہ محمدؐ کی نہ ہے شرم خدا
بے ادب بکواس کرتا ہے خدا کا خوف کر
روز محشر سے نہ ڈر، روز جزا کا خوف کر
ایک تھے حضرت انسؓ انہوں نے بھی تائید کی اور دکھائی اس کے ان اعمال سے آزردگی
اور اس مردود کو بہ آپ نے تاکید کی کہ نہ بے ادبی کرے وہ اہل بیت حضرات کی
سوچتا عبید کو اس حال سے تھا ماجرا
ہو نہ اس ہیجان سے ہنگامہ ہی کوئی بپا
در حقیقت چونکہ تھا عبید اک ولدالحرام[1] فطرتاً اس سے نہ ہو سکتا تھا کوئی نیک کام
اک کنیزک سمیہ کے شکم سے تھا بد لگام عادتاً یہ کہانت پر رہتا تھا جب ہو کوئی کام
بھانپ کر رجحان خلقت کا یہ حکم اس نے دیا
قیدیوں کو تم فلاں کھنڈر میں لے جاؤ ذرا
حکم دے کر خود بہ عجلت کر لیا دربار بند اور مخفی حکم سے پابند رکھی قید و بند
کہ نہ کوئی مل سکے اہل بیت سے بہرہ مند کوئی اپنے سینے میں رکھتے تھے قلب گوسفند
ڈر کے مارے نہ کوئی اس قید خانہ تک گیا
قیدیوں کا حال پہلے حال پر قائم رہا

اہل بیت اطہار کی کوفہ سے شام کو روانگی

ہو چکا جب تار یخ کو قاصد گیا جو سوئے شام شہر بھر میں ہر کوئی آتا نظر تھا شاد کام

---

[1] زیاد کے تعلقات نکاح سے پہلے لونڈی سمیہ سے تھے۔ نکاح بعد میں ہوا۔ ابن زیاد پہلے کی پیداوار تھی۔

واپسی پر اس کی یاں ہونے لگے سب انتظام   قافلہ کو کوفہ سے بھیجا گیا با اہتمام
دو صفر کو کربلا میں قافلہ داخل ہوا
ہاں سے قادسیہ و موصل کی طرف تھا جا رہا

تھی قیادت شمر کی اور پانچ ہزار افراد تھے   قیدیوں کو جو حراست میں لئے تھے جا رہے
سارے قیدی تھے برہنہ پشت اونٹوں پر لدے   پا بہ زنجیر اور پیدل حضرت سجاد تھے
ننگے پاؤں جا رہے تھے ہاتھ میں تھامے مہار
تھک کے چکنا چور تھے ہلکا تھا گو ان کا نزار

قافلہ والے تھے موصل کے قریب اب آ گئے   دور ہی سے سر شہیدوں کے نظر تھے آ رہے
ہاتھ سب سادات کے بندھے دکھائی جب دیئے   اہل موصل نے تھے بند دروازے اپنے کر لئے
عمر و سعد اور شمر نے دیکھا تو ششدر ہو گئے
ہو کے متحیر وہ لوگوں سے تھے اب یہ پوچھتے

تم پہ لازم تھا کہ خوش ہوتے خوشی کی بات تھی   باغیان وقت پر حاصل فتح ہم کو ہوئی!
کی ہماری تم نے عزت کی جگہ بے عزتی   خیر مقدم نہ کیا کوئی تواضع بھی نہ کی
جب سنائیں گے تمہاری اس کو ہم دید و شنید
تم پہ اپنا قہر ڈھائے گا خلیفہ یزید

اہل موصل نے دیا ان موذیوں کو یہ جواب   کھول دینا جا کے تم اپنی شکایت کی کتاب
ہے خلیفہ بھی خراب اور تم بھی ویسے ہی خراب   رو برو اللہ کے بھی تم نے دینا ہے حساب
حال تم نے یہ کیا جب اہل بیت حضرات کا
ہم کو تمہاری طرف سے نیک امید اب ہو تو کیا

تم چلے جاؤ یہاں سے ہے اسی میں بہتری   اس قدر تمہارے ایمانوں کی ہے پژمردگی
تم سے ہے بیزار لوگوں کی طبیعت ہو رہی   دیکھ سکتے ہم نہیں سادات کی آشفتگی
جاؤ جو مرضی میں آئے تم خلیفہ سے کہو
جاؤ چھٹی ہے تمہیں جو جی میں آئے وہ کرو

اہل موصل کی ہوا ایسا نداری کا اثر   کہ وہاں سے کوچ عمر و نے کیا بھر زود تر
پھر نہ ٹھہرا آئے جتنے بھی مقام اس راہ پر   حلب عسقلان اور رستے میں جس جگہ تھی گزر

قیام کرتا تھا نہ، آبادی سے کرتا تھا حذر
رات باہر ٹھہرتا صبح کو پھر کرتا سفر

ختم تھا سارا سفر اور تھا دمشق اب چار میل — جا رہے سادات تھے بہ تقویٰ ربِ جلیل
راستہ بھر ان کو دکھ ہی دیتے رہے تھے وہ رذیل — رکھتے تھے امید انعامات کی سارے ذلیل
قیدیوں کے اونٹ کی رفتار کم ہوتی اگر
دُرّے زینب اور سکینہ کے لگاتا تھا شمر

بے نمونہ صبر گو ہو صبر کتنا ہی قلیل — اس زبوں حالی سے سفر اہلِ بیت اتنا طویل
بیان کرنا بھی مصائب کا نہیں دل کو سہل — ان کے ہر ہر حال میں شامل تھا یہ صبرِ جمیل
تھے یہ صابر اور مکمل پیکرِ صبر و رضا
معدنِ اخلاق تھے یہ وارثانِ انبیاءؑ

قافلہ کی آمد آمد کی جو واں اطلاع ہوئی — خوشیاں سارے شہر بھر میں تھیں منائی جا رہی
اور گو شاہی محلوں میں بہت کچھ دھوم تھی — پہنچتے رہتے تھے باقی حال بھی سب ساتھ ہی
راستہ میں عام لوگوں کی وہ ہمدردی کا حال
اپنے جاسوسوں سے سنتا تھا یزیدِ بدخصال

دل ہی دل میں ہو رہا تھا اب یہ اندیشہ اُسے — کہ مسلماں اس سے برگشتہ ہیں اب ہو رہے
اس کے باعث کربلا میں جو ہیں گزرے حادثے — اور سلوکِ ناروا سارے وہ ابنِ زیاد کے
ذمہ داری اسکی ساری اس پہ عائد ہے ضرور
لینگے بدلہ سب مسلماں اس سے اسکا بالضرور

اس لئے جب کربلا کے واقعات اس نے سُنے — تو علی الاعلان بھرے الفاظ اس نے یہ کہے
سمیہ لونڈی کے بیٹے کو خدا غارت کرے — میری منشا تھی نہ ہرگز کام جو اس نے کئے
مُدعا میرا نہ تھا کہ قتل ہو جائیں حسینؑ!
خوش تھا میں گر مصلحت کرتے یہاں آتے حسینؑ

معاویہ نے بھی وصیت آخری تھی اس کو کی — کہ رعایت ہی رکھے حضرت امامِ پاکؑ کی
صحبتِ ناقص سے پر اس کو سمجھ لگنے نہ دی! — بدعمل تھا اس میں استعداد بھی اتنی نہ تھی
اس نصیحت پہ عمل کرنا طبیعت پہ گراں

اب نظر آتی غلط تھیں اپنی دست اندازیاں

گو خلش تھی داغ لیکن دل کے تھا یہ دھو رہا حکم سے تھا سب خوشی کا ساز و ساماں ہو رہا
شب کو تھا جشن چراغاں شہر بھر میں ہو رہا اور دن کو رنگ رلیوں میں ہر اک تھا کھو رہا

شہر کے سب کوچہ و بازار سجوائے گئے
عیش کے سب شغل سب لوگوں سے منوائے گئے

اس حکومت باطلہ کے ٹھاٹھ دکھلائے گئے فتح کے نقارے آگے آگے بجوائے گئے
اور پیچھے پیچھے قیدی اس طرح لائے گئے مشتہر سب شہر میں پہلے وہ کروائے گئے

اور پھر دربار میں حاضر کئے پیش یزید
ان کے سر بھی ساتھ تھے جو کربلا کے تھے شہید

طشتِ زریں میں امام پاک کا سر تھا رکھا دیکھ کر یہ سر یزید اب تھا یہ پھر کہنے لگا
کر دے اس لونڈی بچے عبید کو غارت خدا قتل تم کو میرے بن پوچھے ہی جس نے کر دیا

قتل نہ ہوتے وہاں موجود ہوتا میں اگر
ذمہ داری اس کی ہے عبید و عمرو سعد پر

یہ زباں سے ہی فقط کہنے کی اس کی بات تھی اس زبانی بات کو کچھ موافقت دل سے نہ تھی
کیونکہ اس کے ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی جو چھڑی سر کو اس سے چھیڑ کر یہ بات پھر اس نے کہی

کیا اسی منہ سے اطاعت سے مری منکر تھے تم
کون غالب ہے رہا بتلاؤ اب میں یا کہ تم

تھے صحابی اک ابو ذر نام برزہ اسلمی اک صحابی سمرہ بن جندب سے بھی مشہور تھا
یا ابو برزہ صحابی ہے کتابوں میں لکھا لرز اٹھے حرکت نازیب سے اور یہ کہا

کیوں چھڑی سے چھیڑتا ہے کر رہا ہے کیا غضب
چوما کرتے تھے رسول اللہ یہ دندان و لب

ہو گئیں زینب یہ حرکت دیکھ کر تھیں بیقرار صبر کا یارا نہ تھا کچھ ہو گئیں بے اختیار
اور کہا کہ زندگی میں گو نہیں ہے اعتبار آئیگی موت اے یزید اک دن تجھے بھی تو تیار

بے بسی میں دوسروں کے ہاتھ ہوگا تیرا سر
زندگی میں یاد کر اس موت کو تو سر بسر

تو یہ زین العابدینؓ سے تھا یزید اب کہہ رہا اس بغاوت سے تھا تیرے باپ کا یہ مدعا
دیگا شاید اس طرح میری حکومت کو مٹا پر خدائے پاک کو اس طرح نامنظور تھا
دیکھ لے یہ سر پڑا ہے اس کا میرے سامنے
اور میں زندہ خلیفہ ہوں یہ سب کے سامنے
حضرت عابدؓ نے اس کو نہ دیا کچھ بھی جواب حضرت زینبؓ نے لیکن یوں کیا اس سے خطاب
آپ کو تو موت بھی آ جائے گی اک دن جناب زندگی شیطان نے پائی ہے لیکن بے حساب
تھا ہمارا امتحاں جو ختم ہے اب ہو چکا
جس خدا کا نام لیتا ہے ذرا یہ تو بتا
اس خدا کے سامنے سچا بھی تو ہو جائے گا جس خدا نے ہے رسول اللہ کو برحق کیا
تو نے اس پر حق کی ہے اولاد سے ناحق کیا قہر و ظلم و ستم جو کچھ بھی کیا بیشک کیا
اتنا کچھ کر کے بھی جا کر اس کو منہ دکھلائیگا
سمجھا دشمن ہے جسے واں اس کو بہتر پائیگا
تو ہے کہتا کہ ہیں عبید اور عمرو ذمہ دار کربلا میں اہل بیت تھے ان کی آتش کے شرار
ہم کہیں گے تیرے منہ پر ہی مگر ہر بار بار ذات ہے تیری ہی سارے ظلم کی آئینہ دار
کربلا تو ہو چکی ہم ایسے ہیں تیرے سامنے!
رسیوں سے گردنیں اور ہاتھ ہیں پیچھے بندھے
جسم میلے ہو رہے ہیں کپڑے ہیں سب تار تار بیشتر ہر ایک کے عزت ہمارے اشکار
جسم آدھے رہ گئے ہیں بھوک سے ہو کر نزار اس زمانہ کو نہیں ہے ایک حالت پہ قرار
بھائی بہتر تھا مرا اور تم سے تھا افضل بہت
تھا ہمارا باپ تیرے باپ سے افضل بہت
تھا یزید اب کر رہا اپنے عقیدہ کو بیاں اور فضیلت باپ اپنے کی تھا کرتا یوں عیاں
کہ مرے نانا سے افضل تیرا نانا ہے گماں اور ترا دادا مرے دادا سے بہتر راز داں
پر مقابل باپ تیرا باپ میرے کے نہیں!
میری ماں سے تیری ماں لاریب ہے افضل تریں
بی بی زینبؓ نے جواب اس بات کا اس کو دیا فیصلہ اس بات کا خود آپ کر دے گا خدا

دونوں میں افضل علیؓ ہے یا ہے افضل معاویہؓ		اور خدا کے فیصلہ سے قبل اس کا فیصلہ

ہو چکا ہے آنکھ اسکو اس طرح ہے دیکھتی
شک کی گنجائش نہیں اس میں ہے رتی بھر رہی

حضرتِ زینب کی باتوں سے ہوا کافی خفیف		تو لگا سجاد سے کہنے یہ فطرت کا کثیف

باپ تیرا تھا بڑا ہی پاک طینت اور شریف		متقی پرہیزگار اور انتہا درجہ عفیف

لیکن اسکا خیال تھا کہ وہ خلیفہ خود بنے
تاکہ اس کا نام ممبر پہ پڑھایا جایا کرے

شکر ہے کہ نہ ہوا اس کام میں وہ کامیاب		ہو سکا شرمندۂ تعبیر نہ اس کا یہ خواب

تو جواباً یوں دیا سجاد نے اس کو جواب		یہ تو بتلا مسجدوں میں جو ہیں ممبر بے حساب

نسبت ان کو باپ دادا سے ترے ہے یا مرے
جنگ راہِ حق میں بتلا دے کہ ہیں کس نے کئے

میرے آبا نے گنوایا کفر کا سب اقتدار		ان کے دم سے گلشنِ اسلام میں آئی بہار

اور ترے آباد جد کا تھا اسی پر انحصار		کہ کریں حاصل فقط وہ دنیوی عز و وقار

گفتگو جاری تھی کہ اتنے میں اک نوبت بجی
ٹوک کر سجاد کو یہ بات پھر اس نے کہی

تو ہی ہے نام کا [illegible] بجتا ہے [illegible]		شوکت و عظمت ہماری کر رہا ہے [illegible]

یہ بتا کہ ہے ترے اسلاف کی نوبت کہاں		کس جگہ عظمت تمہاری ہو گئی ہے اب نہاں

یہ کہا سجاد نے نوبت ہماری جب بجی
چپ ترے اسلاف کی نوبت وہیں ہو جائیگی

ہے تری نوبت میں ساری ظاہری نام و نمود		دنیوی اعزاز و ذلت کی ہے ساری ہست و بود

اور سب اسبابِ فانی کا فقط اس میں وجود		اس لئے ہیں ناپائدار اور عارضی عیش و سرود

باپ میرے کی بجے نوبت تو دل ہوتا ہے شاد
ہو کے پھر آزاد دنیا سے خدا آتا ہے یاد

گفتگو یہ ہو رہی تھی ہو گیا وقتِ نماز		دی مؤذن نے اذاں با صد نوائے سوز و ساز

یہ کہا عابدؑ نے سن نوبت ہے کیسی جاں نواز		اس کو سن کر ہوتے ہے سینوں میں کیا ہیں دلگداز

ہے مرے اجداد کی بھی یہ نوبت اے یزید
یہ بجیگی پنج وقت ہر روز تا یوم وعید
گر نہیں معلوم تو یہ بات اب معلوم کر کہ پڑھیں گے خطبہ میرے نام کا سب حیدوم کر
اور ہمارا نام لیں گے لوگ ان کو چوم کر ان سے آئے گی مسرت ہر دل مغموم پہ
تا قیامت ابر رحمت بن کے وئے گا یہاں
نام نانا کا مرے روشن ہے نارو بہ شمار
کس کے گھر میں اے یزید آمد تھی جبرئیل کی سچ بتا مجھ کو کہ آیا کرتی تھی کس پہ وحی
آیہ تطہیر کس کی شان میں نازل ہوئی فرض لوگوں پر محبت ہے ہماری یا تری
کلمہ پڑھتے کس کا ہیں سارے مسلماں سچ بتا
نانا میرا ہے رسول اللہ یا نانا ترا
کیا ہمیشہ ہی رہے گی شوکت و عظمت تری کیا سدا جاری رہیں گی محفلیں یہ عیش کی
دین سے غافل! ترا سارا وقار دنیوی خاک میں ملنے کو ہے نزدیک ہے اب وہ گھڑی
تو کہاں تک پادشاہت میں رہیگا مست خواب
جلد ہی مٹنے کو ہے مدہوش تیرا یہ شباب
نشہ ہے تیری حکومت کا اترنا ایک دن چھوڑ کر سب کچھ جہاں سے ہے گزرنا ایک دن
ہے اترنا تخت سے تختہ پہ چڑھنا ایک دن موت سے گر اب نہیں ڈرتا ہے ڈرنا ایک دن
چند دن کے بعد نوبت تیری بس ہو جائیگی
عارضی عیش و طرب کی سب قلعی کھل جائے گی
کس شریعت کا ہے تو حامی کہ پیتا ہے شراب ہے حرام افعال میں تو کھو رہا اپنا شباب
ہوتے ہیں اعمال ایسے موجب قہر و عتاب اے یزید آئیگا تجھ پہ جلد اللہ کا عذاب
یاد رکھ ہے آ رہی تیری تباہی اکدن
گھیر لے گی آتش قہر الہی ایک دن!
غور سے سارے حقائق تھا یزید اب سن رہا تھا اگر پتھر، پگھل کر موم ہی تھا ہو گیا
اہل مجلس کو بھی تھا آنکھوں سے اپنی دیکھتا کہ ندامت سے جھکائے سر ہر اک تھا رو رہا
کل جمعہ کا دن ہے فرمایا یہ عابد نے وہاں

ہو اجازت تو سناؤں خطبہ پڑھ کر میں یہاں

تم ہو کہتے زندہ ہوتے گر ہمارے اقربا ... ہوتے خوش اس بات پہ جو کام تم نے ہے کیا
کر لیے بدلہ جنگِ خندق اور جنگِ بدر کا ! ... میں بتاؤں لگا کہ تعصب العین ہے مومن کا کیا

اصل ایماں کی حقیقت واضح تم پر کردوں
ہو سکے مجھ سے اگر کچھ شامیوں کو دیں دوں

کچھ ندامت سے یزید اب آپ سے کہنے لگا ... میں خوشی سے کرتا ہوں منظور کہنا آپ کا
قیدیوں کو دیکھ کر پھر اس نے نرمی سے کہا ... رسیاں ہر ایک کی اب کھول دو کہ دو رہا

عورتوں کو بھیج دو گھر میں نہ وہ باہر رہیں
اور مستورات سے مل کر یہ دل ہلکا کریں

کر دیا انکار زینب نے یہ فرمانے لگیں ... ہم کو دکھلایا ہے تو نے اپنے مردوں کے تئیں
اپنے گھر کی عورتوں کو تو ہمیں دکھلا نہیں ... دل لگی کرتا ہے یہ کوئی تماشہ تو نہیں

چھن گئے گو لٹ چکے زیور لبادہ ہے پھٹا
ہے تنازوں کو ادا ہم نے تیمم سے کیا

اک مہینہ سے زیادہ دن بسر ہیں ہو رہے ... طوق اور مٹی ہمارے جسم پہ ہیں جم رہے
بال سر کے سب چپک کر ہیں اکٹھے ہو رہے ... صورتیں بگڑی ہوئی ہیں ہم ہیں تم سے کہہ رہے

جا یہ جا رسوا نہ کر اور قتل ہی کر دے ہمیں
زندگانی کی ہمیں ہے آرزو باقی نہیں

حال نقاضی تھا ارکا کہ علیحدہ ہو قیام ... اک علیحدہ سے مکاں میں ہو گیا یہ انتظام
تھی اجازت جائیں مستورات واں پر صبح و شام ... آکے دے سکتا ہے پرسا انکو اب ہر خاص و عام

خاص ہمدردی کیا کرتی تھی زوجہ یزید
نام اس کا ہند تھا اور تھی یہ فطرت کی سعید

حضرت سجاد پھر بھی کی اجازت سے گئے ... رونق افروز آپ ممبر پہ جمعہ کے دن ہوئے
بعد حمد و نعتِ مسنونہ کے فرمانے لگے ... جو نہیں پہچانتا مجھ کو وہ اب پہچان لے

کہ میں فرزندِ رسولِ احمدِ مختار ہوں
قلب و جگر و نور چشم سید ابرار ہوں

میں ہوں زین العابدینؑ ابن حسینؑ ابن علیؑ وہ علیؑ جن کو ملا مژدہ فتح خیبری
کہ جواں مردی میں جس کی شان تھی اسداللہی اور امورِ دین میں شہزادہ مرسل کا وصی
صابر و معصوم میرے عم حسنِ مجتبیٰ
میرے ابا سیدالشہدا شہیدِ کربلا
کربلا میں تین دن پیاسا رہا آیا ہوا نہ یزیدی فوج نے ہرگز ہمیں پانی دیا
وہ نواسہ ساقیٔ کوثر کا پیاسا ہی رہا اور اس پہ قتل و غارت کا تھا ہنگامہ بپا
جب چچا عباس پانی پینے دریا پہ گئے
تو بجائے پانی کے جام شہادت ہی پیئے
قاسم و اکبر بھی تیروں سے تھے چھلنی ہو رہے گود میں اصغر کو ابا تھے اٹھاتے جا رہے
خون کے ہی گھونٹ پانی کی جگہ اس نے پیئے بیکسی میں سارے بچے تھے پیاسے تڑپتے
سر مرے ابا کا نیزے پہ چڑھایا کاٹ کے
گھوڑے دوڑا کر بدن پہ روند ڈالا تاب سے
آپ کی تقریر گویا شعلۂ جوالہ تھی جو دماغ و دل پہ سب کے برق ہی بن کر گری
ہر طرف سے آہ و نالہ کی صدا تھی آ رہی بڑھ رہی لوگوں کی اب وحشت تھی اور دیوانگی
گویا تھرانے لگے تھے اب زمین و آسماں!
ہو رہے سب آدمی تھے اسطرح گریہ کناں
گریہ و نالہ سے اک کہرام ہی تھا مچ رہا کہ موذن جمعہ کی آذان تھا اب کہہ رہا
جب شہادت تھا رسولِ پاک پہ وہ دے رہا اس کے آگے آپ نے عمامہ اپنا رکھ دیا
واسطہ دے کر رسولِ پاک کا اس سے کہا
اے موذن ایک دم کے واسطے تو ٹھہر جا
اب موذن تھا خموش اور حاضرین خاموش تھے اک تحیر سے تھے منہ اک دوسرے کا دیکھتے
تھا مخاطب اب یزید آپ اس سے فرمانے لگے کہ رسول اللہ محمدؐ تیرے جد تھے یا مرے
اور اگر تو جانتا ہے کہ ہیں میرے نانا جاں!
اور انہی کے تھے نواسے جو ہیں میرے ابا جاں
تو نے میرے ابا جی کو قتل پھر کروایا کیوں نیزے پہ چڑھوا کے سر تشہیر ہے کروایا کیوں

ہر گلی کوچہ میں اہل بیت کو پھروایا کیوں کلمہ پڑھتے ہے مرے نانا کا نہ شرمایا کیوں
آپ کی تقریر سے چھپکے دلوں کو لگ گئے
تھے یزید اور اسکے ساتھی سب کے سب ہی رو رہے

بعد اس کے کچھ نہ کچھ کرنے لگا وہ احترام حکم شاہی سے کیا اب اس نے اچھا انتظام
مطمئن کرنے میں تھی گو اس کی کوشش ناتمام پھر بھی وہ اپنی طرف سے کر رہا تھا اہتمام
اہل بیت اطہار کی آزردگی نہ اب بیٹھے
دل کو صدمہ نہ ہو کوئی تلخئ ایام سے

اہل بیت اطہار کے تھے زخمہائے دل ہرے کہ فراوانئ غم سے بن چکے ناسور تھے
گھاؤ جو بچی سکینہ کے ننھے دل پر پڑ چکے اب تھے ابا کی جدائی میں وہ گہرے ہو رہے
یاد کر کرکے وہ ابا کو تھی روتی رات دن
سوکھ کر کانٹے کی طرح ہو گئی تھی گلبدن

اس کو چھاتی پر لٹایا کرتے تھے حضرت حسینؑ اور سینہ پر سلایا کرتے تھے حضرت حسینؑ
کھانا خود اس کو کھلایا کرتے تھے حضرت حسینؑ روٹھ جاتی تو منایا کرتے تھے حضرت حسینؑ
اس سے بیحد پیار کرتے حضرت عباس تھے
اب نہ چچا پاس تھے اور نہ ہی ابا پاس تھے

اس قدر کثرت سے روئی یہ اداسی ایک شب کہ دکھائی دے رہا تھا ہو رہی ہے جاں بلب
اور نقاہت ڈھا رہی تھی اور بھی اس پر غضب زندگی سے سیری اس کے نظر آتے تھے ڈھب
شہربانو نے کہا اے پیارے زین العابدیں
بہن تمہاری سکینہ ہے بہت اندوہگیں!

کہہ رہی ہے اب کہ ابا کو بلا دو تو جیوں دل پہ اپنے کب تلک صدمے جدائی کے سہوں
جب تلک ان سے نہ مل لونگی نہ کھاؤں نہ پیوں کہہ رہی ہے ہائے ابا کیا کروں میں کیا کروں
اس طرح سے روتے روتے ہو گئی ہے یہ نڈھال
فکر اس کے حال سے دل کو ہوئی ہے بے کمال

تھا بپا اہل حرم میں ایک گریۂ ناتمام پوچھ بھیجا اس نے کہ رونے کا ہے یہ کیا مقام
کہہ دیا پیش یزید احوال تھا اس کا غلام ترس کھا کہ مہربانی کا کیا اس نے یہ کام

سر جناب سید الشہدا کا وہاں بھوا دیا
تاکہ بچی دیکھ لے اور اس کو ہو کچھ آسرا

اک بڑے سے خوان میں خوان پوش کے نیچے تھا سر جب اٹھا خواں پوش تو سر پہ پڑی سب کی نظر
رو رہے تھے سارے اہل بیت اس کو دیکھ کر آنکھ جب کھولی سکینہ نے تو سر آیا نظر!
یہ کہا کہ مہکتی زلفیں ہیں ابا جان کی
سر کو سینے سے لگا کر ایک ٹھنڈی سانس لی

نبض ساقط ہو گئی اور جسم سارا سرد تھا زندگی کی کلفتوں کا سارا جھگڑا مٹ گیا
دیکھ کر بیٹی کو ماں کے دل کو ایک دھکا لگا حضرتِ سجاد سے یہ شہر بانو نے کہا
منزلِ مقصود پہ پہنچی مسافر بچی مری!
آہ! یہ پردیس میں مجھ کو یہ دھوکہ دے گئی

موت پر حضرت سکینہ کی ہوا سب کو ملال ایک محزوں اہل بیت حضرات کے دل تھے کمال
ہو رہی تھیں پھوپھی و اماں تو رو رو کر نڈھال جب سنا یہ تو امیر شام کو گزرا خیال
ان شکستہ حال لوگوں کی ہیں دلجمعی کروں
منہ سے مانگیں جو ضرورت کا انہیں ساماں دوں

حضرتِ سجادؑ نے اس کے ملازم سے کہا کہ سوالی ہم نہیں جز بارگاہِ کبریا
میت اس معصوم کی خود ہی اٹھا لے جاؤں گا پر کفن کے واسطے مل جائے زینب کی ردا
اس نے ان لوٹے ہوئے کپڑوں سے چادر بھیج دی
آپ ہی سجادؑ نے تجہیز اور تکفین کی

دن گزرتے اس طرح تھے اہل بیت حضرات کے شکر سے ذکر و عبادت کرتے وہ دن رات تھے
آپ ہی وہ تھے کفیل اپنے سب اخراجات کے ہوتے متحمل نہ تھے وہ شاہی احسانات کے
کر سکا بزدل نہ ان کو کوئی گرمی کا اثر
کر سکا نہ رام ان کو کوئی نرمی کا اثر

یہ صحیح ہے کہ یہاں ہمدرد تھے سب خاص و عام اور مصائب کا یہاں پر ہو چکا تھا اختتام
اور سلوکِ نیک کو رکھا گیا گو التزام دہ مگر کو بے چین رکھتا ایک سوزِ ناتمام
یاد ان کو کربلا کی بھوک پیاس آتی رہی

تیر تشنگی عمر بھر کے واسطے چبھاتی رہی

یاد آتا کربلا کا ان کو اک اک واقعہ علی اصغر کی وہ معصومی وہ تیرِ حرملہ
ہر شہیدِ ظلم کا ایسے ہی سارا تذکرہ تھا کتابِ زندگی کا غم فزا سا حاشیہ

بھولتی نہ تھی انہیں ہرگز یہ خونی داستاں
سامنے آنکھوں کے رہتا واقعۂ خونچکاں

حضرتِ زینب ہی ان کی قافلہ سالار تھیں مرتبہ و عمر میں سب سے بڑی رہنما تھیں!
رہتی خود غمگین اوروں کی مگر غمخوار تھیں اور کبھی اور کبھی رو رہی اک شب بزار و زار تھیں

گود میں رکھا ہوا تھا سر امامِ پاک کا
آسماں کو چیرتی جاتی تھی یہ آہ و بکا

نصف شب کا وقت تھا خلقت تھی سب سوئی ہوئی کہ یہ آواز ایک دم ایوانِ شاہی میں گئی
ہند زوجۂ یزید آواز سن کر چونک اٹھی اس نے پہچانی یہ آواز اور پاس اس کے گئی

اور کہا کہ ہے امیرِ شام تو بیشک یزید!
ہو گیا زینب کا بھائی تیرے باعث سے شہید

پہلے پوچھا تا بہن ہے کون اور بھائی ہے کون ہیں نبیؐ کے لال جو ہے باعثِ تکوین کون
دکھ انہیں جس نے دیا ہے کیا کہوں ہیں کون کون موجب اس سب کا مگر تو ہی ہوا ہے اور کون

جاؤ اس دلگیر کی تم چل کے دلداری کرو!
جتنی تم سے ہو سکے تم ان کی غمخواری کرو

کچھ پشیماں تھا یزید اپنے کئے پر آپ ہی نیند اس کو بالعموم اس واسطے آتی نہ تھی
کروٹیں لیتے ہی بے چینی میں کٹتی رات تھی تھی سبب اس بات کا بیوی اسے سلجھا رہی

با دلِ ناخواستہ اٹھا وہ باہر کو گیا
حضرتِ زینبؓ سے تھا رونے کا باعث پوچھتا

کہہ رہا تھا ہو چکا ہونا تھا جو، وہ ہو چکا گزری باتوں پر بھلا ہے فائدہ رونے کا کیا
تیرے رونے سے مسلمانوں میں جوش آ جائیگا اور مری تلوار آخر دیگی سر ان کے اڑا

ذمہ داری قتل و غارت کی پھر ہوگی تیرے سر
روتی جس سر پہ ہے تو دیدے یہ واپس مجھ کو سر

بھائی کا سر چوم کر زینب نے اس سے یہ کہا تو بے کہا کہ جو ہونا تھا سو ہے وہ ہو چکا
یہ غلط ہے ہونے والا تو ابھی ہے آ رہا اور جو کچھ ہو چکا ہے وہ ہے اس کی ابتدا
ہو چکی تعمیل ہے اینک ترے احکام کی
انتظار اب کر تو اس تعمیل کے انجام کی

کربلا تو نے بپا کی عیشِ فانی کے لئے اور اپنی سلطنت اور کامرانی کے لئے
درحقیقت اک عذاب اور قہر مانی کے لئے[1] ظلم اتنا ایک مرگِ ناگہانی کے لئے
موت کتے کی مریں گے ظالمانِ کربلا
تخت تیرے وارثوں کو راس نہ یہ آئے گا

اب یہ بہتر ہے کہ رخصت دے مدینہ کی ہمیں کہ زیارت روضۂ اقدس کی ہم جا کر کریں
دل ہیں فریادی دلوں کی آگ ہم ٹھنڈی کریں روح فرسودہ کی جا کر ہم تسلی کر سکیں
سر ہمارے پاس رہنے دے امام پاک کا!
ہے یہ دار وئے شفا سب کے دلِ صد چاک کا

سن کے یہ سب کچھ یزید اب ہو چکا خاموش تھا انتظام اس نے صبح ہوتے ہی سارا کر دیا
قافلہ سالار نعمان بن بشیر اب عنا بتا دل سے تھا جو معتقد سب اہل بیت حضرات کا
اسلحہ بند تھیں اسوار اور اس کے ساتھ تھے
جو مدینہ کی طرف تھے اب روانہ ہو چکے

اتفاقاً تھا یزید اس وقت پاس ان کے کھڑا قافلہ جب یہ مدینہ کی طرف تھا جا رہا
اک قصائی پانی بھیڑوں کو پلا کر لے گیا اور تھوڑی دور جا کر ذبح پھر ان کو کیا
دیکھتا ہے اسے یزید عابد نے اس سے یہ کہا
پہلے پانی ہے پلایا، پھر ذبح ان کو کیا

تو نے بھیڑوں کے برابر بھی نہیں سمجھا اسے بھوکا پیاسا کربلا میں ذبح کر ڈالا جسے
چھید ڈالے پیاسے بچوں کے گلے بھی تیر سے تو نے جو کرنا تھا وہ ہے کر لیا تدبیر سے
کر چکا اینک تماشہ ہے تو اپنے زور کا

---

[1] حضرت زینب رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ عین پورے ہوئے کہ یزید مرگِ ناگہانی سے مرا اور اسکے بیٹے نے تخت قبول نہ کیا۔

منتظر رہ اب خدا کے حکم کا اور زور کا

قافلہ تھا اب حدودِ شام سے نکلا ہوا عین اطمینان اور آرام سے تھا جا رہا
دست بستہ عرض کی نعمان نے کر کے ثنا! حسن خاطر آپکی میرا ہے اصلی مدعا

جس جگہ آرام فرماتا ہو واں پہ ٹھہریئے
کوچ کرنا ہو تو مرضی کے مطابق کیجئے

اس کا زین العابدیں نے کر کے شکریہ ادا یہ کہا کہ جائیں گے ہم سب سے پہلے کربلا
ہڈیاں شہدا کی جو تھیں دفن واں انکو کیا واں سے پھر سیدھے مدینہ کی طرف کا رُخ کیا

قافلہ کی آمد آمد کی خبر پہلے گئی
منتظر تھی صغرئ بیمار راہ پہ رو رہی

اُم سلمہؓ پاک ام المومنینؓ عالی تبار خواب میں یہ دیکھتی ہیں واقعۂ دلِ فگار
کہ رسول اللہ کے چہرے پہ ہے گرد و غبار چشم تر ہے اور غم سے رو رہے ہیں زار زار

کہہ رہے ہیں کربلا سے آ رہا ہوں میں ابھی
واقعہ میرے پیارے کی شہادت ہو گئی

حضرت ام سلمہؓ کو اس دن سے ہی یہ یاد تھا قاصدِ صغرٰی نے بھی آ کر تھا یہ بتلا دیا
دن یہ دن تھا آپ کا غم اب زیادہ ہو رہا قافلۂ خانماں برباد بھی آج آ گیا

کربلا میں قافلہ سالار نے رکھا قیام
قافلہ ناشاد کام آیا ہے، واپس ناتمام

آہ! اے جمعیتِ ناشادگاں درماندگاں پیکرانِ صبر اے مجموعۂ زندہ دلاں
حامیٔ افتادگاں و مُمِدِّ آشفتگاں اے پناہِ عاصیاں و اے شفیعِ مذنباں

تم سفر سے آ رہے ہو واپس ہو کیسا حال ہے
آنسوؤں سے ہو رہا تم سب کا استقبال ہے

اپنے باقی ساتھیوں کو تم کہاں چھوڑ آئے ہو چہرے افسردہ ہیں کیوں کس حال میں تم آئے ہو
حال غربت میں ہوا کیا دل پہ کیا غم کھائے ہو کیا متاعِ درد و غم لوگوں کی خاطر لائے ہو

کچھ زباں سے بھی سناؤ اپنے غم کی داستاں
آنسوؤں کی ہو رہی آنکھوں سے ہیں نہریں رواں

ظہر کا تھا وقت جب یہ شہر میں داخل ہوئے   سب مسلماں مارتے چیخیں تھے اور تھے رو رہے
عابد و صغریٰ گلے مل کر تھے بیہوش ہو گئے   وہ تو ہی بیمار فرطِ غم سے تھے غش کھا گئے
حضرت ام سلمہؓ اک اک کے گلے تھیں مل رہی
ان کو دیتی تھیں تسلی اور خود تھیں رو رہی

روضۂ اطہر پر گریہ زاری

جب نمازِ ظہر مل کر سب ادا تھے کر چکے   حاضری میں روضۂ اقدس کی پھر سارے چلے
مارتے دھاڑیں تھے سب خورد و کلاں تھے رو رہے   اور زین العابدین فریاد تھے یوں کر رہے
اے تری درگاہ ہے درگاہِ رب العلمین
تو بشیر و نذیر و رحمۃ للعلمین
بسکہ بے صبری سے دامن ہیں ہمارے تار تار   اور ہمارا حال صورت سے ہماری آشکار
کلمہ گو لوگوں نے بھیجا ہے یہ تحفہ زنہار   سر مرے ابا کا جو رکھا ہے میں نے بر مزار
کہہ رہا ہے حال اپنا بہ زبانِ حال سے
کہ گلوئے خشک میں کانٹے کھڑے تھے ہو رہے
زخم تھے تینتیس ۳۳ نیزوں کے تمامی جسم پر   گھاؤ تلواروں کے تھے چونتیس ۳۴ سارے بدن پر
زخم تیروں کے تو تھے ان گنت ہی از پا تا سر   جسم پر دوڑائے گھوڑے سر تبر سے کاٹ کر
کام انہوں نے کیا پڑھتے تھے جو کلمہ ترا
کہتے تھے اسلام سے باغی نواسہ ہے ترا
پھٹ رہا سینہ ہے مشکل ہے ہمیں ضبطِ فغاں   ہو ادھر نظرِ کرم اے مایۂ بے مایگاں
صبر دے دل کو ہمارے اے نصیرِ عاجزاں   ڈھونڈیں ہم کس کی پناہ تو ہے پناہِ بیکساں
خستہ جانوں غمزدوں اور داغداروں کے لئے
یا محمدؐ سایۂ دامانِ رحمت چاہیئے
اس طرح فریاد سے رو رو کے جی ہلکا ہوا   مرقدِ زہرا پہ پھر یہ سر اٹھا کر رکھ دیا
حضرتِ زینبؓ نے کی جا کر وہاں یوں التجا   آپ کے ہے پاس آیا آپ کا یہ لاڈلا
ہیں کھلی آنکھیں کہ باقی حسرتِ دیدار ہے

کربلا میں اس کا سینہ جگر افگار ہے

جسطرح نانا کے دل میں تھا بہت امت کا غم — اسطرح میدان میں اس نے بھی کھا کر قسم
بہت ہی امت کو سمجھایا اٹھایا جب قدم — لیک امت نے نہ رکھا کوئی بھی اس کا بھرم
ہر کوئی بس قتل کرنے پہ ہوا تیار تھا
یہ نہ سمجھے کہ حقیقت میں یہ اک غمخوار تھا

تابِ گویائی نہیں کہ اب تڑپتی ہے زباں — کربلا کی داستاں ہائے وہ اک خونیں بیاں
گزری نیزے لال پر کیا کیا سنائیں اماں جاں — اس کے سینے میں مگر اک شبر کا دل تھا نہاں
ذات اس کی واقعی ہے فدیۂ ذبحِ عظیم
کربلا میں جس نے نہ چھوڑی صراطِ مستقیم

اس طرح سب نے نکالا دل کا رو رو کر بخار — ابرِ باراں کی طرح سب ہو رہے تھے اشکبار
ہلکا ہو جاتا ہے دل رو کر یہ ہے دنیا کا شعار — پھر بنایا فاطمہ زہرا کے پہلو میں مزار
دفن اس میں کر دیا تھا سر امام پاک کا
تھا خمیر اس سر کا شاید اس جگہ کی خاک کا

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا

ظالمانِ کربلا کا انجام
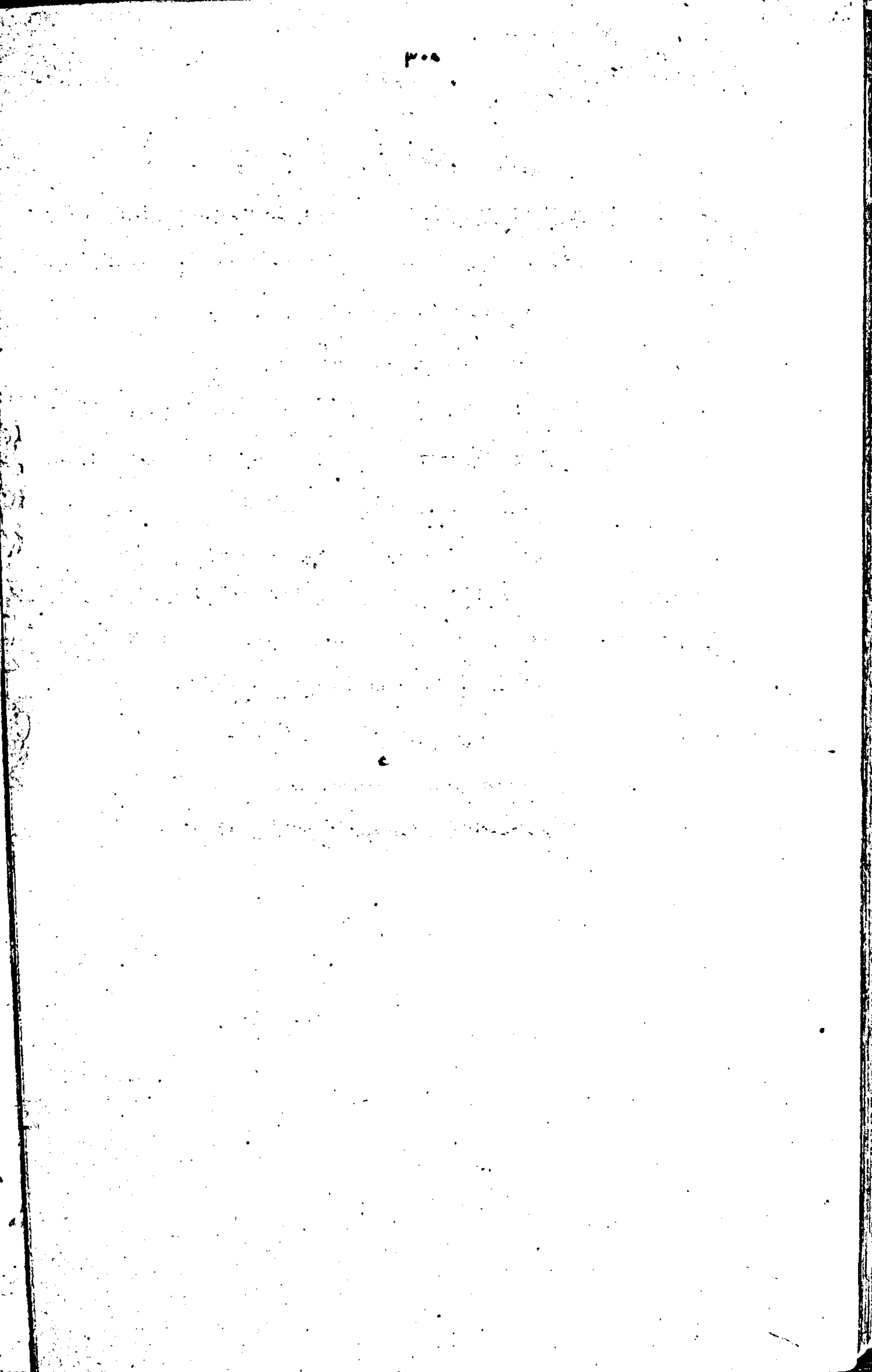
ہے مثل مشہور دنیا ہے مکافات عمل نیک ہو یا بد عمل ملتا ہے آخر اس کا پھل
راحت و تکلیف ہے اعمال کا ہی ماحصل آج تک بدلا نہیں ہرگز یہ قانونِ ازل
ظالمانِ کربلا کو بھی عمل کا پھل ملا
ہو رہی تھی اب عقوبت ان سے پنجہ آزما
کربلا کے ظالموں میں سے تھا کوئی بد سگال بد ترین اعمال تھے اور بد ترین اسکا مآل
پیاس کے غلبہ سے رہتا تھا سدا اس کا یہ حال پی لیا کرتا تھا پانی کی وہ اک سالم پکھال
پیاس کا اس پر عذاب اسطرح سے ہوتا رہا
کہ وہ ذلت سے بیا ذلت میں آخر مر گیا
کرتے ہیں اپنی تصنیف اور ان میں یوں بیاں با العموم ان پہ ہوا کرتا تھا حال ایسا عیاں
کہ کوئی شے کھانے پینے کے لئے بیٹھے جہاں خون بن جاتا تھا سامانِ خورش ان کا وہاں
یہ عذاب اسطرح تھا ان پر مسلط ہو چکا
اپنے حق میں موت کی کرتے تھے تنگ آ کر دعا

یزید کا انجام

سن اُنتالیس ہ سال تھا اک دن یزید دوزخی مر گیا کوٹھے سے گر کر کہ شراب اسنے تھی پی
اس طرح لکھتے ہیں عبدالحق محدث دہلوی کہ جوانی میں یزیدی مرگ کی وجہ یہ تھی
خونِ ناحق تھا امام پاک کا اس نے کیا
ان کے گھر پہ کربلا کی آگ کو برپا کیا
اور بھی مرگِ یزیدی کی روایت ہے بیاں جس میں قولنج کا درد اسکو اٹھا ناگہاں
ہو چکا تھا درد پسلی میں بھی ساتھ اسکے بیاں اور اس پر پیاس اس کو کر رہی تھی نیم جاں
پینا پانی تھا تو آجاتی تھی فوراً قے اُسے
اور عوارض سے افاقہ نہ ہوا قطعاً اُسے
ہو چکا آخر اسے تھا موت کا اپنی یقیں! معاویہ بیٹا تھا اس کا اسکو بلوایا وہیں
اور اُمورِ سلطنت کی جو وصایا تھیں وہ کہیں جیخ ماری اس نے سن کر یا دل اندوگیں،
اور کہا یارب مجھے اس سلطنت سے تو بچا

خونِ اہلِ بیت سے جس کا ہے دامن تر ہُوا
اس طرح اس سلطنت پہ بھیج کر لعنت گیا   کان اب ہرگز کسی کی بات پہ دھرتا نہ تھا
ہر طرح سے ہر کوئی اس کو تھا یہ سمجھا رہا   اس طرح سے سلطنت کا خاتمہ ہو جائے گا
تخت پہ مجبور کر کے سب نے بٹھلایا اسے
چین پہ سوزِ دروں لینے نہ دیتا تھا اسے
اس طرف بے چین اور بیتاب تھا بجد یزید   تین دن اور رات تک تڑپا کیا از حد یزید
اپنی تکلیف اور بیٹے کا جواب اس پہ مزید   جان کندن کا عذاب اس سے بھی کیا ہوگا مزید
بھوکے پیاسے کی تڑپ کر ہو گئی تحلیل روح
لے گئے اس کے بدن سے حضرت عزرائیل روح
یہ روایت ہے جہاں موجود ہے اسکی قبر   لوگ پتھر اور کنکر مارتے ہیں اس قدر
پتھروں کا ڈھیر ہی واں پہ ہے بس آتا نظر   اک روایت ہے کہ مدت سے وہاں کچھ شیشہ گر
بھٹی شیشہ کی لگاتے اور دہکاتے ہیں واں
آگ دوزخ کی مقدر میں ہوئی اندر جہاں
دین چھوڑا ایماں گنوایا بادشاہت کے لئے   کی خلافت ختم اس جھوٹی امارت کیلئے
عاقبت بھی کی خراب اس فانی راحت کیلئے   اس قدر قضیئے کئے دنیا کی عزت کیلئے
معاویہ کے خاندان سے کی نہ دنیا نے وفا
چار دن کی چاندنی کے بعد اندھیرا ہوا
تخت پہ بیٹھا تھا اک دن معاویہ ابنِ یزید   دفعتاً ہی چیخ کر اٹھا یہ فطرت کا سعید
اور کہا مجھ کو نہیں اس تخت کی حاجت مزید   ہو گیا بیزار اس شاہی سے یہ فردِ فرید
پندرہ دن بادشاہی کی، نہ پھر آیا یہاں
لے گیا دردِ نہاں جاں سے ہی بس اندر مکاں

مختار ثقفی کا خروج

تھا چھیاسٹھ سن ہجری شاہ عبد الملک تھا   جیل میں کوفہ کی اک مختار ثقفی قید تھا
دل ہی دل میں اپنے منصوبے تیار بنا باندھتا   اتفاقاً قید سے وہ ہو گیا اک دن رہا

اس نے حاصل کر لیا تھوڑے دنوں میں عروج
کربلا کا تاکہ لے بدلا، کیا اس نے خروج

اس کی اک آواز پر لوگ عام شامل ہو گئے — ہو کے ہم آہنگ کوفہ پہ یہ غالب آ گئے
حکم یہ مختار نے سب شہر میں جاری کئے — کربلا میں آدمی جو جو مخالف تھے لڑے

جو امام پاک کے تھے بالمقابل آدمی
پکڑ کر تم سامنے لاؤ مرے ان سب کو ہی

حکم تھا بجلی کا کڑکا تھا یہ کوئی قہر تھا — کہ ہر اک کوئی تھا اپنے اپنے دل میں ڈر رہا
اور کلیجہ بے ایمانوں کا تھا بالکل ہل گیا — کربلا کا لازماً بدلہ ہے ہوتی کربلا

بے گناہوں کا ہو جب منظور لینا انتقام
کربلا کرتی ہے قدرت آپ اسکا انتظام

فجر کے وقت ہو گیا ہر سو یہ اعلانِ دقیر — ظہر سے پہلے کئے حاضر یہ مجمعِ کثیر
عمرو بن حجاج و اسود اور طہران و بشیر — قیس، سردارِ صریح اور ابنِ ازور سے حقیر

گرج کر مختار بولا بے ایمان و بے حیا
تم نے ہی سبطِ رسول اللہ سے تھا جنگ کیا

کہہ کے اتنا اس نے جلاد کچھ اکٹھے کر لئے — اور یہ فرمان ان سب کو یہ پھر اس نے دیئے
لاؤ تم اک ایک کر کے ان کو میرے سامنے — ان کو دو تکلیف اتنی جس قدر کہ ہو سکے

کاٹ ڈالو جوڑ ان کے عضو سب کر دو جدا
مار دو تڑسا کر ان کو بس یہی ہے مدعا

لے رہی مختار کی تلوار تھی یوں انتقام — ہو رہے تھے قتل کوفی اس طرح ناشاد کام
ابنِ ازور سامنے آیا بعد عجز و سلام — عرض کی مختار سے اس نے یہ باصد احترام

ہم نے کی تعمیل عمرو سعد کے احکام کی
حکمِ ابن زیاد کی یا ہم نے کی ہے پیروی

ہم نے جو کچھ بھی کیا مجبور ہو کر ہے کیا — بخطا ہیں ہم، نہیں اس میں ہماری کچھ خطا
بخش دو ہم کو ہیں دیتے ہم خدا کا واسطہ — قہر سے دیکھا اسے مختار نے اور یہ کہا

نفس کے بندوں کے ہاتھوں سے ہی تم مجبور تھے

میں ہوا مجبور ہوں لیکن خدا کے حکم سے

یہ کہا اور قتل ان سب کو وہاں کروا دیا　　اور مخاطب ہو کے اپنے فوجیوں سے یوں کہا
ڈھونڈھ کر لاؤ تم عمرو سعد کو اب بے ملا　　گھر میں ہو یا جس جگہ جا کر بھی ہو وہ چھپ گیا

دانہ پانی تم پہ ہے اس وقت تک کھانا حرام
جب تلک عمرو کو یہاں لے آؤ نہ تم تیز گام

باغیانِ سبطِ پیغمبر تھے مفرور ہو رہے　　جنگلوں غاروں میں تہ خانوں میں جا کر چھپ گئے
چھوڑ کر کوفہ کو اکثر بصرہ کی جانب گئے　　آدمی مختار کے تھے ان کے پیچھے لگ رہے

شمر کو تہ خانہ سے خولی کو جنگل سے لیا
اور تھی اک غار عمرو سعد کو واں پا لیا

اس طرح ان سب کو پکڑا اور حاضر کر دیا　　ڈر کے مارے لرزہ ان سب پہ تھا طاری ہو رہا
ان کو جب مختار نے دیکھا تو وہ بھی کانپ اٹھا　　عمرو سے مختار نے غصے میں آکر یہ کہا

کیا سزا دوں دشمنِ آلِ پیمبر میں تجھے
کہ لگائی آگ جو تو نے وہ ٹھنڈی ہو سکے

رو رہا تھا بے بسی اپنی پہ عمرو رو سیاہ　　ہچکیاں لے لے کے کہتا تھا کہ میں ہوں بے گناہ
کہ یزیدی حکم سے مجبور تھا میں خواہ مخواہ　　یا پھر ابن زیاد پہ لازم ہے آتا سب گناہ

وہ تھے حاکم حکم سے ان کے ہوا مجبور میں
ہوں حسین ابن علی کے قتل سے معذور میں

یہ دیا مختار نے عمرو کی باتوں کا جواب　　حفص عمرو سعد کا لڑکا ہے جو کہ پا بہ رکاب
پکڑ کر اس کو بھی لاؤ پاس میرے تم شتاب　　کہ مدد اس نے بھی دی ہے کربلا میں بے حساب

بوسعید اسلمی فوراً گیا لایا اسے
جب وہ آیا تو کہا مختار نے جلاد سے

سامنے عمرو کے بیٹے کو یہاں کر دو کھڑا　　حفص کا سر اس کو دکھلا کر کرو تن سے جدا
تا اسے معلوم ہو ہوتی ہے حالت دل کی کیا　　سامنے نظروں کے بیٹا قتل ہو جب بے خطا

اکبرؑ و اصغرؑ کو جیسا اس نے تڑپایا تھا یوں
اور امامِ پاک کے دل کو ستایا اس نے یوں

تنفس پہ تھا کر دیا جلاد نے بھرپور وار — دیکھ کر بیٹے کو عمرو ہو گیا سیماب وار
نوچتا تھا بال سر کے ہو رہا تھا بیقرار — کہ کہا مختار نے جلاد کو ہاں! ہوشیار!
بس معاً تلوار گردن پر جونہی آ کر گری
لاش عمرو سعد کی اب خاک پہ تھی تڑپتی

شمر نابنجار کو اب سامنے لایا گیا — تو مخاطب ہو کے یوں مختار نے اس سے کہا
تو امام پاک سے گستاخیاں کرتا رہا — وہ درندہ اور شقی القلب ہے تو بے حیا
سینۂ اقدس پہ بے ادبی سے تو پہلے چڑھا
اور امام پاکؓ کی گردن پہ پھر خنجر رکھا!

شمر تھر تھر کانپتا تھا، ہانپتا تھا پیاس سے — پیاس زیادہ ہو رہی تھی خوف سے اور یاس سے
بہت رنجیدہ تھا مختار اس خبیث الناس سے — بات کوئی بن نہ آئی جب کہ اس خناس سے
تو کہا کہ بے گناہ اس میں سب عمرو سعد کا!
ماتحت تھا میں تو اسکا اس لئے یوں بھٹکا

یہ کہا مختار نے باتیں نہ کر، وہ ہاتھ اٹھا — جو امام پاک کی گردن پہ تھا تو نے رکھا
شمر نے کی التجا پیاسا ہوں مجھ پانی پلا — قتل کرنا ہے تو پہلے پیاس کی کچھ کر دوا
یہ کہا مختار نے مجھ کربلا کو یاد کر!
اہل بیت اطہار کی یاد دل ناشاد کر!

یاد کر معصوم بچے بلبلانے پیاس سے — دودمان مصطفےٰ پانی سے جب تھے اُس نے
پانی لینے کو گئے جب حضرت عباس نے — وہ شہادت پا گئے تکتے رہے بہ یاس سے
یاد ان معصوم بچوں کی تجھے آتی ہے کیا
پانی نہ ملنے سے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا

وہ نبیؐ کے لعل و گوہر اور تو خشرف حقیر — وہ امیر ہر دو عالم تو ہے دنیا کا فقیر
وہ تھے آزاد اور تو حرص و ہوس میں ہے اسیر — وہ مرقع نور نبوی تو ضلالت کی لکیر
ان کو پانی نہ ملے اور وہ پیاسے ہی رہیں
تیری استدعا کہ تجھ کو سیر ہو کر پانی دیں

اس طرح جلاد! اس موذی کے سر پہ وار کر — ایک ہی تلوار سے ناری کو فی النار کر

اور دوزخ کی طرف دنیا سے اس کو پار کر مار دی تلوار تھی جلاد نے سنوار کر
لاشہ پھر اس نجس کا باہر ہی پھنکوایا وہاں
کرگسوں کتوں کے یہ ناپاک کام آیا وہاں

حرملہ کا انجام

حرملہ مردود کو اب سامنے لایا گیا بلبلا کر ایک دم مختار غصے سے اٹھا
جب تصور اصغر معصوم کا اس کو ہوا چیخ اٹھا اور فوجیوں سے اپنے اسنے یہ کہا
اس کا بیٹا گر کوئی ہو ڈھونڈ کر لاؤ اُسے
تاکہ بدلہ مساوی سے نوازدوں میں اِسے
ایک بیٹا حرملہ کا تھا جو گھر میں خوردسال ساتھ لے آئے سپاہی اس کو پھر گھر سے نکال
حرملہ سے یہ کہا مختار نے اے بدخصال اپنے بیٹے کو ذرا اب گود میں اپنی سنبھال
یہ کہا جلاد سے سنبھال کر تیر و کماں
حرملہ کی گود کو کردے نرازدہ بس یہاں
حکم کی تعمیل پورے طور پر ہی کی گئی اور تھی تیروں کی بارش حرملہ پہ ہو رہی
حرملہ کے سامنے بچے نے پہلے جان دی اور اب تھی حرملہ کی جان پہ خود بن گئی
ہر طرف سے تیر تھے اس کو پروتے جا رہے
حرملہ کے بخت اب اس پہ تھے روتے جا رہے

خولی کا انجام

تڑپتی تھی حرملہ کی لاش بے سود و زیاں خولی بدکار اب لایا گیا گریہ کناں
یہ کہا مختار نے اس سے بتا او بے ایماں تو نے ہی مارا تھا برچھا پسلیوں کے درمیاں
سرِ امام پاک کا تو نے ہی نیزہ پہ رکھا
کیفرِ کردار تک تجھ کو میں اب پہنچاؤنگا
ہاتھ اس کے کاٹ ڈالو حکم یہ اس نے دیا بعد اس کے دونوں پاؤں کو بھی کٹوایا گیا
کاٹ کر گھٹنے اسے پھر ادھ موا سا کر دیا اور اسی حالت میں پھر باہر یہ پھنکوایا گیا

اہلِ عبرت کے لئے تا کہ تماشہ ہو سکے
انتقامِ قدرتی کی یہ صورت دیکھ کے

پکڑا حکم ابنِ طفیل اور اسکو اب لے آئے پاس — کہ ہوئے تھے زخم خوردہ تیر اسکے سے عباسؑ
اور امامِ پاکؑ کا اس نے اتارا تھا لباس — کہہ رہا تھا پیاس پیاس اور ہو رہا تھا بے ہراس

تیر مارے اس کی آنکھوں میں کیا اس کو فناہ
اور دکھلایا اسے یوں ہاویہ کا راستا

سنان ابن انس کا حشر

تھا سنان ابنِ انس بصرہ کی جانب کو گیا — بھاگ کر بصرہ سے پھر یہ سوئے قادسیہ چلا
پر عذیب و قادسیہ کے درمیاں پکڑا گیا — ہاتھ پاؤں کاٹ کر اس کو اپاہج کر دیا

روغنِ زیتون میں پھر اسکو جو شایا گیا
تل کر اس کو سامنے کتوں کے ڈلوایا گیا

عبید اللہ ابنِ زیاد کا انجام

اب عبید ابنِ زیاد اک ان میں باقی رہ گیا — ان دنوں یہ شام کی جانب تھا متعین ہوا
کوفہ کے احوال کا اس کو پتہ تھا ہو چکا — اس لئے اپنی جگہ محتاط تھا رہنے لگا

کہ یزید ابنِ انس سے یہ کہا مختار نے
اس کو ابراہیم اور تم دو تو جاؤ گھیرنے

مار کر لاؤ اُسے یا زندہ لے آؤ اسے — فوج اپنے ساتھ لے جاؤ تقابل کیلئے
حکم سن کر وہ تو اس جانب روانہ ہو گئے — کر لیا محصور ہر جانب سے گھیرا ڈال کے

سن کر ابنِ زیاد اب بیحد پریشاں ہو گیا
پے بہ پے تھا صلح کے پیغام بھجوانے لگا

صلح جوئی میں مرنا کام تو سمجھا کہ اب — جان بچانے کا لڑائی میں نکل آئیگا ڈھب
اس لئے یہ بالمقابل آ گیا تھا بوالعجب — سخت جانی سے لڑا ہو کر بہت ہی پُر غضب

اس کو قسمت دے چکی تھی ہار کر یہ گر پڑا

اس طرح سے ہار کھا کر آخرش پکڑا گیا

نعرہ ابراہیم نے اللہ اکبر کا کیا! — اور مخاطب ہو کے یوں عبید سے اسنے کہا
ظلم کی ملتی ہے اک دن ظالموں کو یوں سزا — بادشاہ تو ہم نہیں لیکن یہ ہے قہرِ خدا

صورتِ مختار ثقفی آیا تم پہ ہے عذاب
یہ کہا اور سر جدا تن سے کیا اس کا شتاب

اس کا سر مختار نے باقی سروں میں جب کیا — بہت ہی باریک سانپ اک ندرتاً واں آ گیا
سر میں ابنِ زیاد کے نتھنوں کی راہ سے چڑھ گیا — اور پھر منہ کی طرف سے سانپ باہر آ گیا

آدمیوں کے بھرے دربار نے دیکھی یہ بات
سانپ نے کی کچھ نہ اترے یہ ساری واردات

ظالموں سے یوں لیا کرتی ہے قدرت انتقام — اس طرح سے کائنات اپنا چلاتی ہے نظام
اور ہوا کرتا ہے یوں خاموش سا ہی انتظام — آتے مردود غالب ہو کے پھر بھی ناکام

کہ نہیں ہوتا کسی کو اس کا کچھ وہم و گماں
یوں اڑا دیتے ہیں ظلم و ستم کی وہ دھجیاں

شجرہ نسب مصنف حادثۂ کربلا

سید امیر جیلانی شاہ ابن سید غلام جیلانی شاہ ابن سید امیر علی شاہ ابن سید بھیکے شاہ
ابن سید حاکم شاہ ابن سید ہدایت اللہ شاہ ابن سید محمد شفیع شاہ ابن عبد النبی ابن سید
حمان شاہ ابن سید لال شاہ ابن سید جمال شاہ ابن سید مولانا شاہ عبد الرحمن ابن شاہ شرف
الدین ابن شاہ محمد زمان ابن سید نور رنگ شاہ ابن سید بھوّن شاہ عرف جید شاہ دان کا
روضہ مطہرہ موضع بھونڈری تحصیل جگراؤں ضلع لدھیانہ میں موجود ہے) ابن سید جمیل شاہ ابن پیر
ظفر علی ترمذی ابن سید جمال اللہ شاہ ابن سید مشتاق شاہ ابن سید عظیم شاہ ابن سید نصیر اللہ
شاہ ابن سید احمد شاہ ابن سید نور الحق ابن سید مسعود شاہ ابن سید پیر بخش شاہ ابن سید
نور الدین شاہ ابن سید شاہ حسین ثانی ابن سید عطاء اللہ شاہ ابن سید شاہ احمد ابن سید
شاہ منور غازی (لاہور میں زمیندارہ حیثیت سے معززانہ زندگی بسر کی) ابن سید مرتضےٰ
شاہ ابن سید احمد شاہ ابن سید اسحاق شاہ ابن سید اسمٰعیل شاہ ابن حضرت امام حسن عسکری
علیہ السلام ابن حضرت امام نقی علیہ السلام ابن سید امام تقی علیہ السلام ابن امام موسیٰ رضا
علیہ السلام ابن امام کاظم علیہ السلام ابن امام جعفر صادق علیہ السلام ابن امام باقر علیہ السلام
ابن امام زین العابدین علیہ السلام ابن حضرت امام حسین علیہ السلام ابن مولائے علی مشکل کشا
شیر خدا علیہ السلام ابن ابی طالب ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی ابن
کلاب ابن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ ابن
خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مضر ابن نذر ابن معز ابن عدنان ابن اد ابن ادد ابن الہمیسع
ابن حمل ابن نبت ابن قیذار ابن اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ ابن حضرت ابراہیم علیہ السلام
خلیل اللہ ابن تارخ ابن ناصر ابن شادرغ ابن ارغوث ابن فالغ ابن شالخ ابن قینان
ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح علیہ السلام نجی اللہ ابن یرد ابن ادریس علیہ السلام ابن مہائیل
ابن قینان ابن انوش ابن شیث علیہ السلام ابن آدم علیہ السلام ابوالبشر وعلی نبینا افضل
الصلوٰۃ والسلام آدم من تراب، تراب من ارض، ارض من زبد، زبد من موج، موج من ماء
ماء من درّہ، درہ من قدرت، قدرت من ارادہ، ارادہ من علم اللہ تعالیٰ۔

مصنف کے متعلقین

سید بھیکے شاہ

سید امیر علی شاہ — سید محبوب علی شاہ

سید عطا محمد شاہ — [illegible] — [illegible] — [illegible]

سید برکت علی شاہ — سید شیر محمد شاہ — سید عادل شیر شاہ — سید [illegible] شاہ

سید [illegible] جیلانی شاہ — سید [illegible] جیلانی شاہ

سید تاج محمد شاہ — سید ارشاد جیلانی شاہ

سید بشیر جیلانی شاہ — سید امیر جیلانی شاہ مصنف کتاب ہذا — سید انور جیلانی شاہ — الحاج سید مشتاق جیلانی شاہ

سید شفقت جیلانی شاہ

سید اشرف جیلانی شاہ

سید گلزار محی الدین شاہ

سید محمود علی شاہ

سید شبیر حسین شاہ — سید ذوالفقار علی شاہ — سید مبارز علی شاہ — سید اقبال علی شاہ

سید غلام محی الدین شاہ (سجادہ نشین) — سید گلزار محی الدین شاہ — سید اقبال محی الدین شاہ

سید شریف محی الدین شاہ

سید فیض محی الدین شاہ (سجادہ نشین) — سید افضل محی الدین شاہ — سید عنایت محی الدین شاہ — سید انوار محی الدین شاہ

سید نذر محی الدین شاہ — سید نیاز محی الدین شاہ — سید غلام دستگیر شاہ

دعا خاتمۂ کتاب

بنبی عربی و رسول مدنی — بأخیه اسد اللہ مسمّی بعلی
وبزهرا البتول وبامه ولدتها — وبسبطیه وبابنیه هما نجل زکی
وبسجاد وبالباقر والصادق حقا — وبموسیٰ وبرضا و بنقی و تقی
وبذی العسکر وبحجة قائم بالحق — الذی یضرب بالسیف بحام زکی

وتقبل بقبول حسن رب دعانا
بعلی بعلی بعلی بعلی

تمت بالخیر

سید امیر جیلانی امیر
چک ۱۰۲ نہر فتح - تحصیل چشتیاں شریف
بہاول پور

:- گلزار عالم پریس لاہور میں چھپی :-

نغمۂ پنجم

یعنی

نغماتِ امیرؔ

مصنفہ

حکیم سید امیر جیلانی شاہ چک ۱۰۱/۶ فتح بہاولپور

زیر طبع ہے

انتظار کیجئے

اس کا آخری حصہ بزبانِ پنجابی دوہڑوں پر مشتمل ہے۔

جس میں مختصر ذکر معجزاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دلچسپ پیرایہ میں کیا گیا ہے۔

اور

حصہ اول اردو فارسی نظموں کا مجموعہ ہے۔ جو تمام صوفیانہ رنگ

میں لکھی گئی ہیں

ابو الاثر حفیظ جالندھری کی تصانیف کی فہرست

اور موجودہ قیمتیں

شاہنامہ اسلام — جلد چہارم — غیر مجلد پانچ روپے — مجلد قیمت چھ روپے

شاہنامہ اسلام — تین حصے — ہر حصہ غیر مجلد پانچ روپے — مجلد " چھ روپے

نغمہ زار — حفیظ کے آغاز شباب کی شاعری کا مجموعہ غیر مجلد — دو روپے چار آنے

سوز و ساز — حفیظ کی جوانی کا کلام — غیر مجلد — تین روپے چار آنے

تلخابۂ شیریں — حفیظ کی شاعری کا تیسرا دور " — غیر مجلد " — چار روپے

تصویر کشمیر — کشمیر اور باشندگان کشمیر کے حسن و قبح کا مرقع — غیر مجلد " — بارہ آنے

یہ ہماری انجمن — ایک معرکہ آرا نظم — چار آنے

سلام — حفیظ کا سلام بدرگاہ خیر الانامؐ " — چار آنے

رقاصہ — حفیظ کی ایک عبرت انگیز نظم — چار آنے

حفیظ کے گیت اور نظمیں، بچوں کے لیے چار کتابیں، فی کتاب غیر مجلد — آٹھ آنے

ہفت پیکر — نثر میں حفیظ کے سات طبعزاد افسانے — غیر مجلد — دو روپے چار آنے

معیاری افسانے — بہترین افسانوں کا انتخاب جس کو حفیظ نے اپنے رنگ میں ترجمہ کیا — دو روپے چار آنے

بہت ضروری بات! — صرف نقد قیمت منی آرڈر کے ذریعے بھیجیے، کتابیں رجسٹرڈ پارسل کے ذریعے بھیجی جائیں گی محصول ڈاک بذمہ خریدار کوپن پر اپنا نام پتہ خوشخط لکھیے

دفتر مجلس اردو، اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یا معین

أترجو امۃ قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب

کیا وہ امت جس نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے اس کے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھتی ہے

حادثۂ کربلا

مصنفہ

سید امیر جیلانی شاہ خلف الرشید حضرت حکیم پیر سید غلام جیلانی شاہ قدس اللہ سرہ

وخلد مکانہ، صوفی قادری فاضلی مرحوم و مغفور سکنہ چک ۱۰۷ نہر فتح تحصیل چشتیاں

حسب فرمائش

صوفی حاجی سائیں کریم اللہ صاحب دانشمندی لاہور،

زیر اہتمام

محبوب عالم ٹائمز بک ڈپو کتب خانہ حفیظ۔ اردو بازار۔ لاہور

ملنے کا پتہ

کتب خانہ مدارس کوٹ کلاں چک ۲۷۷ تحصیل سمندری

ضلع لائل پور،